جنٹل مین
فی ارض اللہ

www.KitaboSunnat.com

ادبیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

جنٹل مین فی ارض اللہ

کرنل (ر) اشفاق حسین

www.kitabosunnat.com

ادبیات
فون 042-37232788 • 042-37361408
E-mail: sulemani@gmail.com
www.sulemani.com.pk, facebook.com/sulemani5

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام	جنٹل مین فی ارض اللہ
مصنف	کرنل (ر) اشفاق حسین
ناشر	حکیم عمار وحید سلیمانی
مطبع	حاجی حنیف پرنٹرز ۔ لاہور
ایڈیشن اول	دسمبر ۲۰۱۶ء
تعداد	۱۱۰۰
قیمت	۵۰۰/- روپے

شائع کردہ

ادبیات

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 042-37361408, 042-37232788

sulemani@gmail.com : sulemani.com.pk

دست یابی

ادارہ مطبوعات سلیمانی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور • فون: 042-37232788

042-37361408 E-mail: idarasulemani@yahoo.com

sulemani@gmail.com : sulemani.com.pk

www.facebook.com/sulemani5

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتساب

سکندر زیدی اور فہیم الدین سمیت

ان تمام محسنوں کے نام کہ

جن کی میزبانی اور مہربانیوں نے سفر خوشگوار بنادیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست

○ امریکہ براستہ سنگاپور ۷
■ امریکی بیوروکریسی کا امتحان ۱۳
■ دنیا کی پیچیدہ ترین گلی ۲۳
■ گولڈن گیٹ برج ۲۴
■ ڈزنی لینڈ ۲۴
■ لائبریری آف کانگریس ۳۶
■ واشنگٹن سے لندن ۴۲
○ موسیٰ علیہ السلام کی سرزمین میں فرعونوں سے واسطہ ۵۱
○ اردن۔ اصحاب کہف کا غار ۷۴
■ واپس مصر، عربی میں اختر شیرانی کی شاعری ۸۰
○ انگلینڈ واپس ۸۹
■ یورپ کا بہترین ریسرچ سینٹر ۹۰
■ یو این او میں ۹۳
■ ڈرائیونگ ٹسٹ ۹۸
○ ابوظہبی ۱۰۳
■ مسجد شیخ زید بن سلطان ۱۰۸
■ شاعروں اور ادیبوں سے ملاقات ۱۱۲
■ العین ۱۱۹

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

■ ''کرنل (ر) اشفاق حسین کے ساتھ ایک روایت شکن شام'' ۱۲۱
■ عرب امارات کا طرز زندگی ۱۳۲
■ موازنہ تاریخ برصغیر و ابوظہبی ۱۴۷
■ غربتوں کے چنگل سے امارتوں کے جال میں ۱۵۵
■ تشکیل متحدہ عرب امارات ۱۶۳
○ ایران کی زیارات ۱۷۱
■ اصفہان، نصف جہاں ۱۸۵
■ ہمدان ۱۹۴
○ عراق میں مرحلہ ہائے سخت جاں ۲۰۰
■ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش ۲۱۱
○ دمن تر کی نمی دانم ۲۲۵
■ مقام کشتی نوح ۲۲۵
■ اصحاب کہف کے غار ۲۲۷
■ مولانا جلال الدین رومیؒ کے مزار پر ۲۳۴
■ مسجد بلال حبشیؓ ۲۳۷
■ ایک ''دہشت گرد'' سے ملاقات ۲۳۸
■ حبیب نجار کے مزار پر ۲۴۴
■ استنبول کی مساجد اور توپ کاپی میوزم ۲۴۷
○ سفر نامہ یورپ ۲۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امریکہ براستہ سنگاپور

بڑے بیٹے سعد نے ملٹری کالج آف سگنلز سے ٹیلی کمیونیکیشن میں گولڈ میڈل کے ساتھ بی ایس سی کیا تو کچھ عرصے تو پاکستان میں کام کرتا رہا پھر امریکہ کی ایک بڑی کمپنی نے اسے وہاں بلا لیا۔ اس نے ایک سال تک ڈالر کمائے، تب ہم نے سوچا کہ اس کی شادی کر دی جائے۔ وہ ایک مہینے کی چھٹی آیا تو والدین اور دلہن کے ویزے ساتھ لایا۔

ہمیں شادی کے فوراً بعد امریکہ روانہ ہونا تھا۔ منزل چونکہ امریکہ کا مغربی ساحل تھا یعنی ریاست کیلیفورنیا کا شہر San Joze جسے مقامی لوگ سینے زئے کہہ کر پکارتے ہیں، اس لیے طے ہوا کہ ہم مشرقی سمت سے چلیں گے، براستہ بنکاک، سنگاپور، تائی پائی، سان فرانسسکو۔ امریکہ کے مشرقی ساحل سے مغربی ساحل تک یعنی نیویارک سے سان فرانسسکو کے درمیان تقریباً چار ہزار کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ فضائی سفر سے قریباً ساڑھے پانچ گھنٹے اور بذریعہ کار سفر کریں تو دو دن لگ جاتے ہیں۔ تو طے یہی ہوا کہ ہم مشرق کی طرف سے چلتے ہیں۔

جب ہم ٹکٹیں خرید رہے تھے تو پتہ چلا کہ ''دیکھو امریکہ'' (See America) کے پروگرام کے تحت بہت سستے داموں پانچ امریکی شہروں کی ٹکٹیں مل رہی ہیں۔ یہ سہولت صرف باہر سے آنے والوں کے لیے تھی اور امریکہ سے باہر ہی سے خریدی جا سکتی تھیں۔ ہم نے اپنے لیے یہ ٹکٹیں خرید لیں۔

اکتوبر کی ایک صبح تھی جب ہم پی آئی اے کے ایک جہاز میں سوار ہوئے۔ ان دنوں بنکاک کے لیے پی آئی اے کی ہفتے میں ایک پرواز چلتی تھی اور ہم آئندہ دو تین ہفتوں تک ویٹنگ لسٹ پر تھے۔ بھلا ہو۔ سول ایوی ایشن کے ڈپٹی ڈائریکٹر میجر انور کا، جنھوں نے ہماری

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹکٹیں کنفرم کروادیں۔

ڈھائی گھنٹے میں ہم کراچی سے بنکاک پہنچ گئے۔ یہاں جہاز نے دو گھنٹے رُکنا تھا اور عملہ بھی تبدیل ہونا تھا۔ یہاں سے چلے تو نئے مسافروں میں زیادہ تر تھائی لینڈ کی طالبات تھیں جو چھٹیاں منانے سنگاپور جا رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ایک ٹیچر بھی تھی جو بڑی رعب دار خاتون تھیں، لڑکیاں شوخ و چنچل تھیں لیکن ٹیچر کی ڈانٹ ڈپٹ سے خاموش ہو جاتی تھیں۔

سنگاپور پہنچ کر پہلی فکر یہ تھی کہ بھاری سوٹ کیس کسی لاکر میں جمع کروا دیئے جائیں کہ یہاں ہم نے ایک دن رُکنا تھا۔ سامان تو ہم نے جمع کروا دیا لیکن امیگریشن پر مامور ایک خاتون نے ہمیں باہر جانے سے روک دیا کہ آپ کے پاس سنگاپور کا ویزہ نہیں ہے آپ چوبیس گھنٹے ائیر پورٹ پر ہی گذاریں، ہم نے اس سے گذارش کی کہ وہ ہمیں کسی سنیئر افسر سے ملوا دے۔ متعلقہ افسر کو ہم نے بتایا کہ ہم فوجی افسر ہیں، ضابطوں کے پابند۔ ہم ان کے ملک میں کوئی غیر قانونی کام نہیں کریں گے اور یہ دیکھیں ہمارے پاس امریکہ تک کی ٹکٹیں موجود ہیں۔ یہ جو وقت ملا ہے، اس میں ان کے عظیم ملک کی چند جھلکیاں دیکھنا چاہیں گے۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے اگر آپ ہمیں اس سہولت سے محروم کرنا چاہیں تو ٹھیک ہے۔ ہم یہیں بیٹھ کر آپ کو کوستے رہیں گے۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے مسکراتے ہوئے ویزہ لگا دیا۔

یہ جو ہم نے متعلقہ افسر کے سامنے اس کے ملک کی تعریف کی، بے جا نہیں تھی۔ سنگاپور، سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے ''شیر کا شہر''۔ سری لنکا کی کرکٹ ٹیم کے کچھ کھلاڑیوں کے نام سنگا سے شروع ہوتے ہیں، ان کی نسبت بھی شیر ہی سے ہے۔ سنگاپور ۶۳ جزیروں پر مشتمل رقبے کے لحاظ سے چھوٹا ملک ہے لیکن ترقی اور خوشحالی میں وہ ایشیا کے سارے ملکوں کو پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ اسے ۱۹۶۳ء میں برطانیہ سے آزادی ملی۔ آج ان کی فی کس آمدنی دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ سب سے زیادہ کروڑ پتی افراد سنگاپور میں پائے جاتے ہیں۔ امن وامان کی حالت قابل رشک ہے۔ صفائی ستھرائی کا یہ عالم کہ سنگاپور کا شمار

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دنیا کے صاف ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ کروڑ سیاح ہر سال یہاں آتے ہیں۔ ذرائع مواصلات عام بھی ہیں اور آرام دہ بھی۔ فضائی آلودگی روکنے کی خاطر حکومت ذاتی گاڑیوں کی حوصلہ شکنی کرتی ہے، گاڑیاں درآمد کرنے پر اس کی قیمت سے ڈیڑھ سو گنا زیادہ ٹیکس دینا پڑتا ہے۔

سنگاپور کے لوگ کہتے ہیں جس نے سنتوزے کا جزیرہ نہیں دیکھا اس نے سنگاپور نہیں دیکھا تو پروگرام یہی بنا کہ پہلے کسی ہوٹل میں رات کا ٹھکانا کر لیں، صبح سنتوزے چلتے ہیں۔ ٹیکسی لے کر ہم المصطفیٰ ہوٹل پہنچے جہاں پاکستان اور ہندوستان کے باشندوں کی اکثریت رہائش پذیر ہے۔ یہ لٹل انڈیا کے نام سے مشہور ہے۔ بالکل گوالمنڈی کا سا سماں رہتا ہے۔ ۷۵، ۷۵ ڈالروں میں ہمیں دو کمرے مل گئے۔ کھانا کھا کر کچھ چہل قدمی کی اور پڑ کر سو گئے۔

صبح سویرے اٹھ کر ہم باہر گئے اور ایک اخبار خرید لائے کہ اخبارات کی مدد سے کسی بھی ملک کے آنگن میں جھانکا جا سکتا ہے۔ پتہ چلا کہ گزشتہ روز ہی ان کے ہاں اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے۔ پیپلز ایکشن پارٹی نے ۸۳ میں سے ۵۵ نشستیں حاصل کی تھیں۔ یہ پارٹی آزادی سے اب تک برسر اقتدار ہے اور ہر انتخاب میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوتی ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس پارٹی نے ملک کو کرپشن سے پاک کر دیا ہے اور اب سنگاپور کا شمار نیوزی لینڈ اور سکنڈے نیوین ملکوں یعنی فن لینڈ، ناروے اور سویڈن جیسے ملکوں میں ہوتا ہے جہاں کرپشن نہ ہونے کے برابر ہے۔

ناشتہ کر کے ہم بذریعہ بس سنتوزے کے لیے روانہ ہوئے۔ اس کے لیے پہلے ورلڈ ٹریڈ سنٹر جانا پڑتا ہے جو بڑے جزیرے کی آخری حد ہے۔ یہاں سے کیبل کار کے ذریعے سنتوزے جاتے ہیں۔ کیبل کار ۸۰ میٹر بلند ہے اور سمندر کے اوپر سے ہوتے ہوئے سنتوزے پہنچتی ہے۔ لفٹ کا ٹکٹ لینے لگے تو بتایا گیا کہ سنتوزے میں جو پارک ہیں، ان کی ٹکٹیں بھی یہیں سے خرید لیں۔ ٹکٹ بیچنے والی خاتون خاصی باتونی تھی اور وہ ہمیں دو کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بجائے چار ملٹیں دینے میں کامیاب ہوگئی۔ فی کس ۸۸ ڈالر۔ کیبل کار، زیر آب دنیا (Under Water World) ڈولفن کی جھیل اور تتلیوں اور کیڑے مکوڑوں کی سرائے۔ زیر آب دنیا کے نظارے ہی اتنے دلچسپ تھے کہ انہیں دیکھنے میں کئی گھنٹے لگ گئے۔ ہمیں بروقت ائیر پورٹ پہنچنا تھا اس لیے ڈولفن جھیل اور تتلیوں کی سرائے نہ دیکھ سکے۔

زیر آب دنیا، غالباً دنیا کا سب سے بڑا مصنوعی تالاب ہے جس میں چھوٹی چھوٹی رنگ برنگی مچھلیوں سے لے کر شارک جیسی دیو ہیکل مچھلیاں بھی موجود ہیں۔ تالاب کی تہہ موٹے شیشے سے بنائی گئی ہے جس کے نیچے مختلف راستے بنائے گئے ہیں۔ سیاح ان راستوں پر چلتے ہوئے سمندری مخلوقات کا نظارہ کرتے ہیں اور حیرت میں گم ہو جاتے ہیں۔ کئی ہال ہیں اور ہر ہال میں مختلف مچھلیوں کے مختلف نظارے۔

سنتوزے سے کیبل کار کے ذریعے واپس ورلڈ ٹریڈ سنٹر پہنچے۔ یہ امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی طرح دو عمارتوں ہی پر مشتمل ہے لیکن اس کی بلندی کم ہے، ۱۶ منزلہ عمارتیں ہیں۔ یہاں سے ہم ائیر پورٹ پہنچے اور سامان نکلوایا۔ ہماری اگلی منزل تائی پائی تھی۔ ہوا یوں کہ کراچی سے چلتے ہوئے تو میجر انور نے ہماری نشستیں کنفرم کروائی تھیں اور وہ خود ہمیں الوداع کہنے ائیر پورٹ پر موجود تھے۔ سامان انہوں نے ہی بک کروایا۔ ہمیں کسی مسئلے کا سامنا نہیں کرنا پڑا لیکن اب ہمیں تھائی ائرویز سے سفر کرنا تھا۔ پہلے تو جانچ پڑتال ہی میں مشکل پیش آئی کہ ایک سوٹ کیس کو مشین سے گزارا گیا تو وہ چلا اٹھی۔ سوٹ کیس کھلوایا گیا۔ اس میں سعد کی دلہن کا شادی کا ایک جوڑا تھا جس پر زرکشی، سلمٰی ستارے کا اچھا خاصا بھاری کام تھا۔ اس جوڑے کے بغیر سوٹ کیس کو مشین سے گزارا گیا تو وہ خاموش رہی۔ ایک خاتون اہلکار نے جوڑے کو اٹھاتے ہوئے پوچھا یہ کیا ہے۔ اسے بتایا تو وہ بہت حیران ہوئی کہ اتنا بھاری جوڑا کوئی انسان کیسے پہن سکتا ہے اور وہ بھی ایک لڑکی۔ ہم نے اسے پیشکش کی وہ پہن کر دیکھے۔ اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

جانچ پڑتال سے جان چھوٹی تو ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ تھائی ائرویز کے اہلکاروں نے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بتایا کہ ہر مسافر بس دو نگ لے جا سکتا ہے۔ آپ کا ایک نگ زیادہ ہے، اس کا سامان نکال کر باقی سوٹ کیسوں میں منتقل کریں یا دستی سامان کے طور پر اپنے ہاتھوں میں رکھیں۔ ہم نے سوٹ کیس بک کروا دیئے۔ ایک بستر بند فالتو ہو رہا تھا۔ اس میں ایک دہرا کمبل تھا، خاصا بڑا، دو تکیے اور جوتوں کا ایک جوڑا، بستر بند کھولا گیا اور کمبل کو لپیٹ کر بازو پر ڈال لیا۔ تکیے بغل میں دبائے اور جوتوں کو ایک شاپر میں ڈال لیا گیا۔ ایک اہلکار نے خالی بستر بند کو پھینکنے کو کہا اور کسی اور کام میں مصروف ہو گیا۔ ہم ابھی پریشان ہی کھڑے تھے کہ وہ لڑکی جسے ہم نے عروسی جوڑا پہننے کی پیش کش کی تھی، ہمارے قریب آئی۔ اس نے بستر بند اٹھا کر بیلٹ پر رکھا اور جلدی سے اس پر ٹیگ لگا کر جہاز کی طرف روانہ کر دیا، نصف ہمیں پکڑا دیا اور خوشگوار سفر کی تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے ہمیں الوداع کہا۔ ہمیں اس کا نام تو معلوم نہیں تھا، ہم نے کہا "شکریہ تھائی لینڈ" اور وہ کھل اٹھی۔

جہاز میں پہنچے تو بازوؤں میں اٹھایا کمبل وبال جان بن گیا کہ وہ نشستوں کے اوپر بنے ہوئے کیبنوں میں فٹ نہیں ہوتا تھا۔ ایک فضائی میزبان ہمارے قریب آئی اور روایتی جملہ دہرایا "میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔"

ہم نے کمبل اسے تھما دیا کہ ہاں اسے کسی کیبن میں رکھ دو، بولی کہ اتنا بڑا کمبل کیوں اٹھائے پھر رہے ہو۔

"ہمیں سردی زیادہ لگتی ہے۔"

"میں آپ کو دو کمبل دے دوں گی لیکن یہ یہاں فٹ نہیں ہوگا۔ میں اسے پیچھے رکھ دیتی ہوں۔ اترتے وقت بھولنا مت۔"

نیا کمبل تھا، ہم اسے کیسے بھول سکتے تھے۔

تقریباً ساڑھے چار گھنٹے کی پرواز سے ہم تائی پائی پہنچے۔ تھائی زبان میں اس کا مطلب ہے شمالی شہر۔ یہ جمہوریہ چین کا دارالحکومت ہے۔ یہ چین اس چین سے مختلف ہے جو ہمارا پڑوسی ہے اور پاکستان کے شمال میں واقع ہے۔ اس کا سرکاری نام عوامی جمہوریہ چین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(Peoples Republic of China) ہے۔ ہم جس چین کا ذکر کر رہے ہیں یہ تائیوان کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ عوامی جمہوریہ چین کے مشرقی ساحل سے ۱۳۰ کلو میٹر دور ایک بڑا جزیرہ ہے۔ اس نے ۱۹۴۵ء میں جاپان سے آزادی حاصل کی۔ ۱۹۳۰ء ہی سے تائیوان اور چین میں سرد جنگ جاری تھی۔ چین کے رہنما ماؤزے تنگ تھے اور تائیوان کے چیانگ کائی شیک۔ ۱۹۴۵ء میں آزادی کے بعد انہوں نے اپنا نام جمہوریہ چین رکھا جبکہ دوسرے چین نے عوامی جمہوریہ چین۔ پہلے تائیوان بھی اقوام متحدہ کا رکن تھا لیکن جب ۱۹۷۱ء میں عوامی جمہوریہ چین کو سلامتی کونسل کا مستقل رکن بنایا گیا تو چیانگ کائی شیک احتجاجاً واک آؤٹ کر گئے۔ بعد میں انہیں بھی رکنیت کی پیشکش کی گئی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ ایک آسمان پر دو سورج نہیں سما سکتے۔

تائی پائی میں کچھ دیر قیام کے بعد ہمارا جہاز سان فرانسسکو کے لیے روانہ ہوا۔ یہ ایک طویل سفر تھا۔ فاصلہ دس ہزار کلو میٹر سے بھی زیادہ تھا اور بغیر کہیں رکے جہاز نے تقریباً گیارہ گھنٹوں میں سان فرانسسکو پہنچنا تھا۔ ٹیک آف کے فوراً بعد جہاز کے عملے نے کھانا تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ نان مسلم ائر لائنز میں سفر کرنے میں یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ وہ جو کھانا دیتے ہیں ان میں پورک یعنی خنزیر کا گوشت وافر مقدار میں ہوتا ہے اور اس سے ہم جیسے لوگوں کو انتہائی ناگوار بو آتی ہے۔ سعد کو چونکہ پہلے سے تجربہ تھا اس لیے اس نے سبزیوں والے کھانے کی بکنگ کروا دی تھی۔ ہم نے کھانا تو اپنا ہی کھایا لیکن جہاز میں ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی، اس سے طبیعت سخت مکدر رہی۔

سارے دن کے تھکے ہوئے تھے، کھانا کھا کر سو گئے، رات جلدی گزر گئی اور دن جلدی نکل آیا۔ جب آپ مغرب سے مشرق کی طرف فضائی سفر کرتے ہیں تو طویل پروازوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہمارا تو اس سارے سفر کے دوران ایک پورا دن کہیں گم ہو گیا۔ ہم ۲۵ اکتوبر کو کراچی سے چلے تھے۔ رات سنگاپور میں ٹھہرے۔ ۲۶ کی صبح اور دوپہر ہم نے سنتوزے میں گذاری۔ شام کو سنگاپور سے تائی پائی پہنچے اور وہاں سے دس گھنٹے کی پرواز کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعد جب سان فرانسسکو پر اترے ہیں تو یہ ۲۶ اکتوبر کی شام ہی تھی۔ یہ ٹائم زونز کے تانے بانے ہیں۔

امیگریشن سے معمولی سوال جواب کے بعد ہم نے سامان اکٹھا کیا اور باہر آ گئے۔ ہمیں سینے زئے جانا تھا جو ائیر پورٹ سے تقریباً ۶۰ کلومیٹر دور ہے۔ ۱۲۰ ڈالروں میں ایک بڑی سی ٹیکسی ملی جس میں دس نشستیں تھیں۔ نشستوں سے زیادہ ہمیں سامان کی فکر تھی جو بآسانی اس میں سما گیا اور ہم ایک گھنٹے میں گھر پہنچ گئے۔ سعد کے دوستوں نے ڈنر کا اہتمام کر رکھا تھا اور کھانے پینے کی بہت سے چیزیں وہ فرج میں رکھ گئے تھے جس میں سیخ کباب، نان، بریانی وغیرہ شامل تھی۔ کھانا کھا کر ہم سو گئے۔

دوسرے دن شاپنگ کے لیے گئے۔ ایک بڑے مال پر ایک سیلز گرل نے ہماری بہو کو حجاب میں دیکھا تو بولی ''السلام علیکم''

پھر پوچھا: ''آپ لوگ چار چار شادیاں کرتے ہیں؟''

''اس کی اجازت ہے لیکن عام طور پر ایک ہی شادی کرتے ہیں۔'' ہم نے جواب دیا۔

امریکی بیوروکریسی کا امتحان:

جب سعد کے گھر پہنچے تو نشست گاہ کی ایک میز پر ٹریفک پولیس کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ اور کارڈ پڑے تھے جن میں ٹریفک کے لیے ہدایات تھیں۔ مختلف نشانات کے مطلب بیان کیے گئے تھے، کہاں رکنا ہے، کہاں نہیں رکنا، مڑنا ہے تو کیسے، لین بدلنی ہے تو کیوں کر۔ امریکہ میں ٹریفک دنیا کے بیشتر ملکوں کی طرح سڑک کے دائیں جانب چلتی ہے۔ برطانیہ میں بائیں جانب۔

سڑک کے دائیں یا بائیں چلنے میں بھی ایک حکمت ہے۔ جب موٹر کاریں ایجاد نہیں ہوئی تھیں تو لوگ گھوڑا گاڑیاں استعمال کرتے تھے جن میں دو یا چار گھوڑے جتے ہوتے تھے۔ گاڑی بان نشستوں کی بائیں جانب بیٹھتا تھا تاکہ ایک تو سامنے سے آنے والی گھوڑا گاڑی پر نظر رکھے کہ اس کے پہیے اس کی گاڑی سے نہ ٹکرا جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس کا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دایاں ہاتھ شانٹے کے استعمال کے لیے فارغ رہے۔ جب گاڑیاں ایجاد ہوئیں تو شروع میں سڑک کی دائیں جانب ہی چلتی تھیں، برطانیہ میں جانے کب سے ٹریفک بائیں ہاتھ کی طرف ہی رہی۔ انگریز نہ صرف خود الٹے ہاتھ چلتے تھے بلکہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں انہوں نے جن جن ملکوں پر بھی قبضہ کیا، وہاں ٹریفک کا یہی نظام رائج کیا۔ چنانچہ پاکستان، ہندوستان، آسٹریلیا، قبرص، آئرلینڈ اور مالٹا میں آج تک ٹریفک الٹے ہاتھ ہی چلتی ہے۔ ایک استثناء جاپان کو حاصل ہے کہ وہ کبھی برطانوی مقبوضات میں شامل نہیں رہا لیکن وہاں بھی ٹریفک بائیں جانب ہی چلتی ہے۔ شاید یہ ایک صنعتی ضرورت ہو کہ دنیا کی پینتیس فیصد آبادی میں جہاں ٹریفک بائیں جانب چلتی ہے، وہاں زیادہ تر جاپان کی گاڑیاں درآمد کی جاتی ہیں تو شاید پیداواری سہولت کے لیے انہوں نے سوچا ہو کہ اپنے ہاں بھی ٹریفک بائیں جانب ہی رکھتے ہیں۔ البتہ دنیا کی پینسٹھ فیصد آبادی میں ٹریفک دائیں جانب ہی چلتی ہے۔

پرتگال میں ایک سرکاری حکم نامے کے ذریعے ایک دن میں ٹریفک بائیں سے دائیں کر دی گئی۔ سویڈن میں بھی پہلے ٹریفک بائیں جانب چلتی تھی۔ حکومت نے تجویز پیش کی کہ ٹریفک دائیں جانب کرتے ہیں تو اس پر بڑی ہاہا کار مچی۔ ۱۹۵۵ء میں اس موضوع پر ریفرنڈم کروایا گیا تو ۸۲۰۹ فیصد لوگوں نے تجویز مسترد کر دی لیکن پھر ۱۹۶۳ء میں پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا جس کے مطابق دائیں جانب کی ٹریفک لازم قرار دے دی گئی۔ ۳ ستمبر ۱۹۶۷ء کا دن ٹریفک کی تبدیلی کا دن قرار پایا۔ سڑکوں پر لگے نشانات کی تبدیلی اور دیگر ضروری اقدامات کے لیے فوج کی مدد حاصل کی گئی اور مقررہ دن صبح پانچ بجے سے ٹریفک تبدیل ہو گئی۔

جمہوریہ چین میں ۱۹۴۶ء سے ٹریفک دائیں ہاتھ چلتی ہے۔ نائیجیریا کے لوگوں نے آزادی کے بعد ۱۹۹۲ء سے دائیں ہاتھ چلنا شروع کیا۔

برطانوی انگریز جب امریکہ پہنچے تو اس وقت تک کار ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ اصل میں تو امریکہ کی دریافت کا سہرا اطالوی جہاز رانوں کے سر ہے۔ سب سے پہلے کرسٹوفر کولمبس

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے تین جہازوں کے ساتھ ۱۴۹۲ء میں یہاں پہنچا۔ اصل میں تو وہ انڈیا کی تلاش میں روانہ ہوا تھا کہ اس وقت انڈیا سونے کی چڑیا کے نام سے مشہور تھا۔ وہ جب یہاں پہنچا تو یہی سمجھا کہ وہ انڈیا پہنچ گیا ہے۔ وہ جن جزائر میں پہنچا تھا، آج تک ان کا نام جزائر غرب الہند ہے۔ یہاں جو مادر زاد ننگے آبائی باشندے نظر آئے، انہیں بھی انڈین کا نام دیا گیا۔ چند سالوں بعد ۱۵۰۲ء میں ایک اور اطالوی جہاز ران امریکس ویلس پٹی یہاں پہنچا تو اس نے بتایا کہ یہ انڈیا نہیں ہے بلکہ ایک الگ براعظم ہے۔ اس کے نام کے پہلے حصے پر ہی اس کا نام امریکہ رکھا گیا۔ تو یہاں اٹلی فرانس اور پرتگال نے اپنی کالونیاں قائم کیں۔ انگریز ۱۶۰۷ء میں یہاں آئے اور آہستہ آہستہ قوت پکڑ کر انہوں نے باقی لوگوں کو نکال باہر کیا اور خود امریکہ کے مالک بن بیٹھے۔ شروع شروع میں یہاں برطانیہ ہی کا سکہ چلتا تھا لیکن جب ٹیکسوں کی بھرمار ہوئی تو یہاں کے لوگ برطانیہ سے بدظن ہونے لگے۔ ۱۷۷۵ء میں یہاں کی تیرہ ریاستوں نے برطانیہ سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے ریاستہائے متحدہ امریکہ کی بنیاد رکھی۔ ۴ جولائی ۱۷۷۶ء کو ان کے نمائندوں نے آزادی کے ایک اعلامیے پر دستخط کیے۔ اس اعلامیے کے مصنف تھامس جیفرسن تھے جو بعد میں امریکہ کے صدر بھی رہے۔ اعلامیے پر دستخط کرنے والوں میں ایک اور شخص جیمز مونرو بھی تھا جو بعد میں امریکہ کا صدر بنا۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ دونوں شخص امریکہ کے یوم آزادی یعنی ۴ جولائی کو فوت ہوئے۔ ایک اور دلچسپ واقعہ کولون کالرج کا ہے جو امریکہ کے تیسویں صدر بنے۔ وہ امریکہ کے یوم آزادی یعنی ۴ جولائی کو پیدا ہوئے۔ امریکی تاریخ میں اب تک ہونے والے صدور میں وہ واحد صدر ہیں جو ان کے یوم آزادی کو پیدا ہوئے۔ اب تک جو لوگ امریکہ کے صدر بنے ان میں سے ۲۶ کا تعلق وکالت کے پیشے سے تھا۔ ۲۲ صدر سابقہ فوجی تھے جن میں ۹ امریکی افواج میں جرنل تھے۔

ہم امریکہ کی ٹریفک کا ذکر کر رہے تھے۔ انگریز جب وہاں پہنچے تو کار ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ اس کی ایجاد کا سہرا جرمنی کے ایک باشندے کارل بنز کے سر ہے جس نے ۱۸۸۶ء میں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلی کار بنائی جو گیس سے چلتی تھی۔ جب گاڑیاں عام ہوئیں اور انگریزوں نے گاڑیاں درآمد کیں تو امریکہ میں بھی بائیں جانب چلائیں۔ آزادی ملنے کے فوراً بعد امریکیوں نے فرنگی کی تمام روایات کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا اور ٹریفک کو سڑک کے دائیں جانب رکھنے کی ہدایات جاری کیں۔

برطانیہ کے غلام رہنے کے سبب ہم ابھی تک انہی کی روایات اپنائے ہوئے ہیں اور اڑسٹھ سال کی آزادی کے باوجود ہم سڑک کی بائیں جانب سے دائیں جانب نہیں آ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہمارے لوگ امریکہ یا یورپی ممالک میں جاتے ہیں تو انہیں شروع شروع میں گاڑی چلانے میں دقت پیش آتی ہے لیکن تھوڑی سی مشق سے اس الجھن پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ امریکہ کی ٹریفک میں ایک نئی چیز معذور افراد کے لیے سہولتیں ہیں۔ پارکنگ میں بھی معذور افراد کے لیے جگہیں مخصوص ہوتی ہیں۔ کوئی اور آدمی وہاں گاڑی کھڑی کر دے تو چالان ہو جاتا ہے اور جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ چوکوں میں بھی معذور افراد کے رکنے کے لیے جگہیں مخصوص ہیں۔ سڑکوں پر اور پارکنگ میں سفید رنگ کے خاص نشانات بنے ہوتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جگہیں معذور افراد کے لیے ہیں۔ معذور افراد کی گاڑیوں پر بھی مخصوص سٹکرز لگے ہوتے ہیں۔ ہم ان پمفلٹس کی ورق گردانی کرتے رہے، سڑکوں پر لگے نشانات پر غور فرماتے رہے۔

امریکہ آئے ہوئے ہمیں پانچواں دن تھا جب ہم نے صبح سویرے سعد کو کہا کہ وہ ہمیں DMV (ڈیپارٹمنٹ آف موٹر وہیکلز) کے دفتر چھوڑ جائے۔

آپ کو کیا کام پڑ گیا وہاں؟

ٹیسٹ دیں گے۔

سعد نے بتایا کہ یہاں لوگ چھ چھ ماہ بعد امتحان دیتے ہیں اور فیل ہو جاتے ہیں، آپ کو تو ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے۔ ہمارے اصرار پر سعد ہمیں DMV کے دفتر چھوڑ گیا۔ استقبالیے میں ہم ایک کھڑکی پر گئے۔ ''میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں'' معمول کا سوال۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بتایا کہ ہم ڈرائیونگ ٹسٹ دینا چاہیں گے۔

''خوش آمدید'' اس نے ایک مختصر سا فارم دیا کہ اسے بھر کے ساتھ والی کھڑکی میں جمع کروائیں۔ فارم بھر کے جب ہم ساتھ والی کھڑکی پر پہنچے تو اس نے پاسپورٹ طلب کیا۔ پاسپورٹ لے کر وہ اپنے دفتر کے پیچھے کہیں گم ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں لوٹا تو اس نے معذرت کی کہ فوٹوسٹیٹ مشین خراب ہے اور وہ پاسپورٹ کی کاپی نہیں کر سکا۔

''اچھا؟ آپ کے ہاں بھی مشینیں خراب ہو جاتی ہیں؟'' ہم نے حیرت سے پوچھا

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟''

ہم سمجھے کہ دن ضائع گیا۔ ہم نے پیشکش کی کہ لاؤ ہمارا پاسپورٹ ہم باہر سے کہیں سے کاپی کروالاتے ہیں۔

''نہیں۔ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، ہماری ذمہ داری ہے۔ میں نے نمبر نوٹ کر لیے ہیں۔ آپ آئندہ کبھی یہاں سے گزریں تو چند لمحوں کے لیے میرے پاس آ جائیں، میں کاپی بنوالوں گا۔ اب آپ کھڑکی نمبر تین پر چلے جائیں۔

کھڑکی نمبر تین والے صاحب نے ہم سے سوشل سکیورٹی کارڈ طلب کیا جو ہمارے پاس نہیں تھا۔ اس نے کہا ''پھر تو آپ کو تصویر بنوانی پڑے گی۔ آپ تیار ہیں اس کے لیے۔''

''حاضر، سائیں حاضر۔''

اس نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا جہاں ایک فوٹوگرافر اپنا اوپن سٹوڈیو سجائے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے مسکرانے کی فرمائش کرتے ہوئے کھٹ سے تصویر بنائی۔ ہم واپس آئے تو کھڑکی نمبر تین والے صاحب نے ہمیں ایک سوالنامہ تھمایا اور ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہاں بیٹھ کر سوالوں کے جواب لکھیں اور پھر کھڑکی نمبر پانچ پر جا کر جمع کروا دیں۔ ہم بتائے گئے کمرے میں گئے تو ایک دو اور صاحب بھی سوالنامے پر غور وخوض میں مصروف تھے۔ کوئی ممتحن، نہ نگران، بس دیوار پر ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا ''کسی دوسرے سے مشورہ نہ کیجیے۔''

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال خاصے مشکل تھے۔ سعد ٹھیک کہہ رہا تھا۔ کچھ دنوں بعد آنا چاہیے تھا۔ سر کھجاتے، مسکراتے ہوئے ہم نے سوالنامہ پُر کیا اور کھڑکی نمبر پانچ پر حاضر ہوگئے۔ ایک نوجوان لڑکی نے ہم سے سوالنامہ لیا اور کمپیوٹر پر دیئے گئے جوابات سے موازنہ کرنے لگی۔ ہم نے پوچھا کہ وہ ہم سے پہلے جو دو صاحب آئے تھے، ان کا کیا ہوا۔

''بیڈ لک'' اس نے مختصر جواب دیا اور کمپیوٹر پر جھک گئی۔ جب پرچہ چیک ہوگیا تو وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور پوچھا ''تمہارا کیا خیال ہے آپ کا پرچہ کیسا ہوا؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا۔ یہ میرا امریکہ میں پانچواں دن ہے۔ مجھے کچھ دنوں بعد آنا چاہیے تھا۔''

آپ کو مبارک ہو۔ آپ پاس ہوگئے ہیں۔ آپ نے صرف تین غلطیاں کی ہیں۔ (شاید پانچ غلطیوں کی گنجائش ہوتی ہے)

تھوڑی دیر میں اس نے ایک عارضی ڈرائیونگ لائسنس ہمارے حوالے کیا اور بتایا کہ ایک مہینے کے بعد آپ دوبارہ اسی دفتر میں آئیں، آپ کا عملی امتحان ہوگا۔

اس ساری کارروائی میں بمشکل تیس منٹ لگے ہوں گے۔ یہ تھا ہمارا امریکی بیوروکریسی کا پہلا تجربہ۔ ایک ایسے شخص کے لیے جو دور طالب علمی میں سامراج کا مطلب سمجھے بغیر برسوں امریکی سامراج مردہ باد روسی سامراج مردہ باد کے نعرے لگاتا رہا ہو، اور پڑوسی ممالک سے ''مرگ بر امریکہ'' کے نعرے سنتا رہا ہو، یہ حیرت بھرا خوشگوار تجربہ تھا۔ ناقابل یقین، حیرت کے مزید باب کھلنے کو تھے۔

واپسی میں ہم سانتا کلارا سٹی سٹیشن سے ایک بس میں سوار ہوئے اور ٹامس روڈ آکر اتر گئے۔ خیال تھا کہ گھر کہیں آس پاس ہے لیکن دو گھنٹے تک سڑکیں ماپنے کے باوجود گھر کا کہیں پتہ نہ تھا۔ سڑکوں کا یہ حال کہ ان پر پیدل چلنے کا کوئی رستہ نہ تھا۔ جگہ جگہ لکھا تھا کہ پیدل چلنے والوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ بالآخر ایک سڑک پر ایک صاحب نظر آئے۔ شکل سے پاکستانی لگتے تھے۔ کروشیے کی ٹوپی سر پر سجائے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے جا رہے تھے۔ جمعے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دن تھا۔ خیال آیا کہ ہو نہ ہو، یہ کہیں جمعہ پڑھنے جا رہے ہیں۔ ہم نے انہیں جا لیا اور پوچھا کہ کیا وہ جمعہ پڑھنے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو ہم ان کے ساتھ ہو لیے۔ انہیں بتایا کہ ہم راستہ گم کر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے تسلی دی اور کہا کہ جمعے کے بعد کوئی نہ کوئی شخص آپ کو گھر چھوڑ آئے گا۔ عمر تھا ان کا نام۔ خدا کرے جہاں بھی ہوں، خیریت سے ہوں اور خوش وخرم، اس دن تو بڑے پریشان اور اداس تھے۔ بتایا کہ ان کا بڑا بیٹا امریکہ میں مقیم ہے اور کسی اچھے عہدے پر فائز۔ وہ چھوٹے بیٹے کو ساتھ لے کر امریکہ آئے تھے کہ شاید اسے بھی کوئی ملازمت مل جائے لیکن بہو نے انہیں گھر کا فرد سمجھنے کی بجائے بن بلائے مہمانوں کا سا رویہ اختیار کیا اور وہ پریشان ہو کر واپس چلا گیا۔ عمر صاحب بھی واپس جانا چاہتے ہیں لیکن کاغذات بیٹے کے پاس ہیں اور وہ جانے نہیں دیتا۔ بہو کا یہ حال ہے کہ اس نے میاں کو شیشے میں اتار رکھا ہے۔ وہ کہتی کچھ نہیں لیکن رویہ ایسا ہے جیسے عمر صاحب بوجھ ہیں، کسی طرح واپس چلے جائیں۔ وہ بہت دکھی تھے اور ان کے دکھ سمجھنے والا کوئی نہ تھا۔

مسجد میں نماز کے بعد عمر صاحب نے ہمارا تعارف کروایا اور مسئلہ بتایا۔ بہت سے لوگ تیار تھے۔ قرعہ فال شکیل منصور صاحب کے نام نکلا جن کی گاڑی میں ٹریکر لگا ہوا تھا۔ ان دنوں یہ ٹیکنیک پاکستان نہیں آئی تھی اور ہمارے لیے نئی چیز تھی۔ انہوں نے گھر کا پتہ فیڈ کیا۔ اب جو چلنا شروع ہوئے تو آواز آتی تھی، دو سو گز بعد دائیں مڑ جائیں، اب بائیں مڑیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی آواز آئی، ''آپ منزل مقصود پر پہنچ چکے ہیں۔'' خوشگوار حیرتوں کے ساتھ ہم نے شکیل صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ گھر پہنچ کر سعد کو فون کیا اور خوشخبری سنائی کہ ڈرائیونگ لائسنس مل گیا ہے۔ اسے بڑی حیرت ہوئی۔ بتایا کہ یہاں تو لوگ ایک ایک سال تک ٹسٹ میں پاس نہیں ہوتے۔ دو مرتبہ ناکام ہونے پر ڈرائیونگ سکول میں داخلہ لینا ضروری ہوتا ہے۔

جب ہمیں امریکہ کی سڑکوں پر دندنانے کا لائسنس مل گیا تو پھر آوارہ گردیوں سے کون روک سکتا تھا۔ ہم سعد کو صبح دفتر چھوڑ دیتے اور خود کار لے کر امریکہ کو ''دریافت'' کرتے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہتے۔ اسی دوران ایک لائبریری پر نظر پڑی۔ اس کے چاروں طرف بادام کے سے درخت تھے اور بادام کے درختوں ہی کی طرح ان پر گلابی رنگ کے شگوفے کھلتے تھے۔ اندر کا ماحول بھی بڑا آرام دہ اور سکون بخش تھا۔ بہترین فرنیچر، دیواروں پر ہلکے رنگ کا پینٹ، ترتیب سے لگے شیلف اور مطالعے کے لیے چھوٹے چھوٹے کیبن جن کے اندر میزوں پر شیڈ لگے ہوئے تھے اور ان کے اندر ٹیوب لائٹس اس طرح نصب تھیں کہ پڑھنے والے کی آنکھوں میں روشنی نہ چبھے بلکہ صرف کتاب، میگزین یا اخبار کا صفحہ روشن کرے۔ اس پر مستزاد ہنستا مسکراتا، خوش اخلاق، ملنسار عملہ۔ چائے، کافی اور دیگر مشروبات کی مشینیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ ہمیں یہ ماحول اتنا پسند آیا کہ باقاعدگی سے یہاں آنا شروع کر دیا۔ جب تک بھوک نہ لگتی، مطالعے میں مصروف رہتے۔ چار پانچ دن گزرے ہوں گے کہ خیال آیا اگر اس لائبریری کی رکنیت مل جائے تو کتابیں گھر بھی لے جاسکیں گے۔ استقبالیے پر جا کر پوچھا، ہمیں رکنیت مل سکتی ہے۔

''دو شرطوں پر'' خاتون نے جواب دیا۔

''کیا شرطیں ہیں؟''

''پہلی تو یہ ہے کہ آپ ''سینے زے'' ہی میں رہائش پذیر ہوں اور اس کا کوئی دستاویزی ثبوت دیں، کوئی بجلی کا بل، انکم ٹیکس ریٹرن'' (San Joze کو یہاں کے لوگ اسی طرح بولتے ہیں)

ہمارے ڈرائیونگ لائسنس پر سینے زے ہی کا پتہ لکھا ہے۔

''چلے گا۔''

''دوسری شرط؟''

''دوسری شرط یہ ہے کہ آپ اپنی پہچان کے لیے دو ایسی دستاویزات دیں جس پر آپ کی تصویر لگی ہو۔''

''ایک تو ہمارا پاسپورٹ ہے، دوسرا یہی ڈرائیونگ لائسنس جس پر ایک بھیانک سی تصویر ہے لیکن آپ پہچان لیں گی کہ ہماری ہی ہے۔''

SULEMANI.COM.PK

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مسکرائی اور بولی کوئی حرج نہیں۔ آپ یہ دونوں چیزیں لے آئیں۔

ہم دوسرے دن پاسپورٹ اور ڈرائیونگ لائسنس لے کر پہنچ گئے۔ اس نے چند لمحوں میں کمپیوٹر پر کوائف کا اندراج کیا۔ دونوں چیزیں واپس کرتے ہوئے بولی آپ چلیں اپنے کیبن نمبر پانچ میں، میں آتی ہوں۔ گویا اس نے گزشتہ دنوں میں یہ بات نوٹ کر لی تھی کہ ہم ہمیشہ ایک ہی کیبن میں بیٹھتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نظر اٹھانے پر وہاں سے باہر کے نظارے بخوبی نظر آتے تھے، خاص طور پر گلابی شگوفوں والے بادام کے سے درخت۔

ہم اپنے کیبن میں چلے گئے اور کسی کتاب کا مطالعہ کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں وہ آئی اور ایک خوبصورت سا لائبریری کارڈ، جس پر پلاسٹک ملفوف تھا، ہمیں تھماتے ہوئے بولی،

”آپ کو مبارک ہو آپ ہمارے خاندان کے فرد ہو گئے (Part of our family)“

اچھا تو اس کارڈ سے مجھے کیا سہولتیں مل سکتی ہیں؟

”پہلی مرتبہ آپ چار کتابیں جاری کروا سکتے ہیں چودہ دنوں کے لیے۔ یہ کتابیں اگر آپ مقررہ وقت میں واپس کر دیں تو پھر ایک دن میں آپ ڈھائی سو کتابیں یا دوسرے آئٹم جاری کروا سکتے ہیں۔

(دیگر آئٹمز میں اخبارات، رسالے، میگزین، سی ڈیز، ڈی وی ڈی، آڈیو، وڈیو کیسٹس شامل تھے)

ہم نے ایک قہقہہ لگایا۔ اس نے شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھتے ہوئے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر بولی ”آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟“

بی بی! ہم جس ملک سے آئے ہیں، وہاں ہمارا شمار اچھے خاصے پڑھے لکھوں میں ہوتا ہے کہ ہم ڈبل ایم اے ہیں اور عربی میں ایڈوانس انٹرپریٹر۔ ہم نے ان سب ڈگریوں کی تیاری کے لیے برسوں محنت کی ہے لیکن مجموعی طور پر بھی ڈھائی سو کتابیں نہیں پڑھیں ہوں گی، آپ مجھے ایک دن میں ڈھائی سو کتابیں جاری کرنے کی پیشکش کر رہی ہیں۔“

”آپ کا مسئلہ ہے۔ لیکن ساری کتابیں اے سے زیڈ تک پڑھنے کے لیے نہیں ہوتیں،

SULEMANI.COM.PK

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کچھ صرف ریفرنس کے لیے، کوئی سند ڈھونڈنے کے لیے دیکھی جاتی ہیں۔'' اس نے گر کی بات بتائی۔

جب تک ہم سینے زئے میں رہے، اس لائبریری سے استفادہ کرتے رہے۔ بلکہ ایک دفعہ یوں ہوا کہ ہم ایک کتاب ڈھونڈھ رہے تھے جو نہیں ملی۔ ہم نے ٹائٹل کا نام لکھ کر استقبالیے میں دیا اور اپنی مشکل بتائی۔ لائبریرین نے کہا ''آپ چلیں اپنے کیبن میں، میں ابھی آئی۔''

تھوڑی دیر میں وہ آئی۔ بولی کہ وہ کتاب واقعی ان کی لائبریری میں نہیں ہے لیکن اردگرد کی لائبریریوں میں چیک کیا تو فلاں لائبریری میں یہ کتاب موجود ہے۔ اب اگر آپ نے سرسری ورق گردانی کرنی ہے تو آپ خود اس لائبریری میں چلے جائیں لیکن اگر کچھ دنوں کے لیے چاہیے تو میں یہاں منگوا لیتی ہوں۔ آپ کو جاری کر دی جائے گی۔''

ہم نے اس لائبریری کا پتہ اور فون نمبر لے لیا۔ وہ لائبریری اس لائبریری سے کہیں زیادہ بڑی تھی۔ ہم نے مذکورہ کتاب بھی نکلوائی، اس کا مطالعہ کیا، نوٹس لیے اور ان کے نظام کا بھی مشاہدہ کرتے رہے۔ پورا نظام اعتماد پر مبنی تھا۔ جگہ جگہ سکینر (Scanner) پڑے ہوئے تھے۔ جس نے کوئی کتاب اپنے نام جاری کروانی ہوتی، وہ سکینر پر لگے ہوئے بٹن دبا کر اپنی لائبریری کا رکنیت نمبر پنچ کرتا، پھر کتاب کے پیچھے لگے ہوئے کتاب کے نمبر کو سکین کرتا سکینر پر ایک ننھے سے بلب کی سبز روشنی روشن ہو جاتی جس کا مطلب ہوتا کہ کتاب متعلقہ شخص کے نام جاری ہوگئی۔ اگر سرخ روشنی آتی تو اس کا مطلب ہوتا کہ یا تو رکنیت نمبر صحیح نہیں ہے یا سکین ٹھیک نہیں ہوا۔ بیرونی دروازے پر کوئی چیک نہیں کرتا تھا کہ تم جو اتنی کتابیں اٹھائے لیے جا رہے ہو ان کا اندراج کیا ہے یا نہیں۔

کتابوں کی واپسی کا انتظام بھی خوب تھا۔ لائبریری کے داخلے کے دروازے کے ساتھ ہی لکڑی کے لیٹر بکس نما ڈبے تھے۔ آنے والا اپنی کتابیں، ان ڈبوں میں ڈال دیتے۔ آپ کا کام ختم۔ کتاب واپس ہوگئی۔ ان ڈبوں کے پیچھے ایک کمرہ تھا جس میں لائبریری کا عملہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واپس آنے والی کتابوں کو سکین کرتا، پھر انہیں متعلقہ شیلف میں سجا دیتا۔ ویسے بھی جگہ جگہ ہدایات تحریر تھیں کہ آپ کتابوں کو شیلف میں نہ رکھیں، میزوں پر چھوڑ جائیں۔ متعلقہ عملہ خود ہی کتابوں کے (Accession Nember) کے مطابق شیلف میں رکھتا تھا تاکہ ان کی ترتیب قائم رہے اور کسی کتاب کو ڈھونڈنے میں مشکل پیش نہ آئے۔

سعد کی کچھ چھٹیاں ابھی باقی تھیں۔ انہوں نے ہمیں خوب سیر کرائی۔ سان فرانسسکو تو قریب ہی ہے۔ ایک گھنٹے کی مسافت پر کیلیفورنیا کی ریاست کے انتہائی شمال میں واقع یہ شہر خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں کتا پھٹا ساحل ہے جس پر مختلف تفریحی مقامات بنائے گئے اور سیاحوں کا ایک ہجوم رہتا ہے۔ توجہ کا مرکز گولڈن گیٹ برج اور ایک موڑ دار گلی ہے۔

دنیا کی پیچیدہ ترین گلی:

موڑ دار گلی (Zigzag Street) روسی پہاڑی (Russian Hill) پر واقع ہے اور یہ انتہائی پیچیدہ موڑ کاٹتے ہوئے اوپر سے نیچے آتی ہے۔ نام اس کا لمبارڈ سٹریٹ (Lombard St.) ہے۔ یہ ہے تو صرف ۱۸۰ میٹر یا ۶۰۰ فٹ لمبی لیکن انتہائی خوبصورت۔ دونوں طرف پھولوں کی خوبصورت کیاریاں اور صاف ستھرے گھر جن کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں امریکہ کے مشہور فلم سٹار اور معروف شخصیات یہاں رہائش پذیر رہی ہیں۔ یہاں گاڑی کی زیادہ سے زیادہ رفتار آٹھ کلو میٹر فی گھنٹہ مقرر ہے۔ امریکیوں نے اسے دنیا کی سب سے زیادہ پیچیدہ گلی (Crookedest St) قرار دیا ہے۔ اب چونکہ آج کل ان کا بول بالا ہے اس لیے مان لیتے ہیں ورنہ ہمارے ہاں راولپنڈی سے مری جانے کے لیے جو ایکسپریس روڈ بنائی گئی ہے، اس کے آخر میں جب وہ مری کی طرف چڑھتی ہے تو اس میں بے تحاشا موڑ آتے ہیں اور اتنے کم فاصلے میں اتنے زیادہ موڑ دنیا میں اور کہیں نہیں ہیں۔ لمبارڈ سٹریٹ میں کل آٹھ موڑ ہیں، اور اسی بنیاد پر انہوں نے اسے دنیا کی پیچیدہ ترین گلی قرار دے دیا ہے۔ گلی اور سڑک میں فرق تو ہے، ہم جس کا ذکر کر رہے ہیں وہ سڑک ہے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن موڑوں کے لحاظ سے، اس کا ایک مقام متعین ہو سکتا ہے۔

گولڈن گیٹ برج:

سان فرانسسکو میں دوسرا قابل دید مقام گولڈن گیٹ برج ہے۔ اس کی تعمیر ۵ جنوری ۱۹۳۳ء میں شروع ہوئی اور یہ چار سال میں مکمل ہوا۔ اس کی تعمیر خطرناک کام تھا جس کے دوران کئی لوگ سمندر میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ ہر ایک ملین ڈالر اخراجات پر ایک آدمی اس کی بھینٹ چڑھا۔ کل اخراجات ۳۵ ملین یعنی ساڑھے تین کروڑ ڈالر تھے۔ اس کی لمبائی ۴۲۰۰ فٹ ہے اور ۱۹۶۴ء تک یہ دنیا کا طویل ترین پل کہلاتا رہا لیکن پھر نیویارک میں ایک پل بنا جو اس سے ۶۰ فٹ زیادہ طویل تھا۔ پھر جاپان میں ایک پل بنا جو ۶۵۰۰ فٹ طویل تھا اور اب تو درجن بھر سے زائد پل ہیں جنھوں نے اس پل کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ جس دن اس کا افتتاح ہوا، لوگوں کا ایک بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ متعلقہ انتظامیہ کے ریکارڈ کے مطابق اس دن پندرہ ہزار لوگ فی گھنٹہ کی شرح سے لوگوں نے یہ پل عبور کیا جس میں پیدل بھی تھے، سائیکل سوار بھی، موٹر سائیکلوں اور کاروں والے بھی اور ایسے معذور لوگ بھی جو معذوروں کی سائیکلوں یا بیساکھیوں کے سہارے چلتے تھے۔ انتظامیہ نے ہر شخص سے پندرہ سینٹ فی کس کے حساب سے ٹول ٹیکس وصول کیا اور لاکھوں ڈالر کمائے۔ آج کل بھی لاکھوں سیاح اسے دیکھنے آتے ہیں۔ فلموں کی خصوصی توجہ کا مرکز ہے۔ ہمارے ہوتے ہوئے بھی پل کے پار والی پہاڑی پر کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی جس میں ایک حسینہ سے اس طرح رقص کروایا جا رہا تھا کہ گولڈن گیٹ برج پسِ منظر میں نظر آتا رہے۔

ڈزنی لینڈ:

ایک دن ہم ڈزنی لینڈ کی سیر کو گئے۔ یہ لاس اینجلس میں واقع ہے جو سینے زے سے کوئی ساڑھے پانچ سو کلومیٹر دور ہے۔ ہم نصف شب کے بعد چلے تھے اور چھ گھنٹے کے سفر کے بعد جب لاس اینجلس پہنچے تو صبح کے اجالے پھیل رہے تھے۔ سب سے پہلے ہم ایک ہوٹل میں گئے۔ اس سے پہلے اتنی صبح شاید ہی کبھی ان کے گاہک آئے ہوں۔ ہوٹل کی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سان فرانسسکو۔ گولڈن برج

کیلی فورنیا۔ ڈزنی لینڈ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واشنگٹن ۔ لائبریری آف کانگریس

سین جوزے لائبریری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتظامیہ کے لوگ خود بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ ہم ناشتے کے لیے مولی بھرے پراٹھے گھر سے لے کر چلے تھے۔ ایک خاتون سے ہم نے درخواست کی کہ یہ پراٹھے اوون میں گرم کر دے۔ اس نے کر دیئے۔ ہم نے دو پراٹھے ان لوگوں کو بھی پیش کیے اور بتایا کہ یہ ہمارے ہاں کی خاص چیز ہے۔ بعد میں ہم نے دیکھا کہ انہوں نے پراٹھوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا بلکہ اس خاتون نے ہمیں کہا کہ انہیں باہر کی چیزیں اپنے اوون میں رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم مزید زحمت نہیں دیں گے بس مزیدار سی چائے بنا دو۔ ناشتے کے بعد ہم ایک ہوٹل میں گئے جہاں سعد نے پہلے سے بکنگ کروا رکھی تھی۔ صاف ستھرے کمرے تھے، ملحقہ واش روم، ایک کشادہ کچن، فرج، ڈیپ فریزر اور گیس کے چولہے۔ اچھا خاصا گھر کا سا آرام تھا۔ ہم نے کھانے پینے کی چیزیں فرج میں رکھیں۔ سامان ٹھکانے لگایا اور ڈزنی لینڈ ایڈونچر پارک کے لیے نکل گئے۔

ڈزنی لینڈ کی طرف جانے والی تمام سڑکوں کی دونوں جانب کھجور کے درختوں سے مشابہ نخیل (Palm) کے اونچے اونچے درخت ہیں جن کی بڑی خوبصورتی سے تراش خراش ہوتی رہتی ہے اور وہ بڑے بھلے لگتے ہیں۔ پارک میں داخلے کا ٹکٹ ۸۰ ڈالر فی کس تھا لیکن شائقین کی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھی۔ داخلے کا ایک نہیں، چھ سات دروازے تھے، دھکم پیل بھی نہیں تھی۔ لوگ بڑے نظم و نسق کے ساتھ قطاروں میں کھڑے تھے۔ اس لیے زیادہ دیر نہیں لگی اور پندرہ بیس منٹ میں ہماری باری آ گئی۔ اندر گئے تو جیسے ایک نئی دنیا میں آ گئے۔ سب سے پہلے تو امریکی اداکارہ ''الزبتھ ٹیلر'' ملی۔ ہو بہو اسی کا نقشہ، بالوں کا سٹائل، میک اپ، لباس۔ یوں لگتا تھا اصلی الزبتھ ٹیلر یہی ہے۔ وہ خود بڑھ کر آنے والوں کو خوش آمدید کہتی۔ پہلی نظر میں لوگ یہی سمجھتے کہ الزبتھ ٹیلر ہی ہے، دانتوں تلے انگلیاں کاٹتے، پھر ہنسنے لگتے۔ اس کے ساتھ تصویریں بنواتے اور آگے بڑھ جاتے۔ پورے پارک میں معروف اداکاروں کا سوانگ رچائے کئی لوگ پھر رہے ہوتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم نے ''دہشت گھر (House of Terror)'' دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ممیوں اور بلاؤں کی بہتات ہے۔ تنگ تنگ سی پیچ دار گلیاں ہیں جن میں نیم تاریکی ہے۔ چاروں طرف مکڑیوں کے جالے ہیں۔ کسی بھی موڑ پر کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ اچانک دھماکے کی آواز سنائی دیتی ہے، کوئی ممی آپ کی راہ کاٹتی نکل جاتی ہے۔ ایک گہری کھائی تھی جس کے اوپر لکڑی کا رسوں سے لٹکتا ہوا ایک پل تھا۔ آپ اس پر قدم رکھتے ہیں تو وہ ہلنے لگتا ہے۔ نیچے انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیاں بکھری پڑی ہیں۔ آپ کہیں جھانک کر دیکھتے ہیں تو اچانک پل کے نیچے سے استخوانی ہاتھ اور ایک کھوپڑی نمودار ہوتی ہے اور آپ کو پکڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ کافی طویل راہداریاں ہیں، قدم قدم پر دہشت، اچھا بھلا انسان خوف سے لرزنے لگتا ہے۔ ہماری اہلیہ نے مضبوطی سے ہمارا بازو تھام رکھا تھا۔ باہر نکلنے لگے تو دائیں طرف سے ایک بلا نمودار ہوئی اور اس نے ہم پر جھپٹا مارنے کی کوشش کی۔ ہم دوسری چیزیں دیکھ کر دوبارہ اسے دیکھنے آئے۔ جب باہر نکلنے لگے تو اہلیہ کی توجہ دائیں جانب تھی کہ شاید یہاں سے بلا نمودار ہوگی لیکن اس بار وہ بائیں طرف سے نمودار ہوئی اور اس نے بے خبری میں ہمیں آلیا۔

رولر کوسٹرز ہولناک قسم کے جھولے ہیں۔ آپ کو بنچ نما نشستوں پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ جب آپ پیٹیاں کس لیتے ہیں تو یہ نشست آہستہ آہستہ اوپر اٹھنی شروع ہوتی ہے۔ پچاس ساٹھ فٹ کی بلندی پر جا کر رک جاتی ہے جہاں سے پارک کے مناظر نظر آرہے ہوتے ہیں۔ ابھی آپ نظر بھر کر کچھ دیکھ بھی نہیں پاتے کہ نشست یکلخت نیچے کی طرف گرتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ابھی آپ زمین سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے۔ خوف سے لوگوں کی چیخیں نکل جاتی ہیں لیکن زمین سے پانچ چھ فٹ کے فاصلے پر آکر نشست رک جاتی ہے۔

ایک ٹرین تھی جو ایک جھیل کے کنارے کھڑی تھی۔ جب لوگ نشستیں سنبھال لیتے ہیں اور ٹرین پر مامور اہلکار سب کو اچھی طرح چیک کر لیتے ہیں کہ پیٹیاں اچھی طرح سے باندھ لی گئی ہیں تو اچانک ٹرین گولی کی سی تیزی کے ساتھ روانہ ہو جاتی ہے۔ پہلے تو وہ جھیل سے گزرتی ہے۔ پٹڑیاں پانی کے نیچے ہیں، اس لیے آغاز ہی میں ایک زبردست بوچھاڑ ہوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں بلند ہوتی ہے لیکن جب تک یہ پانی نیچے گرتا ہے، ٹرین آگے جا چکی ہوتی ہے۔ پانی سے نکل کر ٹرین بلندی کی طرف بڑھتی ہے، اوپر، اوپر اور اوپر اور پھر ٹرین الٹی ہو جاتی ہے کہ لوگوں کے سر نیچے اور ٹانگیں آسمان کی طرف ہو جاتی ہیں۔ ٹرین جب سیدھی ہوتی ہے تو تیزی سے نشیب کی طرف بڑھتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ دومنٹ کا سفر ہوگا لیکن ایک ایک لمحہ قیامت کا لمحہ ہوتا ہے۔ ٹرین رکتی ہے تو لوگ ''مائی گاڈ، مائی گاڈ'' کہتے ہوئے اترتے ہیں، ایک دوسرے کے فق ہوتے ہوئے چہرے دیکھتے ہیں اور ہنستے ہیں۔

ایک اور رولر کوسٹر تھا جس کی مدد سے آپ لاس اینجلس کے اوپر پرواز کرتے ہیں۔ آپ کو خاص قسم کی عینک دی جاتی ہے جسے پہن کر آپ کو سہ سطحی (3D) پرواز کا احساس ہوتا ہے۔ آپ ایک قطار میں اپنی نشست سنبھالتے ہیں۔ سامنے ایک بڑی سکرین لگی ہوئی ہے اس پر فلم شروع ہوتی ہے، آپ کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ ٹیکسی کرنے کے بعد فضا میں بلند ہو رہے ہیں۔ آپ کو چہرے پر ہوا کے جھونکے محسوس ہوتے ہیں۔ بلندی پر جاتے ہیں تو پورا شہر آپ کو نظر آتا ہے۔ آپ ابھی شہر کے نظاروں سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں کہ ایک پہاڑی پر ایک دیوہیکل ڈائنو سار منہ پھاڑے کھڑا نظر آتا ہے۔ آپ اس کے منہ کی طرف بڑھتے ہیں خوف سے چیخیں نکل جاتی ہیں۔ آپ اس کے منہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور چاروں طرف اندھیرا چھا جاتا ہے جیسے آپ ڈائنو سار کے پیٹ میں اتر گئے ہوں لیکن پھر جیسے آپ اس کا پیٹ پھاڑ کر باہر نکل آئے ہوں خود کو ایک بلندی پر پاتے ہیں، چاروں طرف حسین سبزہ زار، دور نیچے شفاف پانی کی ایک جھیل نظر آ رہی ہے۔ آپ اس کی طرف اترنے لگتے ہیں۔ اچانک رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے۔ آپ جھیل میں گرنے کو ہیں۔ لوگ اپنی ٹانگیں سمیٹ لیتے ہیں لیکن رفتار آہستہ ہو جاتی ہے اور آپ آہستگی سے جھیل کے کنارے رک جاتے ہیں۔ بلب روشن ہوتے ہیں تو آپ اپنے آپ کو نشست پر بیٹھا پاتے ہیں۔

ایک تھیئٹر کے باہر لکھا ہوا تھا کیڑے مکوڑوں کا گھر (Insects House)۔ اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سامنے سے دو تین بار گزرے لیکن یہ سوچ کر نظر انداز کر دیا کہ اس میں دلچسپی کی آخر کیا چیز ہوگی۔ پھر سوچا اسے بھی دیکھ ہی لیں، یہاں بھی 3D کے لیے عینکیں تقسیم کی گئیں۔ شو شروع ہوا تو سٹیج خالی تھا اور اس پر نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اچانک ایک مہین سی آواز سنائی دی۔

''اے انسانو! تم ہمیشہ مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو۔''

لوگ حیران کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔

''ادھر دیکھو، میری طرف، سٹیج کے اوپر کونے میں۔''

دیکھا وہاں ایک بڑے سائز کا مچھر بیٹھا ہے۔ ایک بیم لائٹ نے اسے اور اس کے اردگرد کی تھوڑی سی جگہ کو روشن کر رکھا تھا۔

''تم مجھ سے نفرت کرتے ہو؟ میں بھی تمہیں پسند نہیں کرتا۔'' مچھر نے ناظرین کی طرف منہ کر کے تھوکا۔ اب اللہ جانے انتظامیہ نے کیا تدبیر اختیار کر رکھی تھی۔ ہر شخص کو ایسا لگا جیسے وہ تھوک اس کے منہ پر آ کر گرا ہو۔ گالیاں دیتے ہوئے لوگوں نے رومال، ٹشو نکالے اور منہ صاف کیے۔

''مجھے گالیاں دے رہے ہو؟ ابھی تمہیں مزہ چکھاتا ہوں۔''

مچھر نے اپنا ڈنک ناظرین کی طرف بڑھایا، یوں لگا کہ ڈنگ چہرے کو چھوا چاہتا ہو۔ غرض یہ شو بھی بہت دلچسپ ثابت ہوا جس میں کھٹملوں، مکھیوں، مکڑیوں اور کئی کیڑے مکوڑوں نے حصہ لیا۔ جب شو ختم ہوا اور ہال کی لائٹیں روشن ہوئیں تو اعلان ہوا ''خواتین و حضرات! آپ سے درخواست ہے کہ اپنی اپنی نشستوں پر تشریف رکھیں۔ پہلے مہمان اداکاروں کو گزر جانے دیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کے قدموں تلے کچلے جائیں۔'' لوگ بیٹھے رہے نشستوں کے نیچے سے زوں زوں، شوں شوں کی آواز آنے لگیں جیسے کیڑے مکوڑے تیزی سے گزر رہے ہوں اور پھر ہر شخص تلملا کر کھڑا ہو گیا۔ یوں لگا جیسے کسی کھٹمل یا مچھر نے کاٹ کھایا ہو۔

ایک جگہ سڑک کے کنارے سہ منزلہ مکان کے برابر ایک پینٹنگ تھی جس میں قطار در قطار مکان تھے۔ درمیان میں ایک کشادہ گلی تھی جس کے آخر میں افق نظر آتا تھا اور سورج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غروب ہو رہا تھا۔ ہم یہی سمجھے کہ یہ کوئی راستہ ہے لیکن جب دو تین بار اس کے سامنے سے گزر ہوا تو خیال آیا کہ سورج تو وہیں کا وہیں ہے جہاں پہلی بار دیکھا تھا۔ اب جو غور کیا تو ایک ہلکی سی زنجیر لگی ہوئی تھی اور ایک چھوٹے سے بورڈ پر لکھا تھا ''آگے جانا منع ہے۔'' پتہ چلا کہ یہ ہاتھ کی بنی ہوئی پینٹنگ ہے۔

ایک وسیع علاقے میں جراسک پارک ہے۔ آپ انتظامیہ کی طرف سے مہیا کردہ پلاسٹک کے کوٹ پہن کر ربڑ کی ایک کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور ایک دریائی سیر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ دریا کی دونوں جانب گھنا جنگل ہے جس میں مختلف جانور چل پھر رہے ہیں۔ زیادہ تر ڈائنوسار ہیں۔ دور ایک فیملی کے افراد درخت سے پتے کھاتے نظر آتے ہیں۔ اچانک دریا کا پاٹ تنگ ہو جاتا ہے، جب کشتی اس میں سے گزرنے لگتی ہے تو ایک جانب سے ایک دیوہیکل ڈائنوسار کی آواز سنائی دیتی ہے جو منہ پھاڑے کشتی کی طرف بڑھتا ہے اور گردن جھکا کر کشتی کے مسافروں کو کاٹنا چاہتا ہے۔ لوگ دہشت سے چیختے ہیں، کشتی آگے نکل جاتی ہے۔ سیر کے آخری مرحلے میں دریا کا پاٹ پھر تنگ ہو جاتا ہے اور دریا کے دھارے کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے۔ کشتی اچانک ایک ڈھلوان پر نمودار ہوتی ہے اور انتہائی تیزی سے نیچے کی طرف آتی ہے۔ لوگ خوف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ کشتی شڑاپ سے ایک جھیل میں آ گرتی ہے اور کنارے پر آ کر لنگر انداز ہو جاتی ہے۔

فلمیں، تھیٹر، ٹاک شو، جادو کے کھیل اور جھولے وغیرہ اتنی وسیع تعداد میں ہیں کہ انسان کوشش کے باوجود ایک دن میں سب کو نہیں دیکھ سکتا۔ لوگ دوپہر کے کھانے پر وقت ''ضائع'' نہیں کرتے بلکہ چلتے پھرتے ہی برگر، بند، چپس، چکن رول، پیٹیز وغیرہ کھا لیتے ہیں، جوس مشروبات، کافی، چائے پی لیتے ہیں کوشش یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ تفریحی مواقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ صبح سے شام تک ایک ایک لمحہ حیرت وتعجب، تجسس ودریافت اور مسرت وانبساط کے عالم میں گزرتا ہے۔ ہم نے سوچا کہ انسان کی بنائی ہوئی ایک چھوٹی سی دنیا کا یہ عالم ہے تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی وہ جنت کیسی ہوگی جس میں ہمیشگی ہے، دوام

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور جو کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی ہے۔

غروب آفتاب کے بعد سب لوگ ایک سڑک کے دونوں کناروں پر بیٹھ جاتے ہیں اور تھیٹروں میں حصہ لینے والے سب اداکار اور اداکارائیں ایک جلوس کی شکل میں لوگوں کے سامنے سے گزرتے ہیں۔ لوگ اپنے پسندیدہ کرداروں کو ہاتھ ہلاتے ہیں، تالیوں سے ان کا استقبال کرتے ہیں اور وہ مسکرا مسکرا کر جواب دیتے ہیں، آخر میں آتشبازی کا زبردست مظاہرہ ہوتا ہے جو ایک گھنٹے تک جاری رہتا ہے۔ زمین سے چھوڑے جانے والے انار دور اوپر جا کر پھلجھڑیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، کبھی پھول بنتے ہیں، کبھی ستارے، کبھی کلیاں، کبھی فوارے، کتنی ہی دیر تک آسمان بقعہ نور بنا رہتا ہے۔

پاکستان سے چلتے ہوئے ہمارا پروگرام یہ تھا کہ اہلیہ کو سعد کے پاس چھوڑ کر ہم لندن جائیں گے اور وہاں سے مصر، اردن اور سوڈان۔ ان ملکوں میں ان مقامات کو دیکھنے کا پروگرام تھا جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ تو سینے زئے میں پانچ چھ دن کے بعد ہم نے گھر والوں سے اجازت چاہی۔ ہم نے پاکستان سے ''امریکہ دیکھو'' پیکج کے تحت جو پانچ ٹکٹیں لی تھیں ان میں سے پہلی ٹکٹ ہم نے سان فراسسکو سے واشنگٹن کے لیے استعمال کی یعنی مغربی ساحل سے مشرقی ساحل تک۔ یہ نان سٹاپ فلائٹ نہیں ہوتی بلکہ راستے میں کسی شہر میں رکتی ہے، ہمارے جہاز نے ہوسٹن میں کچھ دیر قیام کیا۔

انٹرمیڈیٹ اور بی اے میں جغرافیہ ہمارا پسندیدہ مضمون رہا تھا۔ ہم نے پڑھا تھا کہ وسطی امریکہ میں پریریز کے میدانوں میں جو فصلیں کاشت ہوتی ہیں۔ وہ کئی کئی میل تک ایک ہی قسم کی ہوتی ہیں اور اس وجہ سے ان کی دیکھ بھال اور انتظام وانصرام آسان ہوتا ہے مثلاً اگر کیڑے مار دواؤں کا چھڑکاؤ کرنا ہو تو چھوٹا سا ایک جہاز دواؤں کا ذخیرہ لے کر اڑتا ہے اور دو تین گھنٹوں میں سینکڑوں میل کی فصلوں پر چھڑکاؤ مکمل کر لیتا ہے۔ اس سفر میں یہ سب کچھ دیکھنے کا موقع ملا۔

جہازوں کی پرواز میں حادثات سے بچنے کے لیے ایک انتظام یہ بھی ہوتا ہے کہ شمال

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے جنوب کی طرف آنے والے جہاز ایک خاص بلندی پر سفر کرتے ہیں اور جنوب سے شمال کی طرف جانے والے جہاز مختلف بلندی پر۔ دونوں میں کم از ایک ہزار فٹ کی بلندی کا فرق ہوتا ہے۔ نہ صرف بلندی مختلف ہوتی ہے بلکہ خط پرواز میں بھی خاصا فاصلہ ہوتا ہے۔ یہی فرق مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی طرف جانے والی پروازوں میں بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ ہم مغرب سے مشرق کی طرف جا رہے تھے اور قدرے بلندی پر تھے جب کہ مشرق سے آنے والی پروازیں ہمارے دائیں جانب سے نسبتاً کم بلندی پر سے گزر رہی تھیں۔ چند چند لمحوں کے بعد کوئی نہ کوئی جہاز گزرتا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ امریکہ میں فضائی سفر کس قدر زیادہ ہے۔ امریکہ میں جہاں ہم مقیم تھے وہ ریاست لاس انجلیز کا ایک چھوٹا سا شہر San Joze تھا لیکن وہاں سے بھی ہر دو منٹ بعد ایک جہاز پرواز کرتا تھا۔ ایک جہاز آسمان کی نیلاہٹوں میں گم نہیں ہوتا تھا کہ ایک اور جہاز بلندیوں کی طرف اٹھتا دکھائی دیتا تھا۔

انہی نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہم واشنگٹن پہنچ گئے۔ یہاں ہمارا قیام ورجینیا میں تھا جہاں تیر بھائی مقیم تھے اور کئی برسوں سے وہاں رہائش پذیر تھے۔ اب تو ماشاء اللہ صاحب قلم ہو گئے ہیں۔ حال ہی میں ان کی کتاب ''پچھلے پہر کا خواب'' شائع ہوئی ہے جو ان کے ماضی کی یادداشتوں پر مشتمل ہے۔ بچے ماشاء اللہ پڑھ لکھ کر اچھے عہدوں پر فائز ہیں اور خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی ایک بیٹی تو پاکستان میں ہے لیکن باقی تین بچے فرید، زیبی اور سمیرا ان کے ساتھ ہی ہیں۔ فرید ہمیں لینے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ واشنگٹن ایئرپورٹ واشنگٹن میں نہیں ہے بلکہ جیسے اسلام آباد ایئرپورٹ دراصل راولپنڈی میں واقع ہے، اسی طرح واشنگٹن کے دو ایئرپورٹس ہیں لیکن دونوں ورجینیا کی حدود میں ہیں۔

ورجینیا ان پندرہ ریاستوں میں شامل تھی جنہوں نے ۱۷۷۵ء میں برطانیہ سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے قیام کا اعلان کیا۔ ورجینیا کو یہ اعزاز بھی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہے کہ امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کا تعلق ورجینیا سے تھا۔ تیسرے صدر تھامس جیفرسن، چوتھے جیمز اینڈرسن، پانچویں جان مونرو بھی ورجینیا سے تھے۔ اب تک آٹھ صدر ایسے گزرے ہیں جن کا تعلق ورجینیا سے تھا۔ اس لیے ورجینیا کا نک نیم ''ام الصدور'' (Mother of Presidents) بھی ہے۔ یہ ایک خوبصورت ریاست ہے۔ سرسبز و شاداب۔ موسموں میں بڑی شدت پائی جاتی ہے۔ گرمیوں میں سخت گرم اور سردیوں میں شدید سردی برفباری کے ساتھ۔ ہم جب پہنچے تو خزاں کا موسم تھا۔ سبز پتے رنگ بدل رہے تھے اور درختوں پر زرد، سرخ اور نارنجی رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ ہوا سرد ہو چلی تھی لیکن خوشگوار لگتی تھی۔

اب ہمیں انگلینڈ، مصر اور سوڈان کے ویزے لگوانے تھے۔ فرید نے کمپیوٹر پر بیٹھ کر انٹرنیٹ کی مدد سے ان دستاویزات کی ایک فہرست تیار کی جو برطانیہ کے ویزے کے لیے ضروری تھیں۔ باقی کاغذات تو پورے تھے ایک خط کی کمی تھی جو برطانیہ سے کسی نے لکھا ہو جس میں برطانیہ آنے کی دعوت دی گئی ہو۔ وہ فرید نے پوری کر دی کہ لندن میں اپنے ماموں سکندر کی طرف سے ہمیں ای میل کروا دی۔ جب سارے کاغذات پورے ہو گئے تو دوسری صبح سمیر ہمیں برطانوی سفارت خانے چھوڑ گئے۔ صبح کے آٹھ بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے جب ہم سفارت خانے میں داخل ہوئے۔ پورا عملہ اپنی اپنی جگہ موجود تھا۔ ہم نے اپنے آنے کی شانِ نزول بیان کی تو ایک کلرک کی طرف رہنمائی کی گئی۔ اس کا پہلا سوال تھا کہ آپ نے اپنے ملک سے ویزے کی درخواست کیوں نہیں دی۔

اب ہم اسے کیسے بتاتے کہ برطانوی سفارت خانہ پاکستان میں ابھی تک ہم سے غلاموں کا سا سلوک کرتا ہے اور ایسی ایسی شرطیں رکھتا ہے جو دنیا میں اور کہیں نہیں ہوتیں۔ مثلاً ان دنوں پاکستان میں برطانوی ویزے کے لیے ایک شرط یہ تھی کہ صرف انہی افراد کو ویزہ مل سکتا ہے جو گزشتہ پانچ برسوں میں برطانیہ گئے ہوں۔ اب جو نہیں گیا وہ تو کبھی ویزے کی درخواست دینے کا اہل نہیں ہو سکتا تھا۔ ہم نے کلرک کو یہ بات نہیں بتائی بلکہ اپنی افسری

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ ہماری بیرون ملک جانے کی چھٹی منظور ہو چکی تھی اور ہمیں امریکہ آنے کی جلدی تھی۔ وقت نہیں تھا۔ یہ بات تھی بھی درست۔ اس نے کہا کہ برطانوی سفیر سے اجازت لینی ہوگی۔ آپ ان سے مل لیں۔ اس نے ہمیں برطانوی سفیر سے ملاقات کے لیے نو بجے کا وقت دیا۔ ہم اپنے سارے کاغذات متعلقہ کلرک کے پاس چھوڑ آئے۔

پانچ دس منٹ میں یہ ساری کارروائی پوری ہوگئی۔ ہمارے پاس پچاس منٹ باقی تھے۔ سوچا پاکستانی سفارت خانے چلتے ہیں۔ ان دنوں ملیحہ لودھی امریکہ میں پاکستان کی سفیر تھیں۔ ان سے ان دنوں سے علیک سلیک تھی جب وہ اسلام آباد سے نکلنے والے انگریزی اخبار مسلم کی مدیر تھیں۔ بعد میں وہ نیوز میں آ گئی تھیں۔ ہم آئی ایس پی آر میں تھے اور ان سے وقتاً فوقتاً ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ پیدل دس منٹ کا رستہ تھا۔ جب ہم سفارت خانے پہنچے تو بندہ نہ بندے کی ذات۔ ایک خاکروب کانوں میں ہیڈفون لگائے گانے سن رہا تھا اور ویکیوم کلینر کی مدد سے صفائی میں مصروف تھا۔ استقبالیے میں ایک میز پر پاکستانی اخبارات اور رسالے بکھرے ہوئے تھے۔ ہم اخبارات دیکھنے لگے۔ اتنے میں ایک خاتون آ گئیں۔ آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ، اونچی ہیل والے سینڈلز۔ وہ ٹک ٹک کرتے ہوئے ہمارے پاس سے گزر گئیں۔ ایک نگاہِ غلط انداز بھی نہیں ڈالی۔ ہم پہلے تو خاموش بیٹھے رہے پھر افسری جاگ اٹھی۔ ہم ان کے دفتر میں پہنچے۔ اس وقت وہ ایک دستی آئینہ نکالے، لپ سٹک کو تازہ کرنے میں مصروف تھیں۔ ہم نے غصے سے پوچھا: ''آپ یہاں کام کرتی ہیں سفارت خانے میں؟'' انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو ہم نے اپنا فوجی شناخت کارڈ ان کے سامنے لہرایا، تعارف کروایا، اور بتایا کہ ہم ایک مارشل لاء ٹیم کے انچارج ہیں اور معائنے کے لیے آئے ہیں۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہوگئیں۔ ہمیں ایک کمرے میں لے جا کر بٹھایا۔ جلدی سے کافی بنا کر لائیں۔ پھر اپنے دفتر جا کر لوگوں کو فون کرنے لگیں کہ کوئی فوجی افسر آئے ہیں۔ جلدی دفتر پہنچو۔ واشنگٹن کے اس حصے میں ٹریفک کا اتنا رش ہوتا ہے کہ بندہ چاہے بھی تو جلدی نہیں نکل سکتا۔ ہم پندرہ بیس منٹ بیٹھے کافی کی چسکیاں لیتے رہے کوئی نہیں آیا۔ نو بجے ہماری

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برطانوی سفیر سے ملاقات تھی۔ پونے نو بجے ہم چپکے سے باہر نکل آئے۔

برطانوی سفارت خانے پہنچے تو متعلقہ کلرک نے بتایا کہ اس نے ہمارے کاغذات سفیر کو دکھائے تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ بندہ ٹھیک ہے، فوجی افسر ہے، معتبر ہے، باقاعدہ چھٹی لے کر آیا ہے، امریکہ میں داخلہ قانونی ہے، کوئی حرج نہیں۔ انہیں ویزہ جاری کر دیں، انٹرویو کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم نے پوچھا کہ تمہارا سفیر سابق فوجی تو نہیں ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں جواب دیا۔ تب ہمیں سمجھ آئی کہ اصل میں تو پیٹی بندی کام آئی ہے۔ اس نے ہم سے ویزے کی فیس وصول کی اور کہا کہ ایک بجے آ کر اپنا پاسپورٹ لے جائیں۔

ہم نے زاہد بخاری سے ملنے کا فیصلہ کیا جو ان دنوں جارج ٹاؤن یونیورسٹی میں کسی تحقیقاتی منصوبے پر کام کر رہے تھے۔ امریکہ کے صدر کلنٹن یہاں پڑھتے رہے ہیں اور انہیں اپنی یونیورسٹی سے اتنا لگاؤ تھا کہ اپنے دور صدارت میں وہ نو مرتبہ اس یونیورسٹی میں آئے۔ اردن کے شاہ عبداللہ نے بھی یہاں سے تعلیم حاصل کی اور بعد میں یہاں ایک اکیڈمیک بلاک تعمیر کروایا۔ دوپہر کا کھانا ہم نے زاہد بخاری، ممتاز صاحب، ایوب اور فیصل کے ساتھ کھایا۔ کھانے کے بعد ایوب ہمیں برطانوی سفارت خانے لے گئے۔ ویزہ لگ چکا تھا۔ پاسپورٹ اور دیگر کاغذات لے کر ہم ایوب کی گاڑی میں آ بیٹھے جنہوں نے ہمیں، روزلین سٹیشن پر اتار دیا۔ یہاں سے ہم میٹرو میں سوار ہوئے اور فرینکونیا سٹیشن پر اتر گئے۔ زیبی ہماری منتظر تھی۔ آرام سے گھر پہنچ گئے۔ ٹی وی پر انتخابات کی خبریں آ رہی تھیں۔ گزشتہ روز ہی ورجینیا کے گورنر کے لیے انتخابات ہوئے تھے جس میں مارک وارنر بھاری اکثریت سے ورجینیا کے ۶۹ ویں گورنر منتخب ہوئے تھے۔

جمعے کا دن تھا جب سمیر ہمیں مصری سفارت خانے چھوڑ گئے۔ وہاں طویل سوال وجواب کے بعد ایک خاتون افسر نے کہا کہ آپ مصر سے واپسی کی ٹکٹ دکھائیں۔ اکثر سفارت خانے یہ سوال کرتے ہیں حالانکہ واپسی کی ٹکٹ اس بات کی ضمانت نہیں ہوتی کہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ کو ویزہ ضرور مل جائے گا۔ ہم نے انہیں اپنی باقی ٹکٹیں دکھائیں کہ یہ لندن سے واشنگٹن کی ٹکٹ ہے۔ یہ واشنگٹن سے بیئنے زئے جانے کی ٹکٹیں ہیں اور یہ پاکستان واپسی کی ٹکٹیں۔ ہم مصر میں کیسے رک جائیں گے۔ خاتون مان گئیں لیکن فرمایا کہ سوموار کو ملے گا پاسپورٹ۔

ہم واپس جانے کے لیے ایک میٹروسٹیشن پر آئے۔ ایک اہلکار سے پوچھا کہ فرینکونیا سٹیشن کا ٹکٹ کتنے کا ہوگا۔ اس نے دو ڈالر نوے سینٹ بتائے۔ ہم سمجھے دو ڈالر انیس سینٹ۔ مشین میں ۹۱ سینٹ کا ذکر نہیں تھا سو ہم نے امریکہ پر احسان کرتے ہوئے دو ڈالر پچیس سینٹ کا ٹکٹ خرید لیا۔ جب فرینکونیا جا کر اترے تو عجیب مسئلے سے دوچار ہوئے۔ راہداری سے گزرتے ہوئے جب ہم ٹکٹ مشین میں ڈالتے تو وہ ٹکٹ واپس کر دیتی اور راہداری کے سامنے لگی ہوئی رکاوٹ کھلتی نہیں تھی کہ ہم پار جا سکیں۔ ہم نے دو تین راہداریوں میں ٹکٹ ڈالا لیکن ہر جگہ یہی ہوا۔ ایک سیاہ فام اہلکار ہمیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ہمارے قریب آیا اور بتایا کہ آپ نے پیسے کم دیئے ہیں وہ ہمیں لے کر ایک مشین کے پاس آیا۔ ٹکٹ اس میں ڈالا اور بتایا کہ آپ نے ۶۵ سینٹ کم دیئے ہیں اس سٹیشن پر آنے کے لیے۔ اہلکار تو یہ بتا کر چلا گیا ہمارے پاس جتنی بھی ریزگاری تھی، ایک ایک کر کے ساری مشین میں ڈال دی۔ مشین نے بتایا کہ ۶۰ سینٹ ہوئے، گویا پانچ سینٹ اور ڈالو۔ ہمارے پاس پانچ سینٹ نہیں تھے۔ ہم نے ایک ڈالر کا نوٹ مشین میں ڈالا مشین نے پہلے تو اسے اندر کھینچ لیا لیکن کسی اور درز سے واپس کر دیا۔ ہم حیران کہ مشین کے پاس ۹۵ سینٹ واپس کرنے کی ریزگاری نہیں ہے، ہمارے پاس پانچ سینٹ نہیں ہیں۔ کریں تو کیا۔ اتنے میں ایک بٹن پر کینسل لکھا ہوا نظر آیا۔ یہ بٹن دبایا تو ہماری جمع کرائی ہوئی ساری ریزگاری چھن چھناتی ہوئی واپس آ گئی۔ ہم نے پھر ایک ڈالر کا نوٹ ڈالا۔ مشین نے واپس کر دیا۔ وہ سیاہ اہلکار پھر ہمارے پاس آیا۔ اس نے نوٹ کا جائزہ لیا۔ اچانک ہمیں خیال آیا کہ کہیں نوٹ جعلی تو نہیں۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے اہلکار سے پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا کہ نوٹ تو اصلی ہے لیکن گندا ہے۔

''اچھا تو اس مشین میں بھی حس صفائی موجود ہے؟''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ہاں یہ تو ہے؟'' اہلکار نے فخر سے جواب دیا۔

تب اس نے اپنا ماسٹر کارڈ استعمال کرتے ہوئے ایک راہداری کو کھولا اور ہمیں رکاوٹ پار کروا دی۔ ہم نے دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی طرف سے چھ سینٹ زیادہ ادا کیے تھے لیکن حکومت امریکہ نے ہمیں ۶۵ سینٹ چھوڑ دیئے۔ تھینک یو امریکہ۔

تیر بھائی سٹیشن کے باہر ہمیں لینے آئے ہوئے تھے۔ بولے کہ ٹرین تو بڑی دیر کی گزر گئی، اتنی دیر لگا دی آپ نے۔ ہم نے پوری بات بتائی تو بہت ہنسے۔ کہنے لگے امریکی بڑی مکھی چوس قسم کی قوم ہے۔ ایک پیسہ نہیں چھوڑتے۔ کسی کو کچھ دیتے ہیں تو اس سے کئی گنا وصول کر لیتے ہیں۔

دوسرے دن ہم نے واشنگٹن میں واقع لائبریری آف کانگریس دیکھنے کا پروگرام بنایا۔

لائبریری آف کانگریس:

سمیر صبح سویرے ہمیں لائبریری چھوڑ گئے۔ یہ لائبریری تین عمارتوں میں قائم ہے۔ ایک ٹامس جیفرسن بلڈنگ، دوسری میڈیسن بلڈنگ اور تیسری پیکرڈ کمپلیکس کہلاتی ہے۔ تینوں عمارتیں زمین دوز سرنگوں سے ملی ہوئی ہیں جس کا فائدہ یہ ہے کہ آپ کو داخلے کے لیے سکیورٹی کی جانچ پڑتال کے لیے صرف ایک بار ہی گذرنا پڑتا ہے۔ ہم ٹامس جیفرسن بلڈنگ سے داخل ہوئے۔ استقبالیے پر جا کر بتایا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں۔ مصنف ہیں اور اپنی ایک کتاب لائبریری کو عطیہ کرنا چاہتے ہیں۔ استقبالیے پر تین چار مرد وخواتین موجود تھے۔ ایک خاتون مس رکر ہمارے ساتھ ہو لیں اور بتایا کہ کسی مصنف سے کتاب وصول کرنا لائبریری کے لیے ایک اعزاز کی بات ہے اور یہ کام استقبالیے پر نہیں کیا جاتا۔ وہ ہمیں شعبہ امور عامہ میں چھوڑ کر واپس چلی گئیں۔ وہاں سے ایک صاحب ہمیں شعبہ حصول کتب میں لے گئے۔ انہوں نے بتایا کہ مصنف سے کتابیں تو کانفیڈنشل اسنٹنٹ ٹو لائبریرین وصول کرتے ہیں۔''یا اللہ ایک کتاب کی وصولی کے لیے اتنا اہتمام۔'' جب ہمیں متعلقہ صاحب کے پاس لے جایا گیا تو مسکراتے ہوئے انہوں نے استقبال کیا۔ شاید انہیں انٹرکام پر پہلے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے بتا دیا گیا تھا کہ ایک عظیم الشان مصنف اپنی ایک نادر کتاب لے کران کے پاس آ رہے ہیں۔ انہوں نے ایک بڑا سا رجسٹر اٹھایا اور بتایا کہ جو مصنف خود لائبریری میں آ کر اپنی کوئی کتاب پیش کرے تو دوسری جگہوں کے علاوہ اس رجسٹر میں بھی اس کا اندراج کیا جاتا ہے۔ انہوں نے رجسٹر ہمارے سامنے پھیلا دیا اور کہا کہ ہم اپنے اور کتاب کے کوائف متعلقہ خانوں میں درج کر دیں۔ اسی دوران اس نے ہم سے پوچھ کر اپنے ہاتھوں کافی بنا کر پیش کی۔ جب ہم چلنے لگے تو اس نے ایک دبیز کتاب جو گلیزڈ پیپر پر چھپی ہوئی تھی، ہمیں پیش کی۔ یہ لائبریری آف کانگریس کی دو سو سال کی کہانی تھی۔ جب ہم رجسٹر میں کوائف کا اندراج کر رہے تھے تو وہ صاحب کمپیوٹر پر مصروف تھے۔ انہوں نے بتایا کہ آپ کی لکھی ہوئی کتابیں اُردو کے سیکشن میں موجود ہیں۔ ہمیں خوشگوار حیرت ہوئی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہم اردو سیکشن دیکھنا چاہیں گے۔ انہوں نے ایک بندہ ہمارے ساتھ بھیج دیا۔ متعلقہ سیکشن میں اردو کے تمام قابل ذکر مصنفین کی کتابیں اور شاعروں کے دیوان موجود تھے۔

ہم نے ایک جگہ بیٹھ کر دی گئی کتاب پڑھنی شروع کی تو ہمیں ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ عراق میں زبردست قحط پڑا۔ زمینیں سوکھ گئیں، تالاب خشک ہو گئے، کسی دور دراز گاؤں کے ایک دیہاتی کو خیال آیا کہ خلیفہ پانی کو ترستا ہوگا۔ اس نے اپنے کنویں سے جس کا پانی کھاری تھا، ایک گھڑا بھرا اور دور دراز کا سفر طے کر کے خلیفہ کے دربار میں پہنچا۔ خلیفہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ انعام واکرام سے نوازا۔ ایک گھوڑا بھی دیا اور ہدایت کی کہ اسے گھوڑے پر بٹھا کر دریائے دجلہ کی سیر کروائی جائے۔ ہماری مثال اس دیہاتی ہی کی تھی۔ فرق یہ تھا کہ اس کے اردگرد دریائے دجلہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور ہمارے اردگرد علم کا ایک پرسکون سمندر تھا۔

لائبریری آف کانگرس میں تقریباً ساڑھے پندرہ کروڑ آئٹم ہیں، جن میں کتابیں، مسودات، اخبارات ورسائل، نقشے، آڈیو، وڈیو کیسٹ، مائیکروفلمز، مصوری کے شاہکار شامل ہیں۔ صرف کتابوں اور طبع شدہ مسودات کی تعداد ساڑھے تین کروڑ ہے۔ جو ۴۷۰ زبانوں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہیں۔ دس لاکھ کے قریب مسودے ہیں، دس لاکھ حکومتی مطبوعات، گزشتہ تین صدیوں کے اخبارات کی دس لاکھ کاپیاں، پچاس لاکھ مائیکروفلمز، پچاس لاکھ سے زائد نقشے، تیس لاکھ سے زائد آوازوں کی ریکارڈنگ وغیرہ۔ صرف کتابوں کے شیلف اتنے ہیں کہ اگر انہیں ایک قطار میں رکھا جائے تو ان کی لمبائی ۱۳۵۰ کلو میٹر بنتی ہے یعنی انہیں زمین پر رکھا جائے تو یہ قطار واشنگٹن سے شکاگو تک پہنچے گی۔ بلاشبہ اس وقت روئے زمین پر یہ سب سے بڑی لائبریری ہے۔

ظاہر ہے یہ ایک دن میں نہیں بن گئی۔ اس کے پیچھے دوسو برس کی کاوشیں اور جانفشانی شامل ہے۔ لائبریری قائم کرنے کا خیال آزادی کے اعلامیے پر دستخط کرنے والے ٹامس جیفرسن کو آیا۔ شروع میں یہ کانگریس کے ارکان کے لیے بنائی گئی تھی۔ پہلے امریکہ کا دارالحکومت نیویارک اور فلاڈلفیا میں رہا۔ ۱۸۰۰ء میں ایک صدارتی حکم کے ذریعے جب دارالحکومت واشنگٹن میں قائم کیا گیا تو لائبریری بھی یہیں قائم کی گئی۔ ۷۴۰ کتابیں خرید کر لائبریری کا آغاز کیا گیا۔ ۱۸۱۴ء میں جب برطانیہ نے امریکہ پر حملہ کیا تو لائبریری کو آگ لگا دی گئی۔ سب کتابیں اور مسودات راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ تب ٹامس جیفرسن نے اپنی ذاتی لائبریری کی ساری کتابیں جن کی تعداد ۶۴۸۷ تھی، لائبریری کو عطیہ کر دیں۔ آج کل تو لائبریری کا بجٹ کروڑوں ڈالروں کا ہوتا ہے ہر سال تقریباً سترہ لاکھ سیاح اس لائبریری کو دیکھنے آتے ہیں۔ ان کی رہنمائی کے لیے تین سو رضاکاروں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ ان رضاکاروں کو چار مہینوں کی تربیت دی جاتی ہے۔ وہ ہفتے میں دو دن، ہر منگل اور جمعرات کو صبح دس بجے سے شام تین بجے تک باقاعدہ کلاسوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ تربیت کی تکمیل پر وہ تین سالوں تک آدھے دن کی شفٹ میں سیاحوں کو لائبریری کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں اور انہیں مختلف شعبوں کی سیر کرواتے ہیں۔ داخلے کی کوئی ٹکٹ نہیں ہے۔ خواہش مند افراد کو ریزرویشن کروانا پڑتی ہے اور بھیڑ کی شکل میں پندرہ سے بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لائبریری کے بانیوں میں سے ایک شخص جو امریکہ کے صدر بھی رہے، جیمز میڈیسن نے ۱۸۲۲ء میں کہا تھا، ''علم ہمیشہ جہالت پر حکمران رہے گا تو ان لوگوں کو جو لوگوں پر حکمرانی کے خواہش مند ہوں، چاہیے کہ خود کو اس طاقت سے مسلح کریں جو علم کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔'' بلاشبہ اس لائبریری کے ذریعے کانگریس کے ارکان اور دنیا بھر کے لوگوں کے لیے ایسا موثر انتظام کیا گیا ہے کہ وہ گھر بیٹھے علم کے اس عظیم الشان ذخیرے سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ کروڑوں افراد انٹرنیٹ کے ذریعے لائبریری آف کانگریس سے استفادہ کرتے ہیں۔

دل کٹتا ہے جب خیال آتا ہے کہ ہم اس امت کے فرد ہیں جنہیں ہدایت تھی کہ علم حاصل کرو، ماں کی گود سے لحد کی گود تک۔ علم ہماری میراث تھی مگر بقول علامہ اقبالؒ ع

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلّم سے کوئی چارہ
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

ایک وقت تھا کہ صرف قرطبہ میں ۷۰ عظیم الشان لائبریریاں تھیں جن میں سے ہر ایک چار لاکھ کتابوں پر مشتمل تھی۔ یعنی وہ کتابیں ان کتابوں سے کہیں زیادہ تھیں جو آج لائبریری آف کانگریس میں موجود ہیں۔ جب بغداد کو منگولوں نے تباہ کیا تو وہاں ۳۶ پبلک لائبریریاں موجود تھیں۔ ایک یورپی محقق رابرٹ بریفالٹ نے لکھا ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں حالت یہ تھی کہ شہزادہ صہیب بن عباس اکیلا جتنی کتابیں رکھتا تھا اتنی یورپ کی تمام لائبریریوں میں بھی نہ تھیں۔

پانچ چھ گھنٹے لائبریری میں گزار کر ہم باہر آئے، ایک کیفے سے سخت کڑوی کافی پی۔ چپس کھائے اور مٹر گشت شروع کر دی۔ تھامس جیفرسن کی عمارت کے باہر ایک خوبصورت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوارہ ہے جس میں پتھر کے مجسمے لگے ہوئے ہیں۔ یہ ایک مجسمہ ساز رونالڈ ہنٹن پیری نے بنایا تھا ایک تالاب میں پتھر کی چٹانوں پر رومی دیومالائی کہانیوں میں مذکور سمندر کا خدا نیپچون (Naptune) بیٹھا ہے۔ اس کے اردگرد سمندروں کے دو چھوٹے چھوٹے خدا ہیں۔ ایک سمندری گھونگھے سے بگل بجا کر سمندروں کے دوسرے حکمرانوں کو نیپچون کے دربار میں بلا رہا ہے۔ کچھ کچھوے ہیں، جن کے منہ سے پانی کی دھاریں اچھلتی ہیں۔

قریب ہی امریکی کانگریس اور عدالت عالیہ ہے جس کی پیشانی پر لکھا ہے۔ ''قانون کے مطابق مساوی انصاف'' اپنے ملک کی حد تک تو واقعی انہوں نے اس مقولے پر عمل کیا ہے اور عہدے اور رتبے کا لحاظ کیے بغیر انصاف کیا ہے۔ صدر بل کلنٹن کو عدالت میں پیش ہونا پڑا۔ ان کا وکالت کا لائسنس منسوخ کر دیا گیا۔ ان کی بیٹی چیلسیا کا ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی پر چالان ہوا اور اسے چند دن تک کمیونٹی سوشل سروس میں خدمات انجام دینی پڑی۔ لیکن خود امریکہ کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے امریکہ کے اصلی باشندوں کے ساتھ کتنا ظالمانہ سلوک کیا۔ سیاہ فام لوگوں کا کئی پیشوں اور ہوٹلوں تک میں داخلہ ممنوع تھا، ابتدائی دنوں میں ہزاروں سیاہ فام باشندوں کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

یہاں سے ہم روز ویلٹ پارک کی طرف نکل گئے۔ یہ امریکی صدر تھیوڈور روز ویلٹ کے نام سے موسوم ہے جو ۱۹۳۳ سے ۱۹۴۵ء تک امریکہ کے صدر رہے۔ امریکہ نے دوسری جنگ عظیم انہی کی قیادت میں لڑی۔ ان کا ایک مقولہ ایک دیوار پر کندہ ہے، ''میں نے خون دیکھا ہے، بھوک دیکھی ہے، غربت دیکھی ہے، میں جنگ سے نفرت کرتا ہوں۔'' قریب ہی بہت سے مرد وخواتین کے مجسمے ہیں جو پھٹے پرانے، ادھورے کپڑوں میں ملبوس ایک دوسرے کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ایک قطار میں کہیں جا رہے ہیں۔ بھوک سے ان کے پیٹ پچکے ہوئے ہیں اور پسلیاں تک نظر آتی ہیں۔ نیچے صدر روز ویلٹ کا ایک قول لکھا ہے، ''ہماری ایک تہائی قوم کے پاس ڈھنگ کے کپڑے ہیں، نہ کھانے کے لیے خوراک اور نہ سر کے اوپر کوئی چھت۔'' یہ جو کچھ لکھا تھا اس کا اردو میں یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے کہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مانگ رہا ہے ہر انسان

روٹی کپڑا اور مکان

ہمیں خیال آیا کہ ہمارے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے جو نعرہ لگایا تھا اس کا بنیادی خیال انہیں یہیں سے تو نہیں آیا تھا۔

یہ دوسری جنگ عظیم کے بعد کی بات ہے۔ ساٹھ ستر سال گزرنے کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ امریکی قوم صرف خوراک کی کمی کے مسئلہ پر قابو پا سکی ہے کہ باقاعدہ کھانوں کے علاوہ الا بلا (Junk Food) کھانے میں امریکی قوم سب سے آگے ہے اور اسی لیے دنیا کی سب سے زیادہ فربہ خواتین وحضرات امریکہ میں پائے جاتے ہیں۔ انہیں وسائل تو میسر آگئے ہیں لیکن ڈھنگ کے کپڑے پہننا ان کے مقدر میں نہیں ہے۔ گرمیوں میں تو چلو کپڑوں کا مختصر ہونا سمجھ میں آتا ہے لیکن سردیوں میں بھی ان کی خواتین اونچے سکرٹ پہنتی ہیں اور ان کی ٹانگیں ننگی رہتی ہیں۔ شیطان کی کارستانیاں

معمول یہ بن گیا تھا کہ چونکہ سمیر واشنگٹن میں کام کرتے تھے وہ صبح سویرے ہمیں کہیں چھوڑ آتے اور ہم ضروری کاموں سے فارغ ہو کر واپس لوٹتے تو تنویر بھائی یا زیبی ہمیں قریبی سٹیشن پر وصول کر لیتے۔ ہفتے کا اختتام تھا۔ فرید فارغ تھے۔ وہ ہمیں واشنگٹن میں نیشنل سپیس میوزیم دکھانے لے گئے۔ یہ ایک بہت بڑا میوزیم ہے جس میں ۱۹۰۳ء میں رائٹ برادران کی جہاز بنانے کی ابتدائی کوششوں سے لے کر انسان کے چاند پر اترنے (۱۹۶۹ء) تک بلکہ بعد میں دوسرے سیاروں تک مہم جوئی کی سب داستانیں شامل ہیں۔ خلا نوردوں کے سوٹ، ان کے ہیلمٹ، خلائی شٹل جیسی ساٹھ ہزار سے زائد اشیاء میوزیم میں نمائش کے لیے رکھی گئی ہیں۔ تقریباً دو لاکھ کے قریب تصاویر اور چودہ ہزار فلمیں ہیں۔ تقریباً اسی لاکھ سیاح ہر سال اس میوزیم کو دیکھنے آتے ہیں۔ یہ سب کچھ بہت دلچسپ تھا لیکن ہمارے ذہن پر اگلا سفر طاری تھا اور ہم کچھ زیادہ دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ ہماری بیزاری فرید سے چھپی نہ رہ سکی اور وہ ہمیں لے کر لوٹ آئے۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے دن وہ سب گھر والوں سمیت ہمیں لے کر شیننڈ واہ (Shanandoha) وادی دکھانے لے گئے۔ مغربی ورجینیا میں واقع یہ ایک زبردست سرسبز وشاداب وادی ہے۔ موسم خزاں کی وجہ سے پتے جھڑ رہے تھے اور چاروں طرف رنگوں کی ایک بہار آئی ہوئی تھی۔ امریکہ کی خانہ جنگی کے دوران یہاں بھی ایک جنگ لڑی گئی تھی جس میں اتحادی فوج کے ایک جنرل، جنرل فلپ ایک سیاہ گھوڑی پر سوار تھے جس کا نام روزینی تھا۔ یہ جنگ اتحادی فوجوں نے جیت لی تھی۔ اس کے بعد اس گھوڑی کو بھی محفوظ کر لیا گیا اور آج کل یہ امریکی تاریخ کے ایک عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

واپسی میں فرید نے ایک جگہ سے پٹرول ڈلوایا تو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ امریکہ کے مختلف شہروں میں پٹرول کی قیمت مختلف ہے۔ سینے زئے میں یہ ایک ڈالر ستاسی سینٹ فی گیلن تھا۔ واشنگٹن میں تقریباً سوا ڈالر فی گیلن لیکن ورجینیا کے کچھ حصوں میں صرف تہتر سینٹ فی گیلن۔ پتہ چلا کہ اگر کوئی تیل صاف کرنے والی کمپنی (Refinesy) قریب ہو اور تیل کی بار برداری پر اخراجات کم آئیں تو اس کی قیمت کم ہی رکھی جاتی ہے۔ اور فائدہ صارفین کو ہوتا ہے۔ تہتر سینٹ فی گیلن کا مطلب ہوا تقریباً پندرہ سولہ روپے فی لیٹر کہ اس وقت ڈالر ستر روپے کا ایک تھا۔ گویا پٹرول سستا تھا، پارکنگ مہنگی، واشنگٹن اور نیویارک میں کہیں کہیں پارکنگ کا کرایہ ایک ڈالر فی گھنٹہ تھا۔ فٹ پاتھ کے کنارے مشینیں لگی ہوتی ہیں جن سے ٹکٹ خرید کر سکرین پر لگانا پڑتا ہے۔ ایک منٹ بھی اوپر ہو جائے تو کسی نہ کسی کمپنی کا کارندہ دیکھ لیتا ہے اور جرمانے کی سلپ لگا کر چلا جاتا ہے۔ کسی دفتر میں کام ہو تو دل گاڑی ہی میں اٹکا رہتا ہے کہ کہیں ٹائم اوور نہ ہو جائے۔

واشنگٹن اور ورجینیا کی کافی سیر کر لی تھی۔ برطانیہ اور مصر کے ویزے لگ چکے تھے تو ہم نے اگلی منزل کی جانب روانگی کا فیصلہ کیا۔

واشنگٹن سے لندن:

واشنگٹن ایئرپورٹ پر ہم امریکہ کی فضائی کمپنی یونائٹڈ ایئرلائنز کے کاؤنٹر پر بورڈنگ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کارڈ لینے کھڑے تھے۔ میڈیم سائز کا ایک سوٹ کیس وزن کرنے والی مشین پر دھرا تھا اور ایک مختصر سا بیگ جس میں ایک چھوٹا ویڈیو اور ایک سٹل کیمرہ تھا، کاندھے پر لٹک رہا تھا۔ امریکی فضائی کمپنی کا ایک سیاہ فام اہلکار ہم سے سوال جواب کر رہا تھا:

کہاں جا رہے ہو؟

میری ٹکٹ کچھ نہیں بتاتی آپ کو؟

اس نے بغور ٹکٹ کا جائزہ لیا، پھر پوچھا:

''کہاں سے خریدی ہے یہ ٹکٹ؟''

ہم نے ٹریول ایجنٹ کا نام بتایا۔

''کس کے پاس جا رہے ہیں لندن میں؟

''ایک دوست کے پاس۔''

''کیا نام ہے ان کا؟''

''سکندر۔''

''کیا کرتے ہیں وہ؟''

''ایک جنرل سٹور ہے ان کا۔''

''کس جگہ پر؟''

''پیڈنگٹن سٹریٹ پر۔''

''آپ ان کے پاس ٹھہریں گے؟''

''ظاہر ہے۔''

''آپ ان کے لیے کوئی تحفے وغیرہ نہیں لے جا رہے؟''

''نہیں۔ مجھے دینے ہوئے تو وہیں سے لے کر دوں گا۔ یہاں سے کیوں اٹھائے پھروں۔ لیکن یہ کیسے سوال جواب کر رہے ہیں آپ؟ آپ فضائی کمپنی کے اہلکار ہو یا سی آئی اے کے نمائندے؟'' ہم نے احتجاج کیا۔

SULEMANI.COM.PK

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

''یہ آپ کے لیے بہتر نہیں ہے کہ سی آئی اے کے کسی اہلکار کی بجائے میرے سوالوں کے جواب دیتے رہیں۔''

''لیکن مجھے آپ کے سوالوں کی نوعیت نہیں سمجھ آ رہی۔ فضائی کمپنی کے لوگ عام طور پر ایسے سوال نہیں کرتے۔''

''فضائی کمپنیوں کو عام طور پر آپ جیسے مسافر بھی تو نہیں ملتے۔''

''کیا مطلب؟ مجھ میں ایسی کیا خاص بات دیکھ لی آپ نے۔ کس بات نے آپ کو شک میں مبتلا کیا ہے؟''

سیاہ فام اہلکار نے وزن کرنے والے مشین کے میٹر کی طرف اشارہ کیا۔ ہمارے سوٹ کیس کا وزن بمشکل بارہ تیرہ کلوگرام ہوگا جب کہ دستی سامان کے علاوہ ہمیں تیس کلوگرام وزن لے جانے کی اجازت تھی۔

اہلکار۔ بولا ''عام طور پر بین الاقوامی پروازوں کے مسافروں کے پاس وزن زیادہ ہوتا ہے۔ وہ اضافی سامان کا کرایہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور ہماری ان سے تو تکار ہوتی رہتی ہے۔ آپ کیسے بین الاقوامی پرواز کے مسافر ہیں کہ وزن نہ ہونے کے برابر ہے۔''

تب ہم نے اپنے پاسپورٹ پر مصر اور اردن کے ویزے اسے دکھائے اور بتایا کہ ہم ایک تحقیقاتی مقالے کی خاطر مطالعاتی سفر پر ہیں۔ منزلیں دور ہیں اور سفر طویل۔ ایسے سفر میں ہمارے نزدیک سوائے قلم اور کاغذ کے باقی سب چیزیں اضافی سامان (Excess Baggage) میں شمار ہوتی ہیں۔''

''اوہ پروفیسر؟''

''یس''۔ وہ فوراً اپنی نشست سے کھڑا ہوگیا اور فوجی انداز میں سلیوٹ کیا۔ شاید سابق فوجی تھا۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ شیو کرنے کے لیے بلیڈ دو پرتوں (Rapers) میں ہوتا ہے نا۔

''بالکل''

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ہمارے نزدیک اس کی ایک پرت پھینک دینی چاہیے کہ وہ اضافی سامان بن جاتی ہے۔ بلیڈ کو ایک ہی ریپر میں رکھنا کافی ہوتا ہے۔''

اس نے مسکراتے ہوئے مٹھی بند کر کے انگوٹھا اٹھا کر ہمارے خیال کی تائید کی۔ سوال وجواب پر معذرت کی اور بورڈنگ کارڈ تھماتے ہوئے خوشگوار سفر کی تمناؤں کا اظہار کیا۔

فرمائش کے بغیر ہی اس نے ہمیں ایک ایسی نشست دی تھی جو نہ صرف کھڑکی کے قریب تھی بلکہ جہاز میں ہنگامی اخراج کے دروازے کے پاس تھی اور ہمارے سامنے کافی جگہ کشادہ تھی۔ سفر طویل ہو تو ایسی نشست کسی نعمت سے کم نہیں ہوتی کہ ٹانگیں پسارنے، پھیلانے کا موقع مل جاتا ہے جبکہ عام نشستوں میں ایک ہی پہلو پر بیٹھے بیٹھے انسان اکتا جاتا ہے اور تھکن بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ہم ابھی اپنی قسمت پر ناز ہی کر رہے تھے کہ ہمارے پہلو میں بیٹھے ایک انگریز نے ہمیں مخاطب فرمایا اور جہاز کی کچھ خالی نشستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم ان میں سے کسی نشست پر چلے جائیں تو زیادہ آرام دہ محسوس کریں گے۔ چشم زون میں ہمیں خیال آیا کہ اسے کسی کالے کی قربت گوارا نہ تھی اور وہ ہم سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ ہم نے نرمی سے جواب دیا کہ ہم جہاں بیٹھے تھے، وہاں بالکل مطمئن اور آرام دہ تھے۔ اسے کوئی مسئلہ ہے تو وہ کسی اور نشست پر تشریف لے جائے۔ اس کے بعد برطانیہ اور پاکستان کے تعلقات کشیدہ ہی رہے۔ جلتی پر تیل کا کام یوں ہوا کہ تین چار گھنٹے بعد جب لوگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے اکڑنے لگے تو کچھ لوگوں نے اٹھ کر نشستوں کے درمیانی راستے پر چلنا پھرنا شروع کر دیا۔ ایک صحت مند سیاہ فام خاتون ہماری نشستوں کے سامنے کشادہ جگہ میں تشریف لائی، جوتے اتارے اور ورزش کرنی شروع کر دی۔ ہاتھ کمر پر رکھے کبھی دائیں مڑتی، کبھی بائیں۔ کبھی آگے جھک کر پیروں کو چھوتی، کبھی بازو ہوا میں بلند کرتی، انگریز کی حالت دیدنی تھی۔ وہ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا اور اس سے نظریں ہٹا کر ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن جہاز میں حد نظر محدود تھی اور ورزش کرتی ہوئی لڑکی اتنی قریب تھی کہ وہ اپنے پاؤں چھونے کے لیے جھکتی تو اس کی سانسوں کی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھنکاریں چہرے پر محسوس ہوتی تھیں، ایک دفعہ ہماری نظریں ملیں تو انگوٹھے کے اشارے سے ہم نے اسے داد دی۔ وہ مسکرائی اور بولی، ''آؤ میرے ساتھ شریک ہو جاؤ ورزش میں۔''

''نہیں۔ شکریہ میری نشست بڑی آرام دہ ہے اور میں تھکن محسوس نہیں کر رہا۔''

انگریز نے کھا جانے والی نظروں سے ہمیں دیکھا اور پھر اٹھ کر کسی اور نشست کی طرف چلا گیا۔

جب ہم لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ پر اترے تو شام ہونے کو تھی۔ سکندر زیدی نے کہا تھا کہ وہ ہمیں لینے آئیں گے لیکن ان کا دور دور پتہ نہ تھا۔ انہوں نے شاید سوچا ہوگا کہ ہمیں سامان لینے اور امیگریشن کے مراحل سے گزرنے میں گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ تو لگے گا لیکن اتفاقاً رش کم تھا اور ہم چند منٹوں ہی میں ان تمام مراحل سے فارغ ہو گئے تھے۔ دائیں بائیں نظریں دوڑائیں، پارکنگ میں بھی جا کر دیکھا۔ بالآخر ان کی اہلیہ یاسمین کی آواز سنائی دی جنہوں نے ہمیں پکارا تھا۔ جان میں جان آئی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد ہم گھر پہنچے۔ راستے میں، ہم نے سکندر سے کہا کہ یہ سڑکیں، پاکستان کی سی کیوں لگ رہی ہیں۔ سکندر نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ کسی اور نے بھی یہ تاثر بیان کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لندن کی سڑکیں پاکستان کی طرح تنگ ہیں لیکن چونکہ ٹریفک قوانین کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے اس لیے ٹریفک جام نہیں ہوتی۔

دوسرے دن سکندر نے ہمیں عارف صاحب کے حوالے کیا جو ایک ٹیکسی چلاتے ہیں اور اسلامک فاؤنڈیشن کے مقامی صدر ہیں۔ انہوں نے ہمیں شہر کی خوب سیر کرائی۔ ملکہ برطانیہ کی رہائش گاہ بکنگھم پیلس بھی گئے۔ رہائشی عمارت کے چاروں طرف وسیع لان ہیں اور سبزہ زار۔ کہیں کہیں کرسیاں بھی لگی ہوئی ہیں لیکن ان کرسیوں پر بیٹھنے کا کرایہ وصول کیا جاتا ہے۔ عجیب آداب مہمان نوازی ہیں۔ ہم نے کسی کو کرسیوں پر بیٹھے نہیں دیکھا۔ جو تھک جاتا ہے، وہ سبزہ زار ہی پر لیٹ جاتا ہے۔

شام کو ہم نے ظہور نیازی کو فون کیا جو جنگ لندن کے بیورو چیف ہیں۔ انہوں نے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سات بجے آنے کو کہا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ کھانا مت کھا کر آنا۔ کسی ڈنر میں چلیں گے۔ جب ہم پہنچے تو وہ ہمیں لندن لینڈ ہوٹل لے گئے۔ پتہ چلا کہ اے آر وائی اور پرائم ٹی وی مدغم ہوگئے ہیں۔ اسی سلسلے میں تقریب تھی۔ تقریریں سنیں، کئی لوگوں سے تبادلہ خیالات ہوا اور ڈنر کے بعد ہم واپس آ گئے۔

اس سے اگلے روز بی بی سی کے اردو پروگرام کے انچارج شفیع نقی جامعی سے ملاقات طے تھی۔ ان کا تعلق کراچی سے ہے اور وہ کراچی یونیورسٹی میں سٹوڈنٹس یونین کے صدر رہ چکے ہیں۔ ہم جب شام کو بی بی سی جانے کے لیے نکلے ہیں تو سخت سردی تھی۔ تیز ہوا چل رہی تھی اور ہڈیوں میں گھسی جاتی تھی۔ ہمیں علامہ اقبال یاد آتے رہے جنھوں نے ایسی ہی سردی کے بارے میں کہا تھا۔

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی

استقبالیے پر شفیع نقی جامعی اپنے ساتھیوں انورسن رائے، اولیس توحید اور حنیف صاحب سمیت موجود تھے۔ وہ ہمیں کیفے میں لے گئے اور گرم گرم چائے سے تواضع کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے بی بی سی کے بارے میں معلومات بھی فراہم کیں۔

بی بی سی، برٹش براڈ کاسٹنگ کمپنی کا مخفف ہے۔ یہ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں قائم کی گئی تھی اور دنیا کی قدیم ترین براڈ کاسٹنگ سروس ہے۔ اہلکاروں کے لحاظ سے یہ دنیا کا دوسرا نشریاتی ادارہ ہے جس میں بیس ہزار سے زائد افراد کام کرتے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں یہ پرائیویٹ کمپنی کی بجائے پبلک سروس کارپوریشن ہوگئی اور اس کا نام برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن رکھا گیا۔ مختصر نام بی بی سی ہی رہا۔ آج کل یہاں سے اردو سمیت اٹھائیس زبانوں میں پروگرام نشر کیے جاتے ہیں اور پوری دنیا میں سنے جاتے ہیں۔

چائے کے بعد شفیع نقی جامعی ہمیں ایک سٹوڈیو میں لے گئے اور قرآنی مقامات کے جو سفر ہم کرنا چاہتے تھے، ان کے بارے میں انٹرویو کیا۔ مختصراً ہم نے بتایا: قرآنی مقامات کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سفر کا ایک مقصد یہ تھا کہ ان مقامات کی دستاویزی فلم تیار کی جائے اور لوگوں کو درس قرآن کے ساتھ ساتھ اگر یہ دستاویزی فلمیں بھی دکھائی جائیں تو ان کی دلچسپی بڑھ جائے گی۔ ہم نے دنیا کے کسی بھی موضوع پر کوئی پریزینٹیشن (Presentation) دینی ہو تو چارٹس، گرافس، سلائیڈیں، پاور پوائنٹ اور کمپیوٹر کے دیگر پروگرام استعمال کرتے ہیں۔ قرآن واحد کتاب ہے جس کے بارے میں خطاب کرتے ہوئے کوئی ٹریننگ ایڈ استعمال نہیں کی جاتی۔ قرآن میں جن مقامات کا ذکر ہے وہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر ان پر دستاویزی فلمیں بنا لی جائیں تو یہ ایک بڑی خدمت ہوگی لیکن یہ کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں۔ منصوبہ بڑا ہے اور درکار وسائل زیادہ۔ ہم نے کئی اداروں کے سربراہوں سے بات کی ہے۔ کوئی اس کی افادیت سے انکار نہیں کرتا لیکن عملی قدم اٹھانے سے ہچکچاتے ہیں۔ سو ہم نے فیصلہ کیا کہ اپنی انفرادی حیثیت ہی میں جو کچھ کر سکتے ہیں، وہ تو کر گزریں، کل کو شاید کسی ادارے یا صاحب ثروت کو اس کا خیال آئے تو یہ منصوبہ مکمل ہو سکے گا۔

اختتام پر انہوں نے بتایا کہ انہوں نے دس منٹ کی اجازت لی تھی لیکن انٹرویو پچیس منٹ کا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انٹرویو میں کی گئی تمام باتیں دلچسپ اور معلومات سے بھر پور ہیں اور اسے ایڈٹ نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے باس سے بات کریں گے کہ اس انٹرویو کو اسی طرح نشر کیا جائے۔ بعد میں انہوں نے فون پر بتایا کہ اجازت مل گئی ہے اور پورا انٹرویو ہی نشر ہوگا لیکن دو دنوں میں۔

لندن کی سیر مادام تساد میوزیم دیکھے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ سو ایک شام ہم بیکر سٹریٹ پر واقع یہ میوزیم دیکھنے گئے۔ مادام تساد کا پورا نام این میری تساد تھا۔ وہ فرانس میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد کا ان کی پیدائش سے دو مہینے قبل ہی انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی والدہ انہیں لے کر کسی اور شہر چلی گئیں۔ بڑے ہو کر تساد نے ڈاکٹر فلپس کرٹیس کے ساتھ کام کیا جو موی مجسمے بنایا کرتے تھے۔ مادام تساد انہیں "انکل" کہہ کر پکارتی تھیں۔ موی مجسمے بنانے کا فن انہوں نے ڈاکٹر فلپس کرٹیس ہی سے سیکھا۔ وہ بیالیس سال کی تھیں جب وہ لندن آئیں۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں انہوں نے اس میوزیم کی بنیاد رکھی جو اب لندن میں سب سے زیادہ دیکھے جانے والا میوزیم ہے۔ اس میں اہم شخصیتوں کے مجسمے شامل ہیں جن میں شاہی خاندان کے افراد بھی شامل ہیں اور دنیا کے بڑے بڑے رہنما بھی۔ پاکستان سے محترمہ فاطمہ جناح، قائداعظم محمد علی جناح اور بے نظیر بھٹو کے مجسمے شامل ہیں۔ بھارت سے مہاتما گاندھی، اندرا گاندھی، ان کے اداکاروں اور اداکاراؤں کے مجسمے بنائے گئے ہیں۔ یہ مجسمے اتنی مہارت سے بنائے گئے ہیں کہ ایسا لگتا ہے، ابھی بولنے لگیں گے۔ سارے مجسمے کسی ایک جگہ پر نہیں ہیں بلکہ مختلف مقامات پر ایستادہ ہیں۔ ان کے علاوہ عام اہلکاروں کے مجسمے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان حیرتوں میں گم ہو جاتا ہے۔ ان مجسموں کی جگہیں بدلتی رہتی ہیں اور کچھ عرصے بعد دوبارہ آئیں تو دلچسپی کم نہیں ہوتی۔ مثلاً جب ہم میوزیم میں داخل ہوئے تو ایک اہلکار داخلی دروازے پر کھڑا تھا اور ہاتھ بڑھا کر ہمارا ٹکٹ چیک کرنا چاہتا تھا۔ ہم ٹکٹ اس کی طرف بڑھا کر منتظر رہے کہ وہ ٹکٹ دیکھ کر ہمیں آگے جانے دے۔ چند لمحوں بعد محسوس ہوا کہ وہ تو ایک مجسمہ تھا۔

میوزیم کی سیر کرتے ہوئے دل میں شدت سے یہ خواہش اٹھی کہ اپنی اہلیہ کو یہاں ضرور لائیں گے۔ وہ ایک سیدھی سادی خاتون ہیں اور ہمیں یقین تھا کہ وہ میوزیم سے خوب لطف اندوز ہوں گی۔ دو تین سالوں بعد یہ خواہش پوری ہوئی اور نئی نئی حیرتوں کے تجربے ہوئے مثلاً میوزیم کی سیر کرتے ہوئے ہم آگے نکل گئے۔ اہلیہ پیچھے رہ گئیں۔ ہم نے مڑ کر دیکھا تو ایک لڑکی ایک طرف جھک کر ایک خاص زاویے سے اپنے ایک ساتھی کی تصویر بنا رہی تھی اور ہماری اہلیہ منتظر کھڑی تھیں کہ وہ تصویر بنا لے تو وہ آگے بڑھیں۔ دونوں مجسمے تھے۔ ہم نے آواز دی کہ آجائیں یہ مجسمے ہیں۔ انہوں نے حیرت سے انہیں چھو کر دیکھا۔ میوزیم کے اندر ہی ایک کیفیٹیریا ہے۔ ہم چائے پینے کے لیے بیٹھے تو ہمارے قریب ہی ایک ویٹر ہاتھ میں ایک نوٹ بک لیے کھڑا تھا۔ اہلیہ نے کہا کہ اسے بتائیں نا کہ ہمیں چائے لے دیں ہم نے چھو کر بتایا کہ وہ تو ایک مجسمہ ہے۔ غرض قدم قدم پر حیرت ہوتی ہے اور بے وقوف بننے پر ہنسی آتی ہے۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مادام تساو کے میوزیم سے نکلے تو لیسٹر سکوائر چلے گئے۔ یہاں شام کو ایک میلہ سا لگا رہتا ہے۔ تین چار سینما گھر ہیں جہاں آئے دن کسی فلم کی افتتاحی تقریب ہوتی ہے اور اس فلم میں کام کرنے والے فلمی ستارے، ڈائریکٹر اور دیگر متعلقین کا جمگھٹا ہوتا ہے۔ فلمی ستاروں کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے لوگ اُمڈے پڑتے ہیں۔ میوزک بینڈ، فنون لطیفہ کے ماہرین، جادوگر، مصور اور اسی طرح کے بہت سے لوگ اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں اور لوگ حسب توفیق ان پر نوٹ یا سکے نچھاور کرتے رہتے ہیں۔

لندن میں دو تین روز گزارنے کے بعد ہم نے اجازت چاہی کہ نئی منزلوں کی جانب چلیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موسیٰ علیہ السلام کی سرزمین میں فرعونوں سے واسطہ

قاہرہ کے لیے ہماری پرواز مصری ایئرلائنز سے تھی اور زیادہ تر مسافر مصری ہی تھے۔ ہر نشست کے سامنے جو سکرین لگی ہوئی تھی، اس پر آپ کوئی فلم بھی دیکھ سکتے تھے اور اردگرد کے مناظر بھی۔ یہ بوئنگ طیارہ تھا اور اس کے اردگرد کیمرے اس طرح لگے ہوئے تھے کہ پائلٹ کو جو کچھ نظر آ رہا تھا آپ وہ بھی دیکھ سکتے تھے اور بٹن دبا کر جہاز کے نیچے کے مناظر اور بغلی مناظر بھی۔ مسافروں کی تعداد بہت کم تھی۔ فضائی میزبانوں نے خوب خاطر تواضع کی۔ جب ہم قاہرہ ائیرپورٹ پر اترے تو رات کے پونے نو بجے تھے۔ جہاز سے بسوں کے ذریعے مسافروں کو پسنجر لاؤنج کی طرف لایا گیا۔ اس لاؤنج کے باہر گیٹ کا ایک بڑا سا بورڈ لکھا ہوا تھا جس پر کسی نے ہاتھ سے لکھا تھا: (ادخلوا فی مصر ان شاء اللّٰہ آمین) ''مصر میں ان شاء اللہ امن سے داخل ہو جاؤ۔'' یہ قرآن کی ایک آیت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے۔ جب انہوں نے اپنے سارے گھر والوں کو کنعان (فلسطین) سے مصر بلا لیا تھا تو شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا تھا اور مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ انہیں شہر میں داخل ہونے کے لیے کہا تھا۔ ہمیں خیال آیا کہ مصر واحد ملک ہے جس کا نام لے کر قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ بورڈ بڑی مناسب جگہ پر حسب موقع اور برمحل لگا ہوا تھا۔ لیکن ہماری ساری خوشی عارضی ثابت ہوئی کہ ایئرپورٹ کے باہر حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر تھا نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ ہر طرف فرعون ہی کے مجسمے تھے۔ اس کی تفصیل بعد میں۔

امیگریشن میں جب ہماری باری آئی تو انہوں نے ہمیں الگ نکال لیا اور ایک اہلکار

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارا پاسپورٹ لے کر کہیں غائب ہوگیا۔ جب کافی دیر گذر گئی تو ہم نے کسی اہلکار سے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ اس نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ پاکستان کا نام سن کر اس نے بتایا کہ پاکستانیوں کے پاسپورٹ خصوصی طور پر زیادہ توجہ سے چیک کیے جاتے ہیں۔ امریکہ یا برطانیہ میں تو ہم سے یہ سلوک نہیں ہوا۔ ایک برادر اسلامی ملک میں اس خصوصی سلوک کی کوئی وجہ ہمیں سمجھ میں نہیں آئی۔ کافی دیر کے بعد وہ اہلکار واپس آیا اور اس نے خوشخبری سنائی کہ سب کچھ ٹھیک ہے آپ جا سکتے ہیں۔ سامان لے کر گزرنے لگے تو ایک کاؤنٹر پر ایک اہلکار نے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو آپ ڈیکلیئر کرنا چاہیں۔ ہم نے بتایا کہ نہیں ایسی کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔ معمول کے کپڑے ہیں اور سٹیشنری وغیرہ۔ اس نے ہمارے کاندھے پر لٹکے ہوئے، بیگ کی طرف اشارہ کیا کہ اسے کھول کر دکھائیں۔ ہم نے زپ کھول دی۔ اہلکار نے بڑی فاتحانہ مسکراہٹ سے کہا

''اور یہ کیمرہ؟''

''تو؟''

''اسے ڈیکلیئر کرنا پڑتا ہے۔'' اس نے کیمرہ نکال کر اس کے کوائف ایک کمپیوٹر میں درج کیے اور ہمارے پاسپورٹ پر ایک مہر لگائی جس پر لکھا تھا کہ حامل پاسپورٹ ہذا کے ہمراہ ایک عدد ویڈیو کیمرہ ہے اور اس کا یہ نمبر ہے۔ ہمارے علم کی حد تک دنیا میں کہیں بھی کیمروں سے یہ ''امتیازی'' سلوک نہیں کیا جاتا۔

ان مراحل سے فارغ ہو کر باہر کی طرف ایک ہال میں آئے تو نوجوان لڑکوں کا ایک غول کا غول ہماری طرف لپکا اور ہمارے بیگ کے لیے چھینا جھپٹی کرنے لگے۔ جو بیگ چھیننے میں کامیاب ہوگیا اس نے فاتحانہ نظروں سے دوسرے لڑکوں کی طرف دیکھا اور ہمارے پاس آ کر بولا ''تفضل'' (چلیں)۔ جیسے ہم نے پہلے ذکر کیا ایک تو ہمارا بیگ ہلکا پھلکا تھا دوسرے اس میں پہیے بھی لگے ہوئے تھے۔ ہمیں کسی مدد کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ بیگ چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ اس ہال کے ایک کمرے میں لوگ عشاء کی نماز

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باجماعت ادا کر رہے تھے۔ ہم نے اسے کہا کہ ہمیں نماز پڑھ لینے دو۔ ہم نے بیگ سامنے رکھا اور نماز ادا کی۔ اس دوران وہ لڑکے حصار باندھے ایسے کھڑے رہے گویا ہم کوئی قیدی ہیں، کہیں بھاگ نہ نکلیں۔ نماز کے بعد اس نے پھر ہمارے بیگ پر قبضہ کر لیا۔ بے بس ہو کر ہم باہر کی طرف چلے۔ ایک دیرینہ دوست ہمارے منتظر تھے۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئیجز میں عربی پڑھتے ہوئے ہم کلاس فیلو رہے تھے۔ ہم نے بیگ ڈگی میں رکھا اور اس لڑکے کو دس مصری پاؤنڈ ادا کیے۔ اس نے منہ بسورتے ہوئے لے لیے لیکن کچھ فرمایا بھی۔ ہمارے میزبان نے اسے ڈانٹ پلائی تب ہماری جان چھوٹی۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے انہوں نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا۔ ہم نے بتایا کہ قرآنی مقامات کے بارے میں ایک ریسرچ پراجیکٹ پر کام کر رہے ہیں، یہاں طور سینا اور دیگر مقامات دیکھنے ہیں۔ بولے:

''اوہو! آپ کو بتا کر آنا چاہیے تھا۔''

بتا کر تو آئے ہیں۔ تبھی تو آپ ہمیں ائیرپورٹ پر لینے آئے ہیں۔''

''نہیں۔ کچھ دن پہلے بتانا چاہیے تھا۔''

ہمیں کرنل آغا بہت یاد آئے۔ ایک دفعہ بہاولپور جاتے ہوئے ملتان میں ہم ان سے ملنے چلے گئے۔ انہوں نے کہا کہ رات یہیں رک جاؤ۔ ہم نے کہا کہ ہم بتا کر نہیں آئے، آپ کو زحمت ہوگی۔ انہوں نے ڈانٹ کر کہا تھا ''تم بتا کر آتے تو میں نے تمہارے لیے محل کھڑے کرنے تھے؟ چلو جاؤ اتارو سامان۔'' کتنی اپنائیت تھی اس ڈانٹ میں۔

گھر پہنچے تو پتہ چلا کہ ہمارے میزبان کے اہل خانہ پاکستان گئے ہوئے ہیں اور پورا گھر خالی پڑا ہے۔ صبح ان کے ہاتھوں تیار کردہ ناشتہ کر کے ان کے ساتھ سفارت خانے گئے۔ انہیں بتایا کہ ہم نے سوڈان بھی جانا ہے، ایک تو سفارت خانہ کا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے ویزہ لگوا دیں دوسرے ہمیں کرنسی تبدیل کروانی ہے، مصری پاؤنڈ خریدنے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ویزے کے بارے میں فکر نہ کریں۔ لگ جائے گا۔ کرنسی تبدیل کروا لائیں۔ انہوں نے سفارت خانے کا ایک ملازم عبداللہ ہمارے ساتھ کر دیا۔ وہ ہمیں میدان

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رعمسس لے گیا جو قاہرہ کا مرکزی مقام ہے۔ بڑے بڑے بینکوں کے ہیڈ کوارٹر، حکومتی ادارے کمرشل پلازے یہیں واقع ہیں۔ میٹرو بس یہیں سے چلتی ہے۔ رعمسس اسی فرعون کا نام ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جھگڑا چلتا رہا اور جو بعد میں سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہوا۔ ہمیں حیرت ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام سے کوئی عمارت، نہ سڑک نہ کوئی اور یادگار۔ ہر طرف فرعونوں کے مجسمے تھے۔ کرنسی تبدیل کروا کے ہم قومی عجائب گھر دیکھنے گئے۔ بیس پاؤنڈ کی ٹکٹ تھی۔ عبداللہ نے ہمارے پیسے بچانے کی خاطر پیشکش کی وہ باہر ہی ٹھہرا رہے گا۔ لیکن ہم نے اصرار کر کے اسے ساتھ لے لیا۔ جب داخل ہونے لگے تو گیٹ پر متعین ایک اہلکار نے ہمارے کیمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ اس کا ٹکٹ کدھر ہے؟

''کیمرے کا ٹکٹ؟''

''جی! کیمرے کا ٹکٹ۔''

ہم نے حیرت کا اظہار کیا تو اس نے پوچھا'' آپ نے میوزیم دیکھنے کا ٹکٹ لیا ہے نا؟''

''جی۔ بالکل''

''تو یہ کیمرہ بھی تو دیکھتا ہے نا'' اس نے دلیل پیش کی۔

''اچھا دیکھو ہم تو دو آنکھوں سے دیکھتے ہیں، ہمارا ٹکٹ بیس پاؤنڈ کا ہے لیکن کیمرہ تو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے، اس کی ٹکٹ دس پاؤنڈ ہونی چاہیے۔''

ہم نے اپنی طرف سے زبردست دلیل پیش کی لیکن اکارت گئی۔ کیمرے کی ٹکٹ سو پاؤنڈ تھی، خریدنی پڑی۔

لیکن ہمارے یہ سو پاؤنڈ بھی ضائع ہو گئے۔ جب ہم اس گیلری میں پہنچے جہاں رعمسیس اور دیگر فراعین کی ممیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کا نام ہی رائل گیلری تھا۔ پتہ چلا کہ اس گیلری میں داخلے کے لیے الگ سے ٹکٹ خریدنی پڑے گی جو چالیس پاؤنڈ فی کس تھی۔ عبداللہ نے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لڑ جھگڑ کر بیس پاؤنڈ میں ٹکٹ دلوا دی اور خود باہر ہی ٹھہر گیا۔ لیکن کیمرہ لے جانے کی اجازت نہیں ملی۔ ہم اکیلے ہی اندر گئے اور شاہی خاندان کے بہت سے افراد کی ممیاں دیکھ کر باہر نکل آئے۔ وہ رعمسیس جو خدائی کا دعویدار تھا اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوئی بات نہ مانی، بے بسی کی تصویر بنا پڑا تھا۔ جس دن اسے سمندر میں غرق کیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم تمہارے بدن کو محفوظ کر لیں گے تا کہ آنے والے لوگوں کے لیے عبرت ہو۔

ممیوں کو محفوظ کرنا اہل مصر کا ایک فن تھا۔ پہلے وہ نعش کو حنوط کرتے تھے پھر مرنے والے کی حیثیت کے مطابق اس کا تابوت تیار کرتے تھے۔ اہل ثروت لوگوں کے تابوتوں پر سونے کا ملمع بھی چڑھایا جاتا تھا۔ کچھ تابوتوں سے گندم کے دانے، کھانے پینے کی خشک اشیاء اور برتن بھی برآمد ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل مصر میں دوسری زندگی کا تصور موجود تھا اور وہ کھانے پینے کی اشیاء اس لیے تابوت میں رکھتے تھے کہ دوبارہ زندہ ہونے پر فوری طور پر کھانے پینے کو کچھ مل جائے۔

فرعون کے دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی جو حالت تھی، وہ بھی مختلف مجسموں کی شکل میں ظاہر کی گئی تھی کہ وہ مختصر کپڑوں میں ملبوس مختلف کام کرتے دکھائے گئے ہیں۔ میوزیم کے بعد ہم بس سٹینڈ پر گئے اور پوچھا کہ طور سینا کے لیے بس کہاں سے اور کب چلتی ہے۔ زیادہ تر لوگ لاعلم تھے بالآخر کسی نے بتایا کہ بسیں سافٹ کا ترائن کے لیے چلتی ہیں۔ جبل موسیٰ اس کے پاس ہی ہے۔

سینٹ کیتھرائن مصر کے شمال میں واقع سکندریہ میں ۲۸۷ء میں پیدا ہوئی۔ اس کا والد سکندریہ کا گورنر تھا اور لادین تھا لیکن کیتھرائن نے چودہ سال کی عمر میں عیسائیت قبول کر لی اور عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس کی بھولی بھالی صورت اور معصومیت سے لوگ متاثر ہوتے تھے۔ سینکڑوں لوگوں نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس وقت کے لادین بادشاہ میگزینٹیس (Maxintius) کو پتہ چلا تو اس نے اسے قید کروا دیا۔ وہ قید میں تھی تو دوسو کے قریب لوگوں نے اس سے ملاقات کی جس میں بادشاہ کی بیوی بھی شامل تھی۔ بادشاہ نے سب کو قتل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کروا دیا۔ پھر اس نے پچاس دانشور بلوائے اور کیتھرائن سے مباحثہ کروایا لیکن وہ بری طرح ناکام رہے۔ تب میگزینیٹس نے اسے نرمی اور پیار سے پھسلانا چاہا اور شادی کی پیشکش کی لیکن کیتھرائن نے یہ تجویز مسترد کر دی اور کہا کہ وہ خود کو یسوع مسیح کی دلہن کے طور پر وقف کر چکی ہے۔ اس جواب سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک عیسائیت کی تعلیمات مسخ ہو چکی تھیں۔ قرآن میں مذکور ہے ''رہبانیت کو تو انہوں نے خود ہی ایجاد کیا تھا۔ ہم نے تو ان پر کچھ فرض نہیں کیا تھا سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی رضا تلاش کریں تو انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا۔'' (سورۃ الحدید: ۲۷)

بہر حال سینٹ کیتھرائن عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف رہی۔ میگزینیٹس نے اسے قتل کروا دیا۔ روایات یہ کہتی ہیں کہ فرشتے اس کی میت سکندریہ سے اٹھا کر طور سینا میں لے گئے۔ کچھ روایات یہ کہتی ہیں کہ وہ قید سے نکل بھاگی تھی اور جبل سینا کے اردگرد تبلیغ میں مصروف تھی کہ ایک دن وہ پراسرار طور پر مردہ پائی گئی۔ اسے وہیں دفن کر دیا گیا۔ چھٹی صدی میں شاہ جسٹینین (Justinian) نے موجودہ خانقاہ تعمیر کروائی۔ عیسائیت میں سینٹ کیتھرائن کا بڑا مقام رہا ہے یورپ کی عیسائی دنیا ۲۵ نومبر اور روس میں ۲۶ نومبر کو اس کا دن منایا جاتا رہا ہے۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ جھاڑی جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روشنی نظر آئی تھی یا آگ جلتی دکھائی دی تھی اور جو جلتی ہوئی جھاڑی (Burning Bush) کے نام سے مشہور ہے۔ سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ کے اندر ہی واقع ہے۔

ہم نے ۳۷ پاؤنڈ میں سینٹ کاترائن کی بکنگ کروائی اور واپس آ گئے۔ ہمارے میزبان نے بتایا کہ انہوں نے سینٹ کاترائن کے ایک ہوٹل میں ہماری بکنگ کروا دی ہے۔ ایک رات کا کرایہ ۱۷۰ پاؤنڈ ہوگا۔ مغرب کا وقت تھا جب ہم ان کے دفتر سے گھر آئے۔ اسی رات رمضان کا چاند نظر آ گیا۔ ہم نے قریبی مسجد میں جا کر نماز عشاء اور تراویح ادا کی۔ رات کو آنکھ نہیں کھلی اور ہمیں بغیر سحری کے روزہ رکھنا پڑا۔

جمعے کا دن تھا، ہمارے میزبان کی چھٹی تھی۔ ہم تیار ہو کر باہر آئے تو پتہ چلا کہ انہوں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے ڈرائیور کو بھی چھٹی دے دی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ بڑی دوز سے آ تا ہے اس لیے اسے زحمت نہیں دی۔ ایک ٹیکسی لی اور میدان رعمسیس پہنچ گئے۔ بس نے ساڑھے دس بجے روانہ ہونا تھا۔ ایک تو وہ دیر سے روانہ ہوئی، دوسرے وہ شہر سے نکلنے سے پہلے سواریوں کی تلاش میں ایک دو اور اڈوں پر بھی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ہم قاہرہ سے سویز پہنچے تو جمعے کا وقت ہو چکا تھا۔ سویز کا شہر نہر سویز کے جنوب میں واقع ہے اور سینٹ کا ترائن کی سڑک سمندر کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ جمعے کا دن تھا۔ ہم نے سوچا کہ کیوں نہ نماز جماعت سے ادا کر لی جائے۔ کنڈکٹر نے بتایا کہ ہم یہاں کچھ دیر رکیں گے، آپ نماز پڑھ آئیں۔ ہم پوچھتے پچھاتے ایک مسجد پہنچے لیکن ہمارے پہنچنے تک نماز ختم ہو چکی تھی۔ اور لوگ باہر نکل رہے تھے۔ ہم نے جوتے مسجد کے باہر اتارے اور اندر جا کر نماز ادا کرنے لگے۔ سلام جو پھیرا تو ایک ادھیڑ عمر کا شخص ہمارے جوتے گود میں لیے بیٹھا تھا، اس نے پوچھا: ''یہ آپ کے جوتے ہیں؟''

''ہاں، کیوں؟''

''باہر کیوں چھوڑ آئے تھے؟''

''کیا جوتے پہن کر اندر آ جاتا۔''

''نہیں ساتھ لانے چاہئیں تھے۔ یہاں چور بہت ہیں۔''

''کوئی حرج نہیں، ہمارے بھائی ہی ہیں۔''

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ بولا: ''اللہ آپ کو برکت دے لیکن ہم اس اعزاز کے مستحق نہیں ہیں۔ چلیں آپ نماز ادا کریں، میں آپ کے جوتوں کی حفاظت کروں گا۔''

ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا، جوتے اس کے ہاتھ سے لیے اور اپنے سامنے ایک ریک میں رکھ لیے۔

نماز پڑھ کر واپس آئے تو بس چلنے کو تیار تھی۔ جس بات کا ہمیں اندازہ نہیں ہو سکا وہ یہ تھی کہ سویز واحد جگہ تھی جہاں ایک بارونق بازار تھا۔ یہاں سے بس چلی تو دائیں جانب

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمندر تھا اور بائیں جانب صحرا۔ چھوٹی موٹی آبادیاں آتی تھیں لیکن سڑک سے دور۔ ہماری دائیں جانب ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ اس نے خود ہی اپنا تعارف کروایا، بکر نام تھا اس کا اور وہ سینٹ کاترائن کے ایک سکول میں عربی پڑھاتا تھا۔ اسے جب ہم نے بتایا کہ ہم انگریزی میں ایم اے کیے ہوئے ہیں تو بڑا خوش ہوا۔ بولا کہ اسے انگریزی سیکھنے کا بڑا شوق ہے لیکن مشکل لگتی ہے۔ فارسی میں ایک مقولہ ہے ''صدر ہر جا کہ نشیند، صدر است'' صدر جہاں بھی بیٹھ جائے، صدر ہی رہتا ہے۔ یہ بات استاد پر بھی صادق آتی ہے۔ استاد، استاد ہی ہوتا ہے۔ درس وتدریس کے لیے جگہ کی کوئی قید ہے نا وقت کی۔ ہم نے اسے انگریزی سیکھنے کے کچھ گر بتائے۔ بہت خوش ہوا۔ اس کا گھر سینٹ کاترائن سے کوئی پچاس کلومیٹر ادھر تھا۔ اس نے بڑا اصرار کیا کہ ہم اس کے ساتھ اتر جائیں اور رات اس کے مہمان رہیں۔ لیکن ہم نے معذرت کر لی کہ سینٹ کاترائن کے لیے صرف ایک ہی بس چلتی تھی اور اس نے عصر اور مغرب کے درمیان وہاں پہنچنا تھا، ہم اس کی دعوت قبول کر لیتے تو دوسرا پورا دن ضائع ہو جاتا۔ اس نے اترتے ہوئے زبردستی ایک شاپر ہمارے حوالے کیا جس میں کھجوریں تھیں اور کیلے۔ جب افطار کا وقت ہوا تو ڈرائیور نے بس روکی نہیں بلکہ بآواز بلند اعلان کیا کہ روزہ افطار کر لیں۔ مسافروں نے اپنے شاپر کھولے اور افطاری میں مشغول ہو گئے۔ ہم نے بکر کا دیا ہوا شاپر کھولا اور روزہ افطار کر لیا۔ کیلے بھی بڑے لذیذ تھے۔ ہمارے پیچھے ایک نوجوان جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ نو بیاہتا جوڑا ہے۔ جوان نے پہلے تو پنیر کا ایک برگر ہمارے حوالے کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کہ آپ کے پاس پانی ہے۔ ہمارے انکار پر اس نے پانی کی ایک بڑی بوتل ہمارے حوالے کر دی۔ ہم نے کہا بھی کہ وہ دو ہیں، ہم اکیلے وہ پہلے پانی پی لیں، ہم بعد میں پی لیں گے لیکن لڑکی نے کہا کہ مسلمان کا جھوٹا پانی مکروہ نہیں ہوتا۔ آپ بے فکر ہو کر پئیں۔ اسلامی اخوت کے یہ مظاہرے یورپ یا امریکہ میں نظر نہیں آتے۔

ہم جب سانت کاترائن پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ بس میں بہت کم مسافر رہ گئے تھے جو بس سے اترتے ہی تتر بتر ہو گئے۔ ہمیں ایک جرمن نظر آیا، اس سے پوچھا کہ اسے کیتھرائن

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پلازا کا کچھ پتہ ہے۔ اس نے پوچھا کیوں۔ ہم نے بتایا کہ ہماری بکنگ ہے وہاں۔ اس نے پوچھا کتنے پاؤنڈ میں۔ ہم نے جب بتایا کہ ۱۷۰ پاؤنڈ میں تو اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا کہ اتنا مہنگا ہوٹل۔ بولا میں تو کسی سستے سے ہوٹل میں جاؤں گا۔ ہم اس کے ساتھ ہو لیے۔ رات ہی گزارنی تھی، بلکہ رات کے بھی چند گھنٹے، چاروں طرف تاریکی تھی لیکن جرمن اکثر وہاں آتا رہتا تھا اور راستوں سے خوب واقف تھا۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ وہ سینٹ کیتھرائن کی زیارت کے لیے آیا ہے یا جبل موسیٰ دیکھنے تو اس نے عجیب جواب دیا۔ بولا کہ اسے پہاڑوں کی تنہائی پسند ہے۔ وہ صرف تنہائی کے لیے یہاں آتا ہے۔ دوسرے دن وہ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر کسی پہاڑ پر چڑھ جائے گا اور دو تین راتیں اوپر ہی گزارے گا اسے پہاڑوں کی رات کی تنہائی خاص طور پر پسند تھی۔

تھوڑی دیر میں ہم ایک ہوٹل پہنچ گئے۔ ''فیروز ہوٹل'' صاف ستھرا ہوٹل تھا۔ اس نے رات کے قیام کے مانگے تو کچھ زیادہ تھے لیکن ۳۰ پاؤنڈ میں مان گیا۔ رات کے کھانے میں سبزیوں کا سوپ تھا اور چکن رائس، ڈھائی بجے ایک ویٹر نے ہمیں سحری کے لیے جگا دیا۔ اس نے بتایا کہ سورج پانچ بجے کے قریب نکلتا ہے اور ان کے ہاں سحری کا وقت تین بجے تک ہے۔ ہوٹل کے نوجوان مالک خالد نے بتایا تھا کہ سیاح تورات کے ایک بجے ہی جبل موسیٰ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں لیکن ہم نے اسے بتا دیا تھا کہ ہمیں کوئی جلدی نہیں۔ ہم سحری کھا کر ہی روانہ ہوں گے۔

سحری کھا کر روانہ ہوئے تو چاروں طرف گہرا اندھیرا تھا۔ ایسی ہی تاریکی ہوگی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر جاتے ہوئے، جبل موسیٰ کے قریب سے گزرے۔ بائبل اور تلمود سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام فرعون کے گھر میں رکھا گیا تھا۔ یہ عبرانی زبان کا نہیں بلکہ قبطی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں ''میں نے اسے پانی سے نکالا''۔ قدیم مصری زبان سے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام کی یہ تخریج صحیح ثابت ہوتی ہے۔ اس زبان میں ''مو'' پانی کو کہتے تھے اور ''اوشے'' کا مطلب تھا ''بچایا ہوا'' یعنی ایسا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شخص جو پانی سے بچایا گیا ہو۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پلے بڑھے۔ ان کی جوانی کے دنوں میں وہ واقعہ پیش آیا جب اپنے کسی ہم قوم کو بچاتے ہوئے انہوں نے ایک قبطی کو گھونسہ رسید کیا اور وہ مر گیا۔ وہ جان بچا کر مصر سے چلے گئے اور مدین پہنچے۔ یہ خلیج عقبہ کے کنارے عرب اور جزیرہ نمائے سینا کے ساحل پر واقع تھا، یہاں دس سال گزارنے کے بعد وہ مصر واپس جا رہے تھے۔ جبل موسیٰ کے قریب انہیں ایک جھاڑی میں آگ جلتی نظر آئی۔ قرآن میں یوں مذکور ہے:

''جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا: ''مجھے ایک آگ سی نظر آرہی ہے۔ میں ابھی یا تو وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا کوئی انگارہ لے کر آتا ہوں تاکہ تم لوگ گرم ہوسکو۔ وہاں جو پہنچے تو ندا آئی۔ ''مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے۔ پاک ہے اللہ سب جہاں والوں کا پروردگار۔'' (سورۃ نمل: آیت ۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران ہوئے ہوں گے کہ یہ آواز کہاں سے آتی ہے۔ ارشاد ہوا:

''اے موسیٰ! یہ میں ہوں اللہ، زبردست اور دانا، اور پھینک تو ذرا اپنی لاٹھی۔ جونہی کہ موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰ! ڈرو نہیں، میرے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے۔'' (سورۃ نمل: ۱۰)

سینٹ کاترائن جانے والی سڑک پر مدھم مدھم روشنی تھی اور رہنمائی کے لیے بورڈ بھی لگے ہوئے تھے۔ ہم پہلے سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ پر پہنچے اور پھر جیسے خالد نے بتایا تھا، اس کے پہلو سے گزر کر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ کہیں غلط سمت میں تو نہیں جا رہے کہ پولیس کی ایک چوکی نظر آئی جس کے باہر ایک مدھم سا بلب ٹمٹما رہا تھا۔ ایک نوجوان سے انسپکٹر نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ کیمرہ چیک کیا، پاسپورٹ پر اس کا اندراج

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیکھا اور ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔ کچھ آگے چلے تو گھور اندھیرے میں اوپر ہمیں روشنی نظر آئی، جو کبھی جل جاتی تھی، کبھی بجھ جاتی تھی۔ ''یا اللہ! ہم نہ موسیٰ، نہ نبوت کا کوئی امکان، یہ روشنی کیسی ہے'' ہم نے کیمرے سے اس روشنی کی فلم بھی بنائی۔ فوج میں میپ ریڈنگ کے حاصل کردہ علم کے مطابق ہم نے پہاڑوں کی چوٹیوں کی مدد سے اس جگہ کی نشان دہی کی کہ اوپر جا کر دیکھتے ہیں کہ روشنی کہاں سے آ رہی تھی، وہاں پہنچے تو کچھ چکور دانہ چگ رہے تھے۔ آس پاس کوئی کٹیا نہ مکان، نہ کوئی اور عمارت۔ یہ معمہ ہی رہا کہ روشنی کا منبع کہاں تھا۔

اب صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔ سورج طلوع ہونے کو تھا۔ خالد نے بتایا تھا کہ سیاح یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عقیدت میں جبل موسیٰ دیکھنے نہیں آتے بلکہ یہاں ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ جبل موسیٰ کافی بلند ہے اور اردگرد کے پہاڑ پست تو غالباً یہ دنیا کی واحد جگہ ہے کہ آپ جبل موسیٰ پر کھڑے ہوں تو سورج آپ کو نیچے سے طلوع ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہی منظر دیکھنے اور فلمانے کے لیے سیاح یہاں آتے ہیں۔ جب سورج طلوع ہوا تو ہم جبل موسیٰ کی چوٹی سے بہت دور تھے۔ اس لیے ہم نے سورج کو اپنے مقام سے نیچے سے طلوع ہوتے تو نہیں دیکھا لیکن وہ عین ہمارے بالمقابل طلوع ہو رہا تھا۔ ہم نے فلم بنائی اور آگے چل پڑے۔ تھوڑی دیر بعد درجنوں سیاح نیچے اترتے دکھائی دیئے جو طلوع آفتاب کا منظر دیکھ کر فارغ ہو چکے تھے۔ جبل موسیٰ کافی اونچا پہاڑ ہے اوپر پہنچے تو تھکن سے جسم چور چور ہو چکا تھا۔

اس جگہ پر جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تھے، ایک چھوٹا سا چرچ بنا ہوا تھا اور ایک چھوٹی سی مسجد بھی تھی۔ چرچ بہتر حالت میں تھا لیکن مسجد بوسیدہ۔ ہم نے وہاں دو رکعت نفل پڑھے۔ ہمیں یاد آیا کہ اسی پہاڑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فرمائش کی تھی کہ وہ اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار پر کہا تھا کہ اچھا میں اپنی تجلی اس پہاڑ پر گراتا ہوں، اگر یہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہاڑ اس تجلی کو برداشت کر گیا تو کہنا۔ اللہ تعالیٰ نے تجلی گرائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ ہم نے غور کیا تو جبل موسیٰ کے ایک جانب کے پہاڑوں کے پتھر کافی حد تک ٹوٹے ہوئے تھے اور ان کا رنگ بھی باقی پہاڑوں سے مختلف تھا۔ ان پتھروں میں شفافیت زیادہ تھی۔

جبل موسیٰ سے نیچے اترنے لگے تو ایک بورڈ پر ''سلالم ویر'' لکھا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا، زیارت کی طرف جانے والی سیڑھیاں۔ ہم نے یہی راستہ اپنایا اور ایک گھنٹے میں سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ تک پہنچ گئے۔ گائیڈ سیاحوں کو سینٹ کیتھرائن کے قصے سنا رہے تھے۔ ہم نے وہ جھاڑی دیکھی جس میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ جلتی دکھائی دی تھی۔ یہ جھاڑی ابھی تک ہری بھری ہے۔ سانت کاترائن سے جب ہم ہوٹل واپس پہنچے تو جسم کا انگ انگ دکھ رہا تھا۔ ہم نے خالد سے بات کی کہ اب ہم اس جگہ جانا چاہتے ہیں جہاں سے فرعون کی لاش ملی تھی اور وہاں سے عیون موسیٰ اور پھر قاہرہ۔ اس نے ہمیں کہا کہ سو جائیں، میں کچھ بندوبست کرتا ہوں۔ اسے بھی قاہرہ گئے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا اور وہ خود بھی ہمارے ہمراہ جانے کو بے تاب تھا۔ اس وقت دس بجے تھے۔ ہم پڑ کر سو گئے۔ اس نے ایک گھنٹے بعد ہی آ کر ہمیں جگا دیا اور بتایا کہ اس نے ۶۰۰ پاؤنڈ میں ایک گاڑی کا بندوبست کر لیا ہے۔ گاڑی کے مالک محمد سے بات چیت ہوئی اور ۵۰۰ پاؤنڈ میں بات طے ہو گئی۔ ہم نے سامان سمیٹا اور گاڑی میں جا بیٹھے۔

حمام فرعون کا راستہ بحر قلزم کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف جاتا ہے۔ شرم الشیخ کی طرف۔ راستے میں شط القمر اور راس صدر کے دو مقام آئے اور ہم حمام فرعون پہنچ گئے۔ حمام ویسے تو غسل کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں لیکن جس جگہ سے فرعون کی لاش ملی تھی، جانے اس کا نام حمام فرعون کیوں رکھا گیا ہے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ یہاں فرعون غسل فرمایا کرتا تھا۔ اب یہ جگہ تفریحی مقامات میں شامل ہے اور دور دور سے لوگ وقت گزارنے یہاں آتے ہیں، جہاں سے فرعون کی لاش ملی تھی وہ ایک غار ہے جس کا دہانہ اتنا چھوٹا ہے کہ اندر داخل ہونے کے لیے جھکنا پڑتا ہے۔ البتہ اندر سے کافی کشادہ ہے اور غار دو تین سمتوں میں پھیلا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے الگ الگ کمرے ہوں۔ پہلے یہ غار بھی پانی کے اندر ہی تھا لیکن اب پانی کی سطح گر گئی ہے اور غار کے اردگرد خشکی ہے۔ ہم جب وہاں پہنچے تو دو تین بدو غار کے اندر محو استراحت تھے۔ خالد نے انہیں ڈانٹ کر باہر نکالا لیکن ہم نے خالد کو روک دیا اور بدوؤں سے بات چیت کرنے لگے۔ پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں تو انہوں نے کسی دور دراز کے کسی گاؤں کا نام بتایا۔ پوچھا کہ وہ اتنی دور کیوں آئے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ اس جگہ میں برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخر ہزاروں سال فرعون کی لاش کو اس غار میں محفوظ رکھا تو اس جگہ میں کوئی تاثیر تو ہوگی۔ جب کوئی بیمار ہوتا ہے یا اس کے جسم میں کوئی درد ہو تو وہ یہاں آ کر ایک آدھ گھنٹہ اندر جا کر لیٹ جاتا ہے تو درد رفع ہو جاتا ہے۔ یہ ہیں شیطان کی چالیں۔ ہر وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے عبرت کی نشانیاں چھوڑیں شیطان نے بھی وہاں اپنی دکان ضرور کھولی اور لوگوں کو ورغلایا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کی بجائے، کہیں اور سے مدد چاہیں۔ حالانکہ ۲۹ ویں پارے کی پہلی آیت میں صاف لکھا ہے: ''برکت والی بس وہ ایک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ساری خدائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

فرعون جب یہاں غرق ہونے لگا تھا تو پکار اٹھا تھا کہ میں موسیٰ کے رب پر ایمان لایا لیکن اس کی معافی مسترد کر دی گئی کہ جب موت کا وقت آ پہنچے تو معافی قبول نہیں ہوتی۔ اس کی مہلت تو موت کے وقت سے پہلے تک ہے۔

حمام فرعون سے ہماری اگلی منزل ''عیونِ موسیٰ'' تھی۔ عیون جمع ہے عین کی اور اس کا مطلب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چشمے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو فرعون کے چنگل سے چھڑا کر دشت سینا میں لے آئے تو یہاں پانی دستیاب نہیں تھا۔ بنی اسرائیل کے لوگ واویلا کرنے لگے کہ اس سے تو ہم فرعون کے پاس ہی اچھے تھے۔ اے موسیٰ! تو ہمیں کہاں لے آیا جہاں پینے کو پانی ہے نہ کھانے کے لیے کوئی خوراک۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ پانی کا کوئی بندوبست فرمائے۔ سورۂ بقرہ میں مذکور ہے:

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنا عصا ایک پتھر پر مارو۔ تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر گروہ نے اپنا اپنا مشرب پہچان لیا۔ (اور ہم نے کہا) اللہ کے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد مت پھیلاتے پھرو۔'' (سورہ بقرہ: ۶۰)

اب وہ پتھر تو موجود نہیں ہے جس سے چشمے پھوٹے تھے لیکن وہ حوض، تالاب اور کنویں موجود ہیں جو بنی اسرائیل کی قوم نے ان چشموں سے آنے والے پانی کو محفوظ کرنے کے لیے بنائے تھے۔ ان میں سے بھی سات کے آثار موجود ہیں اور چھوٹی چھوٹی تختیوں پر ان کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں۔

یہ تو تھا پانی کا انتظام، خوراک کے لیے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے آسمان سے من وسلویٰ نازل فرمایا۔ من دھنیے کی طرح گول گول سفید دانے تھے جو کہر کی طرح گرتے تھے اور ذائقے میں میٹھے تھے جب کہ سلویٰ بٹیر کی طرح کے پرندے تھے جو ان کی بستیوں کے اردگرد جمع ہو جاتے اور انہیں آسانی سے پکڑ لیتے تھے۔ وہ کچھ دن تو یہ کھاتے رہے پھر بولے: ''اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ پس اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمیں وہ چیزیں مہیا کرے جو زمین اگاتی ہے جیسے ساگ، ترکاری، کھیرا، ککڑی، گیہوں، لہسن، پیاز، دال وغیرہ۔'' تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''کیا ایک بہتر چیز کے بدلے تم ادنیٰ درجے کی چیزیں لینا چاہتے ہو؟'' اچھا کسی شہری آبادی میں جا کر رہو۔ جو کچھ تم مانگتے ہو، وہاں مل جائے گا۔'' (آیت ۶۰ اور ۶۱ سورۃ بقرہ)

عیونِ موسیٰ سے ہمیں واپس قاہرہ آنا تھا۔ دو دنوں کی تھکن کی وجہ سے ہم پر غنودگی طاری تھی اس لیے واپسی کا سارا سفر ہم نے پچھلی نشست پر سوتے ہوئے گزارا۔ خالد اور محمد آپس میں گپ شپ میں مصروف رہے۔ قاہرہ میں انہوں نے ہمیں میدان رعمسیس میں اتار دیا۔ وہاں سے ٹیکسی لے کر ہم اپنے میزبان کے گھر پہنچ گئے۔

اگلے روز ہم ان کے ساتھ پاکستانی سفارت خانے گئے اور انہیں سوڈان کے ویزے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قاہرہ۔میدان رعمسیس

کوہ طور جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اہرام مصر

اہرام مصر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں یاد دہانی کروائی۔ خرطوم میں ایک پتھر ہے جس کے قریب حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات ہوئی تھی۔ سورہ الکہف میں تفصیل سے اس کا ذکر ہے۔ گیارہ بجے کے قریب ہمیں انہوں نے سوڈانی سفارت خانے کے نام ایک خط دیا۔ ان کا ڈرائیور کسی کام سے کہیں جا رہا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ ہمیں سوڈانی سفارت خانے کے قریب والی فلاں سڑک پر اتار دینا۔ وہ جانے ہمیں کہاں اتار گیا کہ ہم گھوم گھوم کر تھک گئے۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد سفارت خانہ ملا۔ ویزے والی کھڑکی پر بہت سے لوگوں کا ہجوم تھا اور ایک طوفانِ بدتمیزی برپا تھا۔ ہم نے چیخ چیخ کر ان لوگوں کی دو قطاریں بنوائیں اور خود بھی ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ متعلقہ کلرک سکون سے کام کرنے لگے۔ ہمارا تیسرا نمبر تھا کہ ہماری کھڑکی میں بیٹھا کلرک بغیر کچھ کہے سنے غائب ہو گیا۔ کھڑکی پر ایک سوڈانی خاتون موجود تھی۔ وہ پہلے تو انتظار کرتی رہی پھر بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔ ہمارے آگے جو صاحب تھے وہ بھی تھوڑی دیر انتظار کے بعد رخصت ہو گئے۔ ہم کچھ دیر تو صبر کئے انتظار کرتے رہے، پھر ساتھ والے کلرک سے پوچھا:

فین ھذا الموظف؟ ”یہ افسر کہاں ہے؟“

راح ”چلا گیا۔“

یعود ام لا؟ ”واپس آئے گا یا نہیں؟“

لا اعلم ”میں نہیں جانتا۔“ اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

اس پر ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور ہم نے غصے سے کہا، تم کیوں نہیں جانتے، بلاؤ اسے۔ ابھی دو نہیں بجے اور وہ کام چھوڑ کر چلا گیا ہے، یہ لوگ خوار ہو رہے ہیں۔ ذرا خیال نہیں ان کا۔“

اس نے دیکھا کہ ایک غیر عرب آدمی فر فر عربی بول رہا ہے۔ کوئی ”شے“ ہے۔ ہمارے قریب آیا اور بولا کہ آپ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں۔ بتایا کہ پاک فوج میں افسر ہیں اور پاکستان سے آئے ہیں۔ بولا ”آپ افسر ہیں تو یہاں عام لوگوں کے ساتھ قطار

SULEMANI.COM.PK

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں کیوں کھڑے ہیں۔ آپ گیٹ پر آ ئیں۔''

ہم گیٹ پر گئے تو اس نے ہمیں اندر بلا لیا۔ پوچھا کیا مسئلہ ہے۔ بتایا کہ ویزہ مطلوب ہے۔ بتایا کہ پندرہ ایک دن لگیں گے ویزہ ملنے میں۔ ہمارے لیے قاہرہ میں ایک ایک دن گذارنا مشکل تھا۔ پوچھا کہ جلدی نہیں ہوسکتا۔ اس نے کہا کہ سنیئر افسر مان جائیں تو شاید ایک ہفتے میں مل جائے۔ اس نے ہمیں سفارت خانے کے پیچھے ایک عمارت کی طرف جانے کو کہا اور خاص طور پر تاکید کی کہ ہم استقبالیے پر پورا تعارف کروائیں۔ تیسری دنیا کا المیہ۔ میرٹ پر کام نہیں کرنا ترقی یافتہ ملکوں اور پسماندہ ملکوں کی معیشت میں ہی فرق نہیں تھا بلکہ اہلکاروں کے رویوں میں بھی فرق تھا۔

ہم پچھلی عمارت میں گئے۔ استقبالیے پر اپنا ''پورا'' تعارف کروایا۔ متعلقہ کلرک اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ وہ اپنے کیبن سے باہر آیا اور اس نے عمارت کے تیسرے فلور پر کسی کرنل محمد سے ملنے کو کہا۔ موصوف کے دفتر کے باہر جو تختی لگی ہوئی تھی، اس سے پتہ چلا کہ وہ ملٹری اتاشی ہیں۔ ہم نے ان سے انگریزی میں بات کی اور پاکستانی سفارت خانے سے جو خط لائے تھے، ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ انہوں نے لفافہ کھول کر خط نکالا۔ انٹر کام پر استقبالیے میں بات کی اور اسے سخت جھاڑ پلائی کہ ان صاحب کو میرے پاس کیوں بھیج دیا ہے۔ یہ ویزہ لینے آئے ہیں انہیں متعلقہ سیکشن میں بھیجو یا خط سفیر کے نام ہے، ان کے پاس بھیجو۔ پھر انہوں نے ہمیں مخاطب کیا اور بتایا کہ انہوں نے متعلقہ کلرک کو ہدایت کر دی ہے۔ آپ واپس استقبالیے میں جائیں۔

ہم نے شستہ عربی میں کہا ''ہم پاکستانی فوج میں اسی رینک میں فائز ہیں جو آپ کا ہے۔ آپ نے بڑی مہربانی سے کام لیا ہے اور بڑی عنایت ہے آپ کی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کو جو زحمت دی، اس پر شکر گزار ہوں۔''

وہ حیرت سے ہمیں تکتا رہا۔ ہم سلیوٹ کر کے باہر آ گئے۔ جس طرح کا رویہ اختیار کیا جا رہا تھا، اس کے پیش نظر قطعاً امکان نہیں تھا کہ ہمیں ایک ہفتے میں ویزہ مل جائے گا۔ جی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھنا ہو گیا اور ہم استقبالیے کو نظر انداز کرتے ہوئے باہر آ گئے۔ فیصلہ کیا کہ سوڈان کا پروگرام پھر کبھی سہی۔ پاکستان ہی سے ویزہ لے کر آئیں گے۔ واپس چلتے ہیں، اردن ہو آتے ہیں۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ ابھی پوری شام باقی تھی۔ سوچا اہرام مصر دیکھ آتے ہیں۔ ٹہلتے ٹہلتے ایک بس سٹاپ پر پہنچے اور وہاں بس کے منتظر ایک مصری سے پوچھا کہ اہرام مصر کے لیے بس یہیں سے جائے گی۔ اس نے پہلے تعارف حاصل کیا پھر شور مچا دیا کہ دیکھو یہ ایک پاکستانی ہے۔ اہرام مصر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی مدد کرو ہمارے اردگرد ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ مصری بھائی ہمارے پٹھان بھائیوں کی طرح بلند آواز میں بات کرنے کے عادی ہیں۔ ہر کوئی چیخ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ لڑ رہے ہیں۔ کوئی دائیں طرف اشارہ کر کے کہتا تھا کہ انہیں ادھر بھیجیں، کوئی کہتا تھا کہ گیزا تو بائیں طرف ہے، ادھر بھیجیں۔ کوئی سامنے جانے والی ایک سڑک کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ ادھر بھیجیں۔ ہم حیران "یا اللہ! یہ سب مقامی لوگ ہیں اور اہرام مصر کوئی غیر معروف جگہ بھی نہیں ہے تو اس بارے میں ان کا اتنا اختلاف کہ تین مختلف سمتوں میں بھیجنا چاہتے ہیں۔" ان کی پرشور بحث سے ہمیں اتنی بات تو سمجھ میں آ گئی تھی کہ اہرام مصر جس علاقے میں واقع ہیں، اسے گیزا کہتے ہیں اور گیزا بائیں جانب واقع ہے۔ اتنے میں ایک بس آ ئی۔ ہمارے قریب جو صاحب کھڑے ہوئے تھے انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اس بس میں جانا تھا لیکن وہ اس بس میں سوار نہیں ہو رہے ہمیں بٹھا کر بعد کی کسی بس سے جائیں گے۔ ہم نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ ہم دل کی گہرائیوں سے ان کے مشکور ہیں۔ بولے، نہیں نہیں شکریے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرنا فرض ہے۔ اور آپ تو مسافر بھی ہیں۔ آپ کی مدد کرنا تو دگنے ثواب کا باعث ہے۔"

اب جو بس آئی تو انہوں نے اشارہ کیا کہ ہم اس بس میں سوار ہو جائیں۔ ہم نے سوالیہ نظروں سے باقی لوگوں کی طرف دیکھا جن میں سے کچھ ہمیں بائیں جانب بھیجنا چاہتے تھے اور کچھ سامنے والی سڑک کی طرف لیکن وہ سب اتفاق رائے سے ہمیں اسی بس میں سوار

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونے کے لیے کہہ رہے تھے۔ حیرانی کے عالم میں، ہم سوار ہوگئے۔ جب کنڈیکٹر قریب آیا تو پیسے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ہم نے کہا ''گیزا''

انتظر شویہ . (تھوڑا انتظار کریں)

وہ پیسے لیے بغیر آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہمیں بات سمجھ آئی۔ ہم جس بس سٹاپ پر کھڑے تھے وہ میدان رَعمیسس سے تھوڑی دور ہی تھا۔ بس نے پہلے میدان رعمیسس آنا تھا جو اس کا آخری سٹاپ تھا اور کچھ دیر یہاں ٹھہر کر گیزا روانہ ہونا تھا۔ آنے جانے کے روٹ الگ تھے۔ جاتے ہوئے بس نے اس سڑک سے گزرنا تھا جدھر کچھ مصری اشارہ کر رہے تھے۔ میدانِ رعمیسس سے بس روانہ ہوئی تو کنڈیکٹر نے ہمیں گیزا کی ٹکٹ دی۔

گیزا پہنچ کر ہم بس سے اترے اور اہرام مصر کی جانب چلنا شروع کر دیا۔ ہمارے کاندھے سے لٹکا بیگ ہمارے سیاح ہونے کی چغلی کھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں یہ ہمارے لیے عذاب بن گیا۔ مصری نوجوانوں کا ایک غول کا غول ہمارے ساتھ ہو لیا۔ کوئی ہمیں گھوڑے پر بٹھانا چاہتا تھا، کوئی اونٹ پر سوار کرانا چاہتا تھا، ہر کوئی ہمیں یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ مین گیٹ بہت دور ہے۔ چلتے چلتے تھک جاؤ گے۔ ایک لڑکا اپنا اونٹ عین ہمارے سامنے لے آیا اور اسے بٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ ہم نے پہلو بچا کر آگے نکلنے کی کوشش کی تو اس نے ہمارا کیمرہ چھیننے کی کوشش کی۔ ہم نے ڈانٹ پلائی تو بولا کہ اونٹ پر رکھ دو۔ اسے اٹھائے اٹھائے تھک جاؤ گے۔

''شٹ اپ'' ہم نے ڈانٹ پلائی۔

وہ فوراً اونٹ کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے پچکارنے لگا۔ بولا ''مجھے کہا ہے، مجھے کہا ہے، تمہیں نہیں کہا۔''

پھر ہم سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''اس اونٹ کو انگریزی آتی ہے۔ دوبارہ کچھ نہ کہنا، یہ ناراض ہو جائے گا۔ بلکہ اب بھی ناراض ہے۔ تم کیمرہ اس کی گردن میں لٹکا دو اور

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خود اس پر سوار ہو جاؤ تو مان جائے گا۔"

ہیل ود ہم (Hell with him) جہنم میں جائے یہ)

اور اونٹ نے واقعی گردن موڑ کر ہماری طرف دیکھا جیسے شکایت کر رہا ہو۔ وہ چیخ وپکار کرتے رہے، ہم سنی ان سنی کرتے چلے رہے۔ جب مین گیٹ پر پہنچے تو ایک پولیس اہلکار نے بتایا کہ وقت ختم ہوگیا ہے اور آپ اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ آٹھ سے تین بجے کا وقت ہوتا ہے۔

ہم نے واپسی کا قصد کیا تو اونٹوں اور گھوڑوں والے پھر ہمارے پیچھے پڑ گئے۔ بولے ہمارے ساتھ آؤ، ہم پیچھے سے کہیں سے اندر لے چلیں گے۔ ہم کہ ٹھہرے اجنبی۔ ہم کوئی غیر قانونی کام نہیں کرنا چاہتے تھے کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں لیکن وہ تھے کہ ہماری جان چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اتنے میں دو طالبات نظر آئیں۔ کسی یونیورسٹی یا کالج کی طالبات لگتی تھیں۔ ہم نے ان سے شکایت کی کہ دیکھو ہم پاکستان سے آئے ہیں۔ اہرام مصر کا وقت ختم ہوگیا ہے اور یہ ہمیں غیر قانونی طریقے سے اندر لے جانا چاہتے ہیں۔ پلیز ہماری ان سے جان چھڑائیں۔ ہمیں پولیس نے دھر لیا تو ہم کیا کریں گے۔

انہوں نے کہا کہ خیر پولیس تو آپ کو کچھ نہیں کہے گی۔ پولیس ان سے ملی ہوتی ہے لیکن اگر آپ نہیں جانا چاہتے تو آپ کی مرضی۔ انہوں نے ان کو خوب ڈانٹ پلائی اور وہ وقتی طور پر چھٹ گئے۔ تھوڑی دور آگے جا کر انہوں نے ہمیں پھر آلیا۔ اب انہوں نے ایک نیا حربہ استعمال کیا پہلے وہ ساٹھ پاؤنڈ مانگ رہے تھے، پھر کم کرتے کرتے بیس پاؤنڈ پر آگئے۔ تنگ آکر ہم مان گئے۔ ایک لڑکے نے بڑے پیار سے ہمیں ایک گھوڑے پر چڑھایا۔ جب ہم سوار ہوگئے تو پیسے مانگنے لگا ہم نے بیس پاؤنڈ اس کی طرف بڑھائے تو بولا، چالیس اور دو، گھوڑوں کا کرایہ۔ ہم نے ہاتھ کھینچ لیا اور چھلانگ لگا کر گھوڑے سے اتر آئے۔ تب اس نے معافی مانگی اور دوبارہ گھوڑے پر بیٹھنے کو کہا۔ ہم نے کہا کہ پیسے واپسی میں دیں گے یوں ہم نے اہرام مصر کو قریب سے دیکھا۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اہرام مصر دنیا کے قدیم سات عجائب میں سے واحد عجوبہ ہے جو موجود ہے۔ انہیں ساڑھے چار ہزار برس پہلے مصر کے بادشاہوں نے تعمیر کروایا تھا۔ گیزا میں موجود جو تین اہرام ایک سیدھ میں اور ساتھ ساتھ ہیں، ان میں سے سب سے بڑا شاہ خوفو نے تعمیر کروایا تھا اور اسی کے نام پر یہ خوفو کہلاتا ہے۔ باقی دو اس کے بیٹوں نے تعمیر کروائے اور ان کے نام پر خفرے اور مفکورے کہلاتے ہیں۔ خوفو کا اہرام بلند ترین ہے تقریباً ۱۴۶ میٹر یا ۴۸۱ فٹ۔ یہ ۳۸۰۰ برس تک دنیا کی بلند ترین عمارت رہی۔ اہرام مصر کے بارے میں حقائق ہوش ربا ہیں۔ مثلاً ان کی تعمیر میں ۲۳ لاکھ پتھر استعمال کیے گئے جن میں زیادہ تر پتھروں کا وزن دو سے تیں ٹن تک ہے جبکہ سات پتھر ایسے ہیں جو پچاس پچاس ٹن کے ہیں۔ یہ بات آج تک سمجھ میں نہیں آئی کہ ان پتھروں کو یہاں تک کیسے لایا گیا اور پھر اوپر کیسے چڑھایا گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ پتھر اسوان سے یہاں لائے گئے۔ اسوان یہاں سے ۸۰۰ کلو میٹر دور ہے۔ اتنے طویل فاصلے سے اتنے بھاری پتھروں کو یہاں لانا بجائے خود ایک عجوبہ ہے۔ پھر انہیں اوپر چڑھانا اور بھی حیران کن۔ ایک اور حیران کن بات یہ ہے کہ اہرام کے اندر کا درجہ حرارت ہمیشہ ۲۰ ڈگری سینٹی گریڈ رہتا ہے، چاہے باہر کتنی ہی گرمی کیوں نہ ہو۔ گیزا کے تینوں اہرام آسمان پر چمکنے والے تین ستاروں ''اوریان'' کی بالکل سیدھ میں ہیں۔ یعنی رات کو دیکھا جائے تو اوریان کے تینوں ستارے ان تین اہرام کے اوپر چمک رہے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں ہزاروں غلاموں نے بیس سال کے عرصے میں یہ اہرام تعمیر کیے۔ یہ بات ابھی تک پردہ اسرار میں ہے کہ بادشاہ سلامت کو آخر سوجھی کیا تھی کہ اتنا بڑا منصوبہ شروع کرے جس میں ظاہر ہے کہ بے تحاشا دولت بھی صرف ہوئی ہوگی اور ہزاروں افراد کا وقت بھی۔ مزدور گرچہ غلام تھے لیکن ان کا جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے انہیں کھانا تو دینا پڑا ہوگا۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ اہرام بادشاہوں کے مقبروں کے طور پر تعمیر کیے گئے تھے لیکن یہاں سے کبھی کسی بادشاہ یا شہزادے کی کوئی ممی برآمد نہیں ہوئی۔

اہرام دیکھ کر ہم اپنے میزبان کے ہاں لوٹ آئے۔ عشاء کی نماز کے بعد وہ پھلوں کی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک دکان پر لے گئے اور ہم سے ہماری پسند پوچھ پوچھ کر انہوں نے بہت سے پھل خریدے۔ سیب، کیلے، ناشپاتی، انگور، کھجوریں۔ رات کو سحری میں انہوں نے ڈبل روٹی کے سلائس کھلائے۔ فجر کی نماز کے بعد ہم سو گئے اور دن چڑھے اٹھے۔ ان سے گپ شپ رہی۔ انہیں گزشتہ دن کے تجربات بتائے تو وہ خوب ہنسے اور انہوں نے بتایا کہ جتنے فقیر قاہرہ میں ہوتے ہیں دنیا کے کسی اور شہر میں نہیں ہوتے۔ فقیر بھی چیکو قسم کے۔ ان فقیروں سے زیادہ ''خدائی خدمتگار'' ہوتے ہیں جو ہر جگہ، ہر وقت آپ کی ''خدمت'' کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ آپ بازار جائیں، کہیں گاڑی پارک کرنے لگیں تو کہیں نہ کہیں سے ایک صاحب نمودار ہوں گے اور آپ کی گاڑی کے سامنے کھڑے ہو کر آپ کو اشارے دینے لگیں گے، دائیں موڑیں، تھوڑا بائیں، بس رک جائیں، جب تک آپ انجن بند کریں گے وہ مسکین سی صورت بنائے، ماتھے پر ہاتھ رکھے، آپ کے قریب آئے گا اور بخشش کا طالب ہوگا۔ آپ واپس آئیں گے تو کوئی اور ''خدائی خدمتگار'' آپ کو گاڑی نکلوانے میں مدد دینے پر تلا کھڑا ہوگا۔ اور تو اور پولیس بھی اس سے مبرا نہیں۔ کیرالا کے ایک مسلمان ادیب نادر سرگروہ نے، جن سے مکہ میں ملاقات ہوئی تھی، ایک واقعہ سنایا تھا کہ ایک بار وہ کسی کام سے قاہرہ گئے۔ ایک عمارت میں داخل ہونے لگے تو ایک پولیس اہلکار نے انہیں سلیوٹ کیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آئے تو وہ اہلکار ان کے قریب آیا اور بولا کہ کیا آپ مجھے جانتے ہیں، نادر نے کہا، نہیں تو بولا جب آپ اوپر جا رہے تھے تو میں نے آپ کو سلیوٹ کیا تھا۔

''تو؟''

اس نے پھر سلیوٹ کیا اور ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ کچھ عطا ہو۔

دوپہر کو ہم پھر سو گئے کہ عمان کے لیے ہماری پرواز شام سات بجے تھی۔ عصر کے وقت ہمارے میزبان نے بیدار کیا اور بولے کہ جلدی سے تیار ہو جائیں۔ آپ پرواز کے لیے لیٹ ہو جائیں گے۔ ہم نے جلدی جلدی سامان لپیٹا۔ نیچے آئے تو انہوں نے ایک ٹیکسی روکی اور ہمیں اس میں بٹھا کر روانہ کر دیا۔ وہ جو گزشتہ رات انہوں نے ہماری پسند پوچھ

SULEMANI.COM.PK

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پوچھ کر پھل خریدے تھے ان میں سے ایک دانہ دینا انہیں یاد نہ رہا۔

ٹیکسی والا شہر سے باہر نکل آیا تو اس نے ہم سے پوچھا کہ پرانے ائیرپورٹ جانا ہے یا نئے ائیرپورٹ۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ عمان کے لیے جہاز کہاں سے پرواز کرے گا۔ یہ سوچ کر کہ پرواز کیونکہ انٹرنیشنل ہے، اسے کہہ دیا کہ نئے ائیرپورٹ لے جاؤ۔ کرایہ ادا کر کے جب ہم عمارت میں داخل ہوئے تو طویل راہداریوں کا ایک سلسلہ تھا جو ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ ہمیں یہ بھی یقین نہیں تھا کہ ہم صحیح جگہ بھی آئے ہیں یا نہیں، بالآخر ایک بورڈ نظر آیا جس پر لکھا تھا بین الاقوامین پروازوں کی روانگی لیکن جب ہم داخلی دروازے پر پہنچے تو ایک مصری اہلکار نے کھٹ سے دروازہ بند کر دیا اور ہم سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا ''افطار کے بعد ان شاءاللہ''

ہم نے چیخ کر کہا کہ ہماری فلائٹ نکل جائے گی، ہمیں اندر آنے دو لیکن اس نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔"بعد الافطار ان شاء الله"

دروازہ بند کر کے وہ کچھ دور ایک کرسی میز پر جا بیٹھا۔ توشہ دان کھولا اور روزہ افطار کرنے لگا۔ ہم حیران پریشان، ہمارے پاس روزہ افطار کرنے کو کچھ نہ تھا۔ دائیں بائیں طویل راہداریوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ کسی دکان یا کیفے کی تلاش میں جاتے بھی تو کدھر۔ ادھر یہ خدشہ بھی تھا کہ فلائٹ نہ نکل جائے۔

جائے رفتن نہ پائے ماندن

اتنے میں لبنان کا ایک جوڑا نظر آیا جو لمبے لمبے ڈگ بھرتے داخلی دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ دروازہ بند پا کر انہوں نے اسے کھٹکھٹایا تو دور بیٹھے اہلکار نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بتایا کہ افطار کے بعد۔

وہ دونوں زمین پر بیٹھ گئے۔ خاتون نے کوئی پوٹلی کھولی اور چیزیں نکال نکال کر میاں کو دینے لگی۔ ہم ان سے دور ہٹ گئے اور سوچنے لگے کہ وضو کرنا ہو اور پانی نہ ملے تو تیمم کیا جا سکتا ہے لیکن روزے کا کیا کریں۔ کھانے کو کچھ نہ ملے تو کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اے اللہ تیرا کہنا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ جزا تو جب ملے گی سو ملے گی، روزہ کیسے افطار کریں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے دعا سن لی ہو۔ وہ لبنانی مرد ہمارے پاس آیا اور پوچھا: ''صائم؟'' (روزے سے ہو؟) اثبات میں جواب پا کر وہ بیوی کے پاس گیا اور گتے کی ایک پلیٹ میں کھجوریں اور کچھ پھل لے آیا۔ ہماری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر وہ ہمیں اپنے قریب ہی لے گیا۔ اب جو اس کی بیوی نے کھانے پینے کی چیزیں دینی شروع کیں تو ہمیں ہنسی آ گئی۔ وہ سیدھا سادا کھانا نہ تھا جیسے مسافرت میں ہوتا ہے بلکہ اس میں دیگر لوازمات بھی تھے جیسے سرکے میں ڈلا ہوا اچار، سلاد، پیاز، ٹماٹر، میٹھے میں بھی دو تین طرح کی چیزیں تھیں اور آخر میں ایک تھرموس سے گرم گرم قہوہ نکال کر پیش کیا۔ وہ سفر پر روانہ ہوئے تھے تو پوری تیاریوں کے ساتھ۔ ہم جیسے شتر بے مہار نہیں تھے۔

افطار کے بعد دروازہ کھلا۔ سرسری پڑتال کے بعد ہمیں جانے کی اجازت مل گئی۔ ہم نے مزاقاً اس اہلکار سے پوچھا کہ اگر ہماری فلائٹ مس ہوگئی ہوتی تو؟ اس نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا: ''جہاز کا بھی روزہ تھا، بھوکے پیٹ کیسے اڑ جاتا۔ اسے بھی افطاری کروائی ہے۔ اب وہ تیار ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اردن۔ اصحاب کہف کا غار

قاہرہ سے عمان تک کی پرواز میں ایک گھنٹہ لگا۔ ہم نے ایئر پورٹ سے ہی کرنسی تبدیل کروائی۔ ایک جگہ تختی لگی ہوئی تھی جس پر کرنسی تبدیل کرنے کے ریٹ لکھے ہوئے تھے۔ سو امریکی ڈالروں میں ۷۰ اردنی دینار، ہم نے سوڈالر دیئے تو خاتون نے ہمیں ۶۹ دینار تھمائے۔ پوچھا ایک دینار کم کیوں، بولی ''کمیشن'' زیادہ تر ملکوں میں جب کرنسی تبدیل کی جاتی ہے تو ان کی شرح منافع یا کمیشن اسی ریٹ میں شامل ہوتا ہے لیکن ہر ملک کا الگ رواج ۔ نقصان زیادہ تر مسافر ہی کا ہوتا ہے۔ ایئر پورٹ سے باہر آئے تو اتفاق سے ہمیں ایک شریف النفس ڈرائیور مل گیا۔ خالد محمود طرطاوی نام تھا اس کا۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہم نے بس ایک رات ہی گزارنی ہے، وہ ہمیں کسی سستے سے ہوٹل میں لے چلے۔ وہ ہمیں عمان پیلس لے آیا۔ اور بولا کہ یہ جو کچھ مانگیں فوراً ہی نہ مان جانا۔ بحث کرو گے تو ضرور کم کر دیں گے۔ یہی ہوا۔ استقبالیے میں انہوں نے بیس دینار طلب کیے لیکن اٹھارہ میں مان گئے۔ مسافر کو جو رعایت بھی مل سکے، غنیمت ہوتی ہے۔

سحری میں ہوٹل والوں نے ہمیں روٹی، مکھن، پنیر اور جیم کے ساتھ ساتھ چائے بھی دی سحری کے بعد سو گئے۔ آٹھ بجے اٹھ کر جیسا کہ طے ہوا تھا، ہم نے خالد طرطاوی کو فون کیا وہ تھوڑی دیر میں پہنچ گیا۔ ہماری پہلی منزل ایک غار تھا جو عمان شہر کے جنوب میں واقع ہے اور یہاں کے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہی وہ غار ہے جس کا ذکر قرآن کی سورۂ الکھف میں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحی دعوت رومی جب سلطنت کے مختلف علاقوں میں پہنچنی شروع ہوئی تو شہر کے چند نوجوان بھی شرک سے تائب ہو کر ایک اللہ پر

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایمان لے آئے۔ یہ سات نوجوان تھے۔ ان کی تبدیلی مذہب کا حال سن کر رومی سلطنت کے بادشاہ قیصر ڈیسیس نے ان کو اپنے سامنے طلب کیا اور ان سے تبدیلی مذہب کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بلا کسی خوف کے صاف کہہ دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جو زمین وآسمان کا رب ہے۔ قیصر نے پہلے تو سخت مشتعل ہو کر دھمکی دی کہ میں تمہیں قتل کروا دوں گا۔ پھر کچھ ٹھنڈا ہوا اور بولا کہ تم ابھی بچے ہو۔ میں تمہیں تین دن دیتا ہوں۔ اس مدت میں اگر تم نے اپنا رویہ بدل لیا اور اپنی قوم کے مذہب کی طرف پلٹ آئے تو خیر، ورنہ تمہاری گردن ماردی جائے گی۔

اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر یہ ساتوں نوجوان شہر سے بھاگ نکلے اور انہوں نے پہاڑوں کی راہ لی۔ راستے میں ایک کتا ان کے ساتھ لگ گیا۔ انہوں نے بہتیری کوشش کی کہ وہ ان کا پیچھا چھوڑ دے مگر وہ کسی طرح ان سے الگ نہ ہوا۔ آخر کار ایک بڑے گہرے غار کو اچھی جائے پناہ دیکھ کر وہ اس میں چھپ گئے اور کتا اس کے دہانے پر بیٹھ گیا۔ تھکے ماندے تھے اس لیے فوراً ہی سو گئے۔ یہ ۲۵۰ عیسوی کا واقعہ ہے۔ ۴۴۷ء میں وہ یکا یک بیدار ہوئے جب قیصر تھیوڈوسیس دوم کا عہد حکومت تھا۔ رومی سلطنت مسیحیت اختیار کر چکی تھی اور شہر کے لوگ بت پرستی ترک کر چکے تھے۔ البتہ رومی باشندوں کے درمیان زندگی بعد موت اور حشر نشر کے معاملے میں سخت اختلاف برپا تھا۔ لوگوں کو اس بات میں شبہ تھا کہ مرنے کے بعد لوگ کیسے زندہ ہوں گے۔ ٹھیک اسی زمانے میں یہ لوگ جاگ اٹھے۔

بیدار ہو کر انہوں نے آپس میں پوچھا، کتنی دیر ہم سوئے ہوں گے، کسی نے کہا دن بھر، کسی نے کہا دن کا کچھ حصہ۔ پھر یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی جین (Jean) کو چاندی کے کچھ سکے دے کر کھانا لانے کے لیے شہر بھیجا اور اس سے کہا کہ ذرا احتیاط سے کام لینا کہیں لوگ تمہیں پہچان نہ جائیں، انہیں ڈر تھا کہ لوگوں کو ان کا پتہ چل گیا تو وہ انہیں پرانے مذہب کی طرف لوٹنے پر مجبور کریں گے یا انہیں سنگسار کر دیں گے، مگر جین جب شہر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ دنیا بدلی ہوئی ہے، ایک دکان پر پہنچ کر اس نے کچھ روٹیاں خریدیں اور دکاندار کو چاندی کا ایک سکہ دیا جس پر

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قیصر ڈیسیس کی تصویر تھی، دکاندار یہ سکہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے پوچھا یہ تمہیں کہاں سے ملا ہے۔ جین نے کہا یہ میرا اپنا مال ہے۔ اس پر دونوں میں تکرار ہونے لگی۔ لوگ جمع ہوگئے۔ حتیٰ کہ کوتوال شہر تک معاملہ پہنچا۔ جین کی پوری بات سن کر کوتوال اس غار کی طرف چلا جہاں اس کے باقی ساتھی موجود تھے۔ لوگوں کا ایک انبوہ کثیر بھی ان کے ساتھ تھا، وہاں پہنچ کر یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ واقعی قیصر ڈیسیس کے زمانے کے لوگ ہیں۔ قیصر تھیوڈوسس کو اس کی اطلاع دی گئی۔ وہ خود آ کر ان سے ملا اور ان سے برکت لی۔ اس کے بعد یہ ساتوں غار میں جا کر لیٹ گئے اور وفات پا گئے۔ اس واضح نشانی کو دیکھ کر لوگ مان گئے کہ واقعی زندگی کے بعد موت برحق ہے۔ پھر قیصر کے حکم سے اس غار پر ایک زیارت گاہ تعمیر کر دی گئی۔ (ماخوذ از تفہیم القرآن، جلد سوم)

اصحاب کہف کے غار کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ وہی غار ہے جو عمان شہر کے باہر واقع ہے۔ مولانا محمد تقی عثمانی نے اپنی کتاب ''جہاں دیدہ'' میں اس کے حق میں بہت سے دلائل دیے ہیں اور لکھا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہم کی بھی یہی رائے تھی۔ ترکی میں تین غار ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہی قرآن میں مذکور اصحاب کہف کا غار ہے۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ کسی باب میں ترکی کے سفر نامے میں بیان کریں گے۔

عمان سے نکلے تو جنوب کی جانب جانے والی شاہراہ کے بائیں جانب یہ غار واقع تھا، ایک سست الوجود بدو وہاں موجود تھا جس نے ہمیں غار دکھایا۔ قرآن میں ایک نشانی ایسی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اصلی غار کون سا ہے۔ قرآن میں ذکر ہے:

''تم انہیں غار میں دیکھتے تو تمہیں یوں نظر آتا کہ سورج جب نکلتا ہے تو ان کے غار کو چھوڑ کر دائیں جانب چڑھ جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بچ کر بائیں جانب اتر جاتا ہے۔'' (سورۃ الکہف: ۱۷)

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا مطلب ہے کہ سورج کی روشنی غار کے دہانے پر نہیں پڑتی اور نہ اندر داخل ہوتی ہے۔ ہم نے غار کی فلم بنائی تو غار کے دہانے اور سورج کے زاویے کو خاص طور پر فلمایا۔ سورج دہانے کے عین سامنے سے گزر رہا تھا اور غار کا دہانہ سورج کی روشنی سے چمک رہا تھا، تو ہمارے نزدیک تو قرآن میں ذکر کردہ نشانی اس غار پر صادق نہیں آتی۔

یہ غار دیکھ کر ہم پیٹرا کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ شہر تین سو برس قبل مسیح میں تعمیر کیا گیا تھا اور نبطی حکومت کا دارالحکومت تھا۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے نام پر ایک پہاڑ بھی ہے جو جبل ہارون کہلاتا ہے۔ یہاں ایک مقبرہ بھی ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام سے منسوب ہے۔ پیٹرا میں داخلے کا راستہ ایک تنگ جگہ سے گزرتا ہے جس کے فوراً بعد ایک عظیم الشان عمارت نظر آتی ہے جو ''خزنہ'' کہلاتی ہے یعنی خزانہ۔ پورا شہر گلابی رنگ کے پہاڑوں کو تراش تراش کر بنایا گیا ہے اس لیے اسے گلابی شہر (Rose City) بھی کہتے ہیں۔ پورا علاقہ ۲۶۴ کلومیٹر میں پھیلا ہوا ہے۔ ایک بات ہم نے خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ جگہیں جہاں ان کے امراء رہتے تھے، بڑی خوبصورتی سے تراشی گئی ہیں۔ ان کے کمرے بھی کھلے کھلے ہیں اور ان کے باہر خوبصورت نقش ونگار بھی موجود ہیں لیکن دوسرے حصے میں جہاں غریب لوگ رہائش پذیر تھے، ادھورے ادھورے سے ہیں۔ پہاڑ بس اتنی تنگ جگہ میں تراشے گئے ہیں جہاں لوگ بمشکل لیٹ سکیں اور دھوپ یا باد وباراں سے کچھ بچاؤ ہو سکے۔ ان کے گھروں کے باہر نقش ونگار بھی نہیں ہیں۔ انہیں امراء کی خدمت سے فرصت ہی کہاں ملتی ہوگی کہ وہ اپنے گھروں کو خوبصورت بنا سکیں۔

یہاں ایک تھیٹر بھی ہے جہاں سینکڑوں لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ یہ نیم دائرے کی شکل میں ہے۔ پہلوؤں میں داخلے کے لیے ایسے راستے ہیں جن سے لگتا ہے کہ کسی تمثیل کی پیشکش کے وقت مختلف کردار ان راستوں سے سٹیج پر جاتے ہوں گے یا باہر نکلتے ہوں گے۔

یہ لوگ بارش کے پانی کو جمع کر کے آبپاشی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ استعمال شدہ پانی کی نکاسی کا بھی زبردست اہتمام دیکھنے میں آیا کہ عمارتوں کے پہلوؤں میں نالیاں بنی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئی ہیں۔

ہم جب پیٹرا پہنچے تو پتہ چلا کہ ایک دن کا ٹکٹ ۲۱ دینار ہے، دو دنوں کا ۲۴ اور تین دنوں کا ۳۶۔ خالد نے کہہ سن کر ہمیں رعایت دلوا دی اور ہمیں ایک دن کا ٹکٹ ساڑھے دس دینار میں مل گیا۔ ایک گائیڈ ملا ''باصل'' وہ ہمیں ایک گھوڑے پر بٹھا کر پیٹرا کے داخلی دروازے تک لے گیا۔

یہاں جدید گاڑیوں کا داخلہ منع ہے اور وہ شہر کے باہر ہی پارک ہوتی ہیں۔ سیاح گھوڑوں، اونٹوں یا بگھیوں کے ذریعے داخلی دروازے ''سق'' تک آتے ہیں اور پھر پیدل ہی شہر میں گھومتے ہیں۔ باصل نے بتایا کہ شہر اتنا بڑا ہے کہ پورا شہر دیکھنے کے لیے ایک ہفتہ بھی کم ہے، آپ ایک دن میں کیا دیکھ سکیں گے۔ ہم جو کچھ دیکھنا چاہتے تھے اس کے لیے ایک دن کافی تھا۔

چھ گھنٹے پیٹرا میں گذارنے کے بعد ہم باہر نکل آئے۔ باصل ہمارا منتظر تھا۔ وہ گھوڑے پر بٹھا کر پارکنگ میں چھوڑ آیا جہاں سے خالد طرطاوی کی گاڑی میں بیٹھ کر ہم واپس روانہ ہوئے۔ جب عمان پیلس پہنچے تو افطار کا وقت قریب تھا، ہوٹل کے عملے نے ایک میز پر افطار کا سامان ترتیب دیا ہوا تھا۔ ہم اپنے کمرے کی جانب جانے لگے تو انہوں نے اپنے ساتھ افطار کی دعوت دی۔ پھلوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے کھانے کا سامان بھی وافر مقدار میں مہیا کر رکھا تھا۔ ہم نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔

عشاء کے بعد ہم نے اردگرد علاقوں کی سیر کی۔ صبح بحر مردار جانے کا پروگرام تھا جسے بحر لوط بھی کہتے ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو غرق کیا گیا تھا۔ سورۂ الشعراء میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے:

''لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جبکہ ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا تھا ''کیا تم ڈرتے نہیں؟'' میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لیے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو؟ تم لوگ تو حد ہی سے گزر گئے ہو۔ انہوں نے کہا: "اے لوط! اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو جو لوگ ہماری بستیوں سے نکالے گئے ہیں، تو بھی ان میں شامل ہو کر رہے گا۔ اس نے کہا: "تمہارے کرتوتوں پر جو لوگ کڑھ رہے ہیں، میں ان میں شامل ہوں۔ اے پروردگار! مجھے اور میرے سب اہل وعیال کو ان کی بدکرداریوں سے نجات دے۔ آخر کار ہم نے اسے اور اس کے سب اہل وعیال کو بچا لیا، بجز ایک بڑھیا کے (حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی) جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ پھر باقی ماندہ لوگوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر برسائی ایک برسات، بڑی ہی بری بارش تھی جو ان ڈرائے جانے والوں پر نازل ہوئی۔" (سورۃ الشعراء: آیت ۱۶۰ تا ۱۷۳)

اس بارش سے مراد پانی کی بارش نہیں ہے بلکہ پتھروں کی بارش ہے۔ قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اس عذاب کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام جب رات کے پچھلے پہر اپنے بال بچوں کو لے کر نکل گئے تو صبح پو پھٹتے ہی یکا یک ایک زور دار دھماکہ ہوا اور ایک ہولناک زلزلے نے ان کی بستی کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ پھر ایک زبردست آتش فشانی انفجار سے ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسائے گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بھائی تھے، نخور اور حاران۔ حضرت لوط علیہ السلام حاران کے بیٹے تھے۔ بائبل اور قدیم یونانی و لاطینی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں جگہ جگہ پٹرول اور اسفالٹ کے گڑھے تھے اور بعض جگہ زمین سے آتش گیر گیس بھی نکلتی تھی۔ اب بھی وہاں زیر زمین پٹرول اور گیسوں کا پتہ چلتا ہے۔ طبقات الارضی مشاہدات سے اندازہ کیا گیا ہے کہ زلزلے کے شدید جھٹکوں سے پٹرول، گیس اور اسفالٹ زمین سے نکل کر بھڑک اٹھے اور سارا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علاقہ بھک سے اڑ گیا۔ بائبل کا بیان ہے کہ اس کی تباہی کی اطلاع پا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حبرون سے اس وادی کا حال دیکھنے آئے تو زمین سے دھواں اس طرح اٹھ رہا تھا جیسے بھٹی کا دھواں ہوتا ہے۔ (بائبل پیدائش، باب ۱۹، آیت ۲۸)

بحر مردار (Dead Sea) میں آج کل بھی نمکیات کی مقدار دوسرے سمندروں کی نسبت زیادہ ہے۔ ۳۳ فیصد سے بھی زیادہ۔ اس کی وجہ سے اس کا پانی اتنا بھاری ہے کہ اس میں کوئی ڈوب نہیں سکتا۔ سیاح یہاں آتے ہیں تو بغیر کسی مدد کے پانی کی سطح پر لیٹ جاتے ہیں اور اخبار پڑھتے رہتے ہیں۔ ان نمکیات کا ایک نقصان یہ ہے کہ اس سمندر میں پانی کی کوئی مخلوق زندہ نہیں رہ سکتی، غالباً اسی حوالے سے اس کا نام بحیرہ مردار رکھا گیا ہے۔

بحر مردار کے ساحل روئے زمین پر سب سے نچلی سطح پر واقع ہیں۔ عام طور پر کسی جگہ کو سطح سمندر سے بلندی کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے لیکن اس کے کنارے سطح سمندر سے ۴۲۳ میٹر یا ۱۳۸۸ فٹ نیچے ہیں۔ ایک جگہ ایک بورڈ بھی نظر آیا جس پر لکھا تھا۔ ''دنیا کا سب سے نشیبی علاقہ۔''

واپس مصر، عربی میں اختر شیرانی کی شاعری:

بحر مردار سے خالد ہمیں اردن کے ایئر پورٹ پر لے آئے۔ یہ اردن کی ملکہ کے نام پر کوئین عالیہ ایئر پورٹ کہلاتا ہے۔ ڈیڑھ گھنٹے کی پرواز سے ہم واپس قاہرہ آ گئے۔ ''خدائی خدمتگار'' ہماری ''خدمت'' کے لیے موجود تھے۔ اب کے ہم نے چوں چرا نہیں کی اور اپنا بیگ جسے ہم بآسانی اٹھا سکتے تھے، ایک لڑکے کے حوالے کر دیا۔ ایک صاحب بضد تھے کہ ہم اپنا پروگرام بتائیں تاکہ وہ ہماری رہنمائی کر سکیں۔ پوچھنے پر ان صاحب نے بتایا کہ وہ وزارت سیاحت کے افسر ہیں اور سیاحوں کی رہنمائی پر مامور۔ انہوں نے اپنا کارڈ بھی دکھایا۔ تب ہم نے ان سے کہا کہ وہ ہمیں کسی سستے سے ہوٹل میں بھجوا دیں، ہم نے محض ایک رات گذارنی ہے۔ شام کو ہم اپنی ٹکٹ کنفرم کروالیں گے اور دوسرے دن لندن جائیں گے۔ اپنے میزبان کو ہم نے بتایا بھی نہیں تھا کہ ان کی شرط تھی کہ بتا کر آنا چاہیے تھا۔ سو ہم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہیں زحمت نہیں دی۔ وزارتِ سیاحت کے اس افسر نے واقعی ہماری مدد کی اور ٹیکسی والے کو ایک ہوٹل کا پتہ بتایا جو میدانِ رعمیسس کے قریب تھا۔

فندق تشاء .

ہوٹل پہنچ کر ہم نے بکنگ کی ۲۰ مصری پاؤنڈ میں۔ متعلقہ اہلکار نے پاسپورٹ سے تمام کوائف کا اندراج کر لیا تو ہم نے اس سے کمرے کی چابی مانگی۔ اس نے ہمیں ٹھہرنے کو کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے پھر پوچھا کہ چابی دینے میں کیا مسئلہ ہے۔ اس نے پھر انتظار کرنے کو کہا۔ ایک ویٹر صاحب تشریف لائے اور اس نے ہمارا بیگ اٹھا لیا۔ استقبالیہ کلرک نے چابی اس کے حوالے کر دی۔ گویا یہ خدائی خدمتگار زبردستی ہم پر مسلط کیا جا رہا تھا۔ کمرے کے سامنے پہنچ کر اس نے ہمیں بتایا کہ چابی تالے میں کیسے ڈالتے ہیں، اسے کیسے گھماتے ہیں، دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گیا۔ ہم نے اسے کہا بھی کہ بس اب جاؤ لیکن وہ ہدایات دینے پر بضد تھا۔ اس نے بتایا کہ یہ آپ کا بستر، یہ تکیہ، یہ کمبل، یہ بجلی کا سوئچ۔ یوں دبائیں گے تو بلب روشن ہو جائے گا، یوں دبائیں گے تو بجھ جائے گا۔ پھر اس نے ہمیں واش روم میں آنے کی دعوت دی۔ ہم دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے رہے۔ وہ وہیں سے بولتا رہا۔ یہ بائیں طرف گرم پانی کا نلکا ہے، دائیں طرف ٹھنڈے پانی کا۔ یہ تولیہ ہے اور یہ صابن۔

خدا خدا کر کے اس کی ہدایات کا سلسلہ ختم ہوا۔ وہ دروازے پر آ کر رک گیا اور بخشش کے انتظار میں کھڑا رہا۔ ہم نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر نکالا اور زور سے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا لی۔ ہم کچھ دیر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے رہے، پھر بستر پر آ گرے۔ عجیب ہونقوں سے پالا پڑا تھا۔ ہم نے کچھ دیر آرام کیا اور پھر قاہرہ کی سیر کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے میدانِ رعمیسس کے کنارے واقع ایک ٹریول ایجنٹ سے سیٹ کنفرم کروائی۔ پھر بازاروں کی طرف نکل گئے۔ کچھ دکاندار چیخ چیخ کر اپنا سامان بیچ رہے تھے۔ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اپنے عروج پر تھی۔ مثلاً ریڈی میڈ کپڑوں کے ایک دکاندار

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے دولڑکوں کو آوازیں لگانے پر مامور کیا ہوا تھا اور وہ بلند آواز سے آوازیں لگا رہے تھے۔ ایک کا سانس ٹوٹتا تو دوسرا شروع ہو جاتا:

یا شاعرون، یا صحافیون، یا کاتبون، یا قاریون، یا مدرسون، ملابس، ملابس (کپڑے کپڑے)

ملابس العجیبة، ملابس الطیفه، ملابس الجدیده، ملابس المریحة (آرام دہ) ملابس الرخیصة (سستے کپڑے)

ایک لڑکے نے ہمارے کاندھے پر کیمرہ لٹکا دیکھا تو سمجھ گیا کہ سیاح ہے۔ پکار اٹھا:

یا مسافرون، یا سائحون، یا ضیوف الکرام (معزز مہمانو)

کچھ لڑکیاں قریب سے گزریں تو ایک لڑکے نے پکارا:

یا بنات المصر، یا بنات النیل، یا بنات الجدیده، یا بنات البسیطة (اے سادہ لڑکیو!) یا بنات المدینة (اے شہر کی لڑکیو!) یا بنات القریٰ (اے گاؤں کی لڑکیو!) یا طالبات الجامعة (اے یونیورسٹی کی لڑکیو!) یا بنات الکلیة (اے کالج کی لڑکیو!) یا بنات المدارس (اے سکول کی لڑکیو!)

کپڑے، کپڑے، کپڑے تمہارے لیے، تمہارے گھر والوں کے لیے، ابا جان کے لیے، امی جان کے لیے، بھائیوں کے لیے، بہنوں کے، ننھے بھائیوں کے لیے، شرارتی بچوں کے لیے، سنجیدہ بچوں کے لیے، معصوم بچوں کے لیے، کچھ لڑکیاں کپڑوں کے ڈھیر کی طرف بڑھیں تو ایک لڑکے نے آواز لگائی:

''اے بھائیو! راستہ چھوڑنا، میری بہنیں آرہی ہیں۔''

''ہٹو ذرا! میری باجیاں آئیں۔''

''ہٹو ذرا! میں پلکیں بچھا دوں۔''

''ہٹو ذرا! میں پھول بکھیروں۔''

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بس یوں سمجھ لیں وہ عربی میں اختر شیرانی کی شاعری کر رہا تھا:

سنا ہے میری سلمیٰ رات کو آئے گی وادی میں
ابھی سے جاؤں اور وادی کے نظاروں سے کہہ آؤں
بچھا دیں فرشِ گل وادی میں گلزاروں سے کہہ آؤں
اور ان پر نازنیں کلیوں کا اک بستر بچھا آؤں
کہ وہ نازک بدن ہے اور تھک جائے گی وادی میں
سنا ہے میری سلمیٰ رات کو آئے گی وادی میں

اب انہوں نے پینترا بدلہ۔ ایک لڑکا بولا:

ملابس، ملابس للجنة . (جنت کے لیے کپڑے)

ماذا قلت؟ (تو نے کیا کہا؟) دوسرے نے پوچھا۔

قلت ملابس للجنة . (میں نے کہا جنت کے لیے کپڑے)

کیف؟ (کیسے)

من لبس ملابسا، فتوضا وصلی، دخل الجنة . (جس نے کپڑے پہنے، پھر وضو کیا اور نماز پڑھی وہ جنت میں داخل ہوگیا)

ولیست الصلوة بدون ملابس . (اور کپڑوں کے بغیر تو نماز نہیں ہوتی)

ایک اژدھام اکٹھا ہوگیا تھا۔ لوگ ان کی باتوں پر ہنستے تھے اور کپڑوں کے ڈھیر میں سے اپنی پسند کے کپڑے چھانٹتے تھے۔

ہم کتنی ہی دیر فصاحت و بلاغت کی ان بولیوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ مصر کا سوتی کپڑا اور اون پوری دنیا میں بہترین مانی جاتی ہے۔ ہم نے بڑی خوبصورت اور آرام دہ جرابیں خریدیں۔

تھوڑا آگے گئے تو دیکھا کہ سبزیاں اور پھل بک رہے ہیں۔ یہاں بھی بولیوں کا وہی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عالم تھا لیکن ذرا مختلف، ٹماٹر، ٹماٹر اسوان کے ٹماٹر، آسیوط کے آلو، سکندریہ کی بھنڈیاں، بلاط کے کدو، وادی حنیفہ کے سیب، پورٹ سعید کے کنو۔ پورے مصر کی دولت آپ کے قدموں میں۔ لے جاؤ، لے جاؤ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔

بازاروں میں جگہ جگہ بڑے بینرز آویزاں تھے جن پر لکھا تھا:

ضيوف الرحمن على مائدة الرحمن

''رحمٰن کے مہمانوں کو رحمٰن کے دسترخوان پر آنے کی دعوت۔''

کسی سے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے۔ اس نے بتایا کہ افطاری کے وقت جگہ جگہ کرسیاں اور میزیں لگ جائیں گی، یا دریاں بچھا دی جائیں گی اور افطاری کا اہتمام ہوگا۔ جو چاہے اس میں شریک ہوسکتا ہے۔ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کے شہروں میں تو ہم نے دیکھا تھا کہ مسجدوں میں صاحب ثروت لوگ افطاری کا اہتمام کرتے ہیں لیکن شہر بھر میں سڑکوں کے کنارے یہ اہتمام کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔ بازاروں سے گزرتے ہوئے ہم میٹرو یعنی زمین دوز ریل کے ایک سٹیشن آ نکلے۔ سوچا اس کی سواری کا بھی لطف اٹھایا جائے۔ ٹکٹ لے کر ایک گاڑی میں بیٹھ گئے۔ منزل تو کوئی تھی نہیں، ایسے ہی بیٹھ گئے تھے۔ صاف ستھری بوگیاں تھیں اور ان پر بالکل لندن اور امریکہ میں چلنے والی ریلوں کا سا اہتمام تھا۔ تجسس ہوا کہ یہ نظام انہوں نے کیسے اپنایا۔ بوگی کے ایک کونے پر ایک دھاتی تختی چسپاں تھی۔ اسے پڑھا، پتہ چلا کہ گاڑیاں اور انجن بھی چین نے دیے ہیں اور ریل کی پٹڑیاں اور پل وغیرہ بھی انہوں نے بنائے ہیں۔ بڑا دکھ ہوا، ہم چین کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ جب بھی ان کی کوئی اہم شخصیت پاکستان آتی ہے تو لمبی لمبی تقریریں ہوتی ہیں۔ پاکستان اور چین کی دوستی کو ہمالیہ سے بلند اور شہد سے زیادہ میٹھی بتایا جاتا ہے لیکن ہم اس جیسی میٹرو نہیں بنوا سکے۔ بلا شبہ چینی ہمارے ہاں کئی منصوبوں پر کام کر رہے ہیں لیکن توانائی اور مواصلات کے شعبوں میں ان سے بہت کچھ کام لینے کی ضرورت ہے۔

میٹرو کی سیر سے واپس آئے تو افطار کا وقت ہو چلا تھا۔ ہم نے ضیوف الرحمٰن میں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شامل ہونے کا فیصلہ کیا اور ایک مناسب سی جگہ دیکھ کر لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ یہ کسی فیکٹری کے مالک کی طرف سے اہتمام تھا۔ اس کے کارکنان میزوں پر پھل اور کھانا چننے میں مصروف تھے۔ افطار کا اعلان ہوا اور لوگ کھانے پینے میں مشغول ہوگئے۔ قریب ہی ایک مسجد تھی۔ وہاں سے لاؤڈ سپیکر پر اقامت کی آواز آئی تو ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک کارکن بھاگا بھاگا ہی ہمارے پاس آیا: ''کدھر'' ہم نے کہا نماز کو جاتے ہیں۔

''آپ نے کھانا تو کھایا نہیں۔''

''نماز رہ جائے گی۔''

اچھا۔ آپ نماز پڑھ کر واپس آئیں۔ میں آپ کا انتظار کروں گا۔

جب ہم نماز پڑھ کر لوٹے تو افطار کے لیے جمع لوگ کھا پی کر رخصت ہو چکے تھے اور کارکنان برتن سمیٹ رہے تھے۔ اسی کارکن نے ہمیں دیکھ لیا اور بولا، آپ میرے ساتھ اندر چلیں۔ پتہ چلا کہ فیکٹری کے صحن میں سب کارکن جمع ہیں اور اب فیکٹری کا مالک خود دیگ پر بیٹھا ہے اور اپنے ہاتھ سے چاول اور بوٹیاں نکال نکال کر کارکنوں میں تقسیم کر رہا ہے۔ وہ کارکن ہمیں فیکٹری کے مالک کے پاس لے گیا اور اس نے تعارف کرواتے ہوئے کہا، انہوں نے نماز کی خاطر کھانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے ہمیں طویل زندگی کی دعائیں دیں اور بڑے اکرام سے بٹھایا۔ پھر ایک بڑی سی پلیٹ میں پلاؤ ڈال کر لایا اور بولا:

''ہم پاکستانیوں سے محبت کرتے ہیں، سب پاکستانی بہت اچھے ہیں۔''

الا مشرف، مش كوئييس باع الباكستان كلها مجانا.

''سوائے مشرف کے۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس نے پورا پاکستان مفت میں بیچ دیا۔''

یہ تھی مصری عوام کی رائے۔ اس نے اور بھی بہت سی گل افشانیاں فرمائیں لیکن ہم خاموش رہے۔ کیا کہہ سکتے تھے۔ ہم نے کھانا کھا لیا تو انہوں نے بڑے تپاک سے ہمیں رخصت کیا۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم ہوٹل واپس آئے اور دوسرے روز لندن روانگی کے لیے کاغذات وغیرہ تیار کر کے رکھے۔ سکندر کو فون کیا۔ وہ دوسرے دن مصروف تھے۔ ہم چونکہ لندن میں قیام کے دوران میٹروسروس سے اچھی طرح روشناس ہو چکے تھے اس لیے ہم نے انہیں کہہ دیا کہ وہ فکر نہ کریں ہم خود ہی گھر پہنچ جائیں گے۔ میٹروسروس تیز رفتار بھی ہے اور آسان بھی۔ اگر آپ ہیتھرو ایئر پورٹ سے شہر کے وسط میں بیکر سٹریٹ آنا چاہیں تو ٹریفک کے رش کی وجہ سے آپ کو ڈیڑھ گھنٹہ لگ جائے گا۔ لیکن میٹرو آپ کو پندرہ منٹ میں بیکر سٹریٹ پہنچا دیتی ہے۔

جب ہم پاسپورٹ، ٹکٹ اور دوسری چیزیں سنبھال رہے تھے تو انکشاف ہوا کہ مصری کرنسی میں ہمارے پاس صرف پانچ پاؤنڈ اور کچھ ریزگاری بچی ہے جس سے ایئر پورٹ جانے کے لیے ٹیکسی کا کرایہ پورا نہیں ہوگا۔ لندن کی ہمیں کوئی فکر نہیں تھی کہ برطانوی پاؤنڈ تھے ہمارے پاس ڈالروں کے ٹریولرز چیک بھی تھے لیکن انہیں کیش کرانے کا وقت نہیں تھا۔ ایک ہی ترکیب سوجھی کہ بس سے چلا جائے۔ اس کا کرایہ زیادہ سے زیادہ نصف پاؤنڈ ہوتا۔ ہم پھر میدانِ رعمیسس گئے۔ بسوں کے اڈے پر یہ دیکھنے کے کون سی بس جاتی ہے ایئر پورٹ۔ بسوں کی پیشانی پر ان کی آخری منزل کا نام لکھا ہوتا ہے، کسی پر مطار نہ لکھا تھا۔ ہم نے پوچھنا شروع کیا کہ ایئر پورٹ کو کون سی بس جاتی ہے۔ ایک دو نے تو صاف کہہ دیا کہ ایئر پورٹ کے لیے کوئی بس نہیں جاتی ہم حیران پریشان کھڑے تھے کہ ایک لڑکی ہمارے قریب آئی۔ بولی:

''یہ آپ شستہ عربی (فصحی) میں ان لوگوں سے کیا گفتگو کر رہے ہیں، انہیں خاک سمجھ میں آئے گی۔''

اسے اپنا مسئلہ بتایا۔ اس نے ہمیں پتھر کی ایک بنچ پر بٹھایا اور کہا کہ ہلنا مت یہاں سے۔ میں ابھی معلومات لے کر آتی ہوں۔ وہ بھیڑ میں گم ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی اور بتایا کہ بس نمبر ۱۰۴ اور ۱۰۵ ایئر پورٹ جاتی ہیں لیکن ان کا سٹاپ یہ نہیں ہے، ذرا آگے ہے۔ یہ بسیں عین ایئر پورٹ نہیں جاتیں بلکہ تھوڑی دور اتاریں گی۔ پریشانی کم نہیں ہوئی بڑھ گئی۔ ''تھوڑی دور'' سے جانے کیا مراد ہے ہم کہیں لیٹ نہ ہو جائیں۔ پریشانی سی

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پریشانی۔ مسافروں کے لیے ایسے ہی تو اللہ تعالیٰ نے بہت سی سہولتوں کا اعلان نہیں کیا ہے۔ اس لڑکی نے ہمارا حال چال پوچھا، اپنا تعارف کروایا، عبیر تھا، اس کا نام۔ ہم نے پوچھا کہ عبیر کا کیا مطلب ہے؟ بولی: ''کیا مطلب، بس میرا نام ہے عبیر''

کیا یہ لفظ عبر سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے عبور کرنے والا۔ منزلیں عبور کرنے والا، مشکلات کو عبور کرنے والا۔

وہ مسکرائی اور بولی ''آپ میرے نام کا مطلب مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔'' پوچھا: ''آپ روزے سے تھے؟'' اثبات میں جواب پا کر بولی:

افطار کہاں اور کیسے کیا، ہم نے بتایا کہ ضیوف الرحمٰن میں شامل ہو گئے تھے۔

''اوہ! آپ میرے ساتھ گھر چلیں، میری امی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔ کھانا کھا کر واپس آ جانا۔''

ہم نے تفصیل بتائی اور کہا کہ ہم نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا ہے۔ آپ زحمت نہ کریں۔ اس نے گریجویشن کی تھی اور کسی فیکٹری میں کام کرتی تھی۔ پوچھا اب کیا کرو گے، ہم نے بتایا کہ عشاء کی نماز پڑھنی ہے اور پھر ہوٹل جا کر سو جائیں گے۔ اس نے کچھ دور ہمارے ساتھ چل کر مسجد فتح کا پتہ بتایا اور اللہ حافظ کہہ کر رخصت ہوگئی۔

ہوٹل واپس آئے اور سوٹ کیس کی دوبارہ تلاشی لی تو کسی جیب سے مصری پاؤنڈ کے نوٹ نکل آئے۔ یوں ہماری ٹینشن ختم ہوئی اور ہم اطمینان سے سو سکے۔ صبح اطمینان سے اٹھے۔ ویٹر کو دس پاؤنڈ کی ٹپ بھی دی اور ائیر پورٹ پہنچ گئے۔ قاہرہ سے لندن کی پرواز میں پانچ گھنٹے لگتے ہیں۔ دونوں شہروں کے وقت میں ویسے بھی ایک گھنٹے کا فرق ہے۔ ہم نے حساب کتاب لگایا تو پتہ چلا کہ اگر ہم لندن جا کر روزہ افطار کریں تو ہمارا روزہ تین چار گھنٹے طویل ہو جائے گا یعنی جب ہم لندن پہنچیں گے تو سہ پہر کا وقت ہوگا جب کہ قاہرہ میں روزہ کھل چکا ہوگا۔ سو ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم انہی اوقات کے مطابق روزہ کھولیں گے جن کے مطابق روزہ رکھا تھا۔ فضائی میزبان کھانے پینے کی چیزیں لے کر آئی تو ہم نے اسے بتا دیا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ہم روزے سے ہیں۔ افطار کے وقت یہ چیزیں لے آنا۔ اس نے افطار کا وقت پوچھا تو ہم نے اس سے درخواست کی کہ وہ پائلٹ سے قاہرہ میں غروب آفتاب کا وقت پوچھ لے۔ وہی ہمارے افطار کا وقت ہوگا۔ اب تک ہمیں کئی بار یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ آپ اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل کریں تو اپنے پرائے سبھی آپ کی عزت کرتے ہیں۔ اس فضائی میزبان نے بھی بڑا اکرام کیا اور افطاری کے وقت کھانے پینے کی اشیاء کا ڈھیر لگا دیا۔ ہم نے پرواز سے پہلے ہی سیٹ کنفرم کرواتے وقت بتا دیا تھا کہ ہمیں سبزیوں والی خوراک دی جائے۔ فضائی میزبان نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہ الگ بات کہ سبزیاں ابلی ہوئی تھیں اور ان میں کوئی ذائقہ نہیں تھا۔ ہمارے کہنے پر وہ انڈوں کا آملیٹ بنا لائی، جب وہ ہماری خدمت میں مصروف تھی تو اس نے بتایا کہ آگے ایک خاتون بیٹھی ہوئی ہیں وہ بھی روزے سے ہیں لیکن افطار کرنے پر رضا مند نہیں۔ کہتی ہیں، لندن جا کر روزہ کھولوں گی۔ آپ کو زحمت نہ ہو تو انہیں بھی سمجھائیں۔ ہم اس کے ساتھ آگے گئے ایک دبلی پتلی باوقار سی خاتون تھیں۔ انہیں سمجھایا کہ آپ قاہرہ سے روزہ رکھ کر چلی ہیں تو قاہرہ کے وقت کے مطابق ہی روزہ افطار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ مان گئیں۔ فضائی میزبان نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور اس خاتون کی خدمت میں مصروف ہوگئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انگلینڈ واپسی

ہیتھروائیرپورٹ اتر کر ہم نے میٹروٹرین کا سہارا لیا اور دو تین ٹرینیں بدل کر ومبلے پہنچ گئے جہاں سکندر رہائش پذیر تھے۔ یاسمین نے افطار پر اچھا خاصا اہتمام کر رکھا تھا۔ ہم نے ہنستے ہوئے بتایا کہ روزہ گرچہ ہم افطار کر آئے ہیں لیکن ان کے بنائے ہوئے کھانوں کی جو خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں ان کے پیش نظر ہم روزہ دوبارہ افطار کریں گے۔ سکندر بھی پہنچ گئے اور سب نے مل کر روزہ افطار کیا۔

لندن میں ہمارے پاس دو دن تھے۔ ہفتہ اور اتوار۔ ہفتے کے دن سب سے پہلے تو ہم نے واشنگٹن کے لیے سیٹ کنفرم کروائی پھر ''اوریجنل ٹورز'' نامی ایک کمپنی کی بس کی ٹکٹ خریدی یہ ڈبل ڈیکر بس بیکر سٹریٹ سے چلتی ہے اور پورے لندن کا چکر لگاتی ہے۔ لندن آئی، (بڑے پہیے کی شکل کا ایک بہت بڑا جھولا، جس پر سے پورا لندن نظر آتا ہے) ملکہ الزبتھ اور شاہی خاندان کی رہائش گاہ بکنگھم پیلس، بگ بین (ایک بڑا گھڑیال جو ہر گھنٹے بعد گھنٹیاں بجاتا ہے اور یہ آواز بی بی سی سروس میں سنائی دیتی ہے) ویسٹ منسٹر (جہاں شاہی خاندان کے لوگ دفن ہیں) ٹاور برج، ٹاور آف لندن، ٹریفالگر سکیر، رسل سکیر وغیرہ سے گزرتی تھی۔ ٹکٹ چوبیس گھنٹوں کے لیے کارآمد تھی، آپ جہاں چاہیں اتر جائیں اردگرد کی چیزیں دیکھ کر پھر بس میں آ بیٹھیں، نشستوں کے ساتھ ہیڈ فون لگے ہوتے ہیں جن میں انگریزی کے علاوہ سات آٹھ زبانوں میں کمنٹری ہو رہی ہوتی ہے اور جہاں جہاں سے بس گزرتی ہے، اس کی تاریخ اور دیگر معلومات مہیا کی جاتی ہیں۔ ان دنوں یہ کمپنی اپنی پچاسویں سالگرہ منا رہی تھی اور انہوں نے بہت سے اداروں سے مل کر یہ اہتمام کر رکھا تھا کہ جو

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کی ٹکٹ خریدے انہیں سینماؤں اور دیگر قابل دید مقامات کی ٹکٹوں پر خاص رعایت مل جائے۔ اس کے علاوہ وہ ایک بجرے میں دریائے ٹیمز کی سیر بھی کرواتے ہیں۔

ہم ٹکٹ لے کر بس میں بیٹھ تو گئے لیکن جب کمنٹری سنی شروع کی کہ یہ لندن کا فلاں حصہ ہے، یہاں فلاں سال میں آگ لگ گئی تھی، سب کچھ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا، یہ فلاں عمارت ہے، فلاں سال میں تعمیر ہوئی تھی، تو جانے ہم پر کیا بھوت سوار ہوا کہ ہمیں غصہ آنے لگا۔ ''یہ انگریز! انہوں نے ہماری تاریخ مسخ کر کے رکھ دی۔ ہمیں صدیوں غلام بنائے رکھا اور اب یہ ہمیں اپنی تاریخ پڑھا رہے ہیں۔ ہمیں کوئی دلچسپی نہیں تمہاری تاریخ سے۔ غصے میں ہم بس سے اتر آئے اور گھر کی راہ لی۔ یاسمین نے پوچھا کہ اتنی جلدی کیسے آگئے۔ انہیں اپنی ذہنی کیفیت بتائی اور بس والی کہانی بھی سنائی۔ وہ بہت ہنسیں اور بولیں ''ٹکٹ کیوں خریدا تھا۔''

''بس۔ اس وقت خیال نہیں آیا۔ پارہ تو بعد میں چڑھنا شروع ہوا۔''

انہوں نے کہا: ''انگریزوں کو جو پیسے دے دیے ہیں، وہ تو ان سے وصول کریں۔''

کچھ یاسمین نے سمجھایا، کچھ ہمارا غصہ ٹھنڈا ہوا تو ہم دریائے ٹیمز گئے اور ایک جہاز میں بیٹھ کر دریا کی سیر سے لطف اٹھایا۔

یورپ کا بہترین ریسرچ سینٹر:

شام کو پروفیسر خورشید احمد صاحب (سابق سینیٹر۔ نائب امیر جماعتِ اسلامی) کا فون آیا۔ انہوں نے لیسٹر میں ایک یونیورسٹی قائم کر رکھی ہے۔ انہوں نے دعوت دی کہ سوموار کے روز ہم وہ یونیورسٹی دیکھنے آئیں۔ ہم نے بتایا کہ سوموار کو تو ہم واشنگٹن واپس جا رہے ہیں اور سیٹ کنفرم کروا چکے ہیں۔ انہوں نے دوسرے روز یعنی اتوار کو آنے کو کہا اور بتایا کہ وہ خاص ہمارے لیے یونیورسٹی کھلوائیں گے۔ سکندر کی چھٹی تھی انہوں نے ہمیں لیسٹر لے جانے کی پیشکش کی۔

اس یونیورسٹی کا اصل نام دی مارک فیلڈ انسٹیٹیوٹ آف ہائیر ایجوکیشنل (Mitie) ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کی ایک تنظیم اسلامک فاؤنڈیشن کا ادارہ ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن ۱۹۷۳ء میں ایک دکان کے اوپر واقع ایک چھوٹے سے کمرے میں قائم کی گئی تھی۔ یہ ادارہ اب تک انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں میں تین سو سے زیادہ کتابیں شائع کر چکا ہے۔ تین رسالے بھی نکالتے ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں مارک فیلڈ انسٹیٹیوٹ قائم کیا گیا۔ پہلے یہ ایک چھوٹی سی عمارت میں تھا لیکن ۲۰۰۳ء میں ایک بڑی عمارت میں شفٹ ہوگیا۔ اس کی افتتاحی تقریب میں ملکہ الزبتھ کے بڑے بیٹے، (لیڈی ڈیانہ کے شوہر) پرنس آف ویلز چارلس فلپ آرتھر جارج مہمان خصوصی تھے۔

ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی جب سکندر ہمیں لے کر لیسٹر روانہ ہوئے۔ صاف ستھری سپاٹ سڑک ہے اور اردگرد سرسبز وشاداب مرغزار کہ جنہیں دیکھنے سے آنکھوں کو طراوت ملتی ہے۔ لندن سے لیسٹر ڈیڑھ گھنٹے کا رستہ تھا جس کا پتہ ہی نہیں چلا۔ پروفیسر خورشید احمد اور ان کے ساتھیوں نے کھلے بازوؤں سے ہمارا استقبال کیا۔ ہم واقعی شکر گزار تھے کہ وہ چھٹی کے دن دور دور سے تشریف لائے۔ پروفیسر خورشید اس انسٹیٹیوٹ کے ریکٹر ہیں، ڈاکٹر مناظر احسن وائس ریکٹر۔ دنیا بھر کے اعلیٰ دماغ انہوں نے یہاں جمع کر رکھے ہیں۔ ان میں نومسلم جرمن سفیر ڈاکٹر مراد ہوفمین بھی ہیں۔ وہ اسلام کی طرف کیسے آئے اور اس سفر میں ان پر کیا گزری، اس موضوع پر انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ ترکی کے موجودہ وزیراعظم ڈاکٹر احمد داود اوغلو، وزارت عظمیٰ سے پہلے تو یہاں پڑھانے آتے رہے ہیں کہ ان کا اصل میدان تو تعلیم ہی تھا۔ پھر دوستوں کے مشورے پر سیاست میں نکل گئے۔ انسٹیٹیوٹ کے مستقل اساتذہ میں سعودی عرب کے عادل صلاحی بھی ہیں۔ جن دنوں ہم سعودی عرب میں تھے تو ''عرب نیوز'' میں ہر جمعے کو ان کا ایک کالم (انگریزی زبان میں) شائع ہوتا تھا ''ڈائیلاگ'' کے عنوان سے۔ سعودی عرب میں دنیا بھر کے مسلمان آتے ہیں، کوئی حج یا عمرہ کرنے اور کوئی ملازمت یا کاروبار کے سلسلے میں۔ اپنے اپنے ملکوں میں وہ اپنے علماء کی ہدایات کے مطابق دین پر عمل کرتے ہیں لیکن یہاں انہیں بہت سی باتیں ایسی نظر آتی ہیں جو ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملکوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ ذہنوں میں وسوسے، خدشات اور سوالات جنم لیتے ہیں۔ تو لوگ اپنے شبہات اور سوالات عادل صلاحی صاحب کو بھیجتے تھے اور وہ قرآنی آیات اور مستند احادیث کی روشنی میں ان کے جوابات دیتے تھے۔ ان کا کالم اتنا مقبول تھا کہ نہ صرف یونٹ میں پڑھا جاتا تھا بلکہ اس کے تراشے بھی محفوظ رکھے جاتے تھے۔ دو سالوں کے بعد جب پاکستان سے ایک اور یونٹ ہماری جگہ لینے آئی تو یہ تراشے بھی ان کے حوالے کیے گئے۔ بعد میں سوال وجواب کا یہ سلسلہ پاکستان میں ''ڈائیلاگ'' کے نام سے شائع بھی ہوا اور بلا قیمت وسیع پیمانے پر تقسیم کیا گیا کہ عقائد کو سدھارنے کے لیے یہ زبردست کتاب ہے۔ ہمیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ پروفیسر خورشید انہیں مستقل طور پر وہاں لے آئے ہیں۔

پروفیسر خورشید صاحب نے بتایا کہ انسٹیٹیوٹ میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے ساتھ پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ کے کورس بھی کروائے جاتے ہیں۔ اسلامک مینجمنٹ، بنکنگ اور فنانس خصوصی فیلڈ ہے جس میں ریسرچ کے بڑے بڑے منصوبوں پر کام ہو رہا تھا۔ ایک خاص کورس مسلم چیپلسنسی (Muslim Chaplaincy) کا ہے جس میں نہ صرف مسجدوں میں امامت کی تعلیم دی جاتی ہے بلکہ انہیں یورپی معاشرے میں حکومت کے ساتھ دین اسلام کا پیغام پھیلانے، جیلوں، ہسپتالوں اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں کام کرنے اور دوسروں کے عقائد اور ثقافتی اقدار کو سمجھنے اور ان سے روابط بڑھانے کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

انسٹیٹیوٹ کا برطانیہ کی لکبر و یونیورسٹی کے ساتھ الحاق تو ہے ہی لیکن وہ دنیا کی دوسری یونیورسٹیوں جیسے یونیورسٹی آف لیسٹر، یونیورسٹی آف برمنگھم، انٹرنیشنل یونیورسٹی کوالالمپور، ملائشیا، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی چٹاگانگ (بنگلہ دیش) سعودی عرب اور مراکش کے اداروں کے ساتھ بھی موثر رابطے میں رہتے ہیں۔ اس وقت پورے یورپ میں اس سے بہتر تحقیقاتی مرکز اور کوئی نہیں۔ تمام براعظموں کے ممالک کے طلبہ یہاں آتے ہیں اور علم کی پیاس بجھاتے ہیں۔ ماحول خالص اصلاحی ہے۔ گورے کالے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں کوئی تمیز نہیں۔ اسلامی اخوت اور برادرانہ رشتوں کے خوبصورت بندھن نظر آتے ہیں۔

انسٹیٹیوٹ دیکھ کر ہم لیسٹر شہر گئے۔ وہاں کچھ دوستوں سے ملاقات کے بعد لندن واپس آ گئے۔ سوموار کو واشنگٹن کے لیے روانہ ہوئے۔ لندن اور واشنگٹن کے درمیان وقت میں پانچ گھنٹے کا فرق یعنی اگر لندن میں صبح کے پانچ بج رہے ہوں تو واشنگٹن میں ابھی رات کے بارہ بج رہے ہوتے ہیں۔ لندن سے اڑنے والا جہاز واشنگٹن پہنچنے میں آٹھ گھنٹے لیتا ہے۔ ہم لندن سے روزہ رکھ کر چلتے تو واشنگٹن میں دن نے از سر نو شروع ہونا تھا اس لیے ہم نے وہی اجتہاد یہاں استعمال کیا جو قاہرہ سے لندن آتے ہوئے استعمال کیا تھا اور پرواز کے دوران ہی جب لندن میں غروب آفتاب کا وقت ہوا، روزہ افطار کر لیا۔

واشنگٹن میں سمیر ہمیں لینے آئے ہوئے تھے۔ ایک دو روز ہم نے ورجینیا میں گزارے اور پھر واپسی کی ٹھانی لیکن سینے زئے واپسی سے پہلے نیویارک جانا تھا۔ عظیم میاں کا اصرار تھا کہ ان سے ملاقات کے لیے ضرور آئیں۔ وہ اقوام متحدہ میں جنگ اور جیوٹیلیویژن کے نمائندے ہیں۔

یو این او میں:

تیر بھائی نے مشورہ دیا کہ گرے لائنز کی سروس بہتر ہے اس سے نیویارک جائیں۔ سو سمیر ہمیں گرے لائنز کے سٹیشن پر چھوڑ آئے۔ ۴۲ ڈالر کی ٹکٹ تھی۔ واشنگٹن سے نیویارک تک۔ ہم ٹکٹ لے کر اپنی بس کی طرف آئے تو ایک فربہ سی خاتون نے ہمارا استقبال کیا۔ سامان بس کے نیچے بنے ہوئے کیبنوں میں رکھا۔ مسافروں کو نشستیں سنبھالنے کو کہا۔ جب اس نے انجن سٹارٹ کیا تو مختلف پینلوں کی جانچ پڑتال کے بعد نہایت افسوس سے اعلان کیا کہ یہ بس خراب ہے۔ تمام مسافروں کو نیچے اترنا ہوگا۔ اپنا سامان حاصل کریں، میں اتنے میں دوسری بس کا بندوبست کرتی ہوں۔ زحمت پر معذرت۔ ہم نے بس سے اترتے ہوئے اسے کہا،

''حیرت ہے، آپ کے ہاں بھی بسیں خراب ہو جاتی ہیں۔''

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''کیوں؟ ہمارے ہاں مریخ پر جانے والے راکٹ خراب ہو جاتے ہیں، یہ تو پھر بس ہے شکر کرو کہ تم کسی راکٹ میں نہیں تھے۔'' اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔

فوراً ہی دوسری بس آ گئی۔ موسم ابرآلود تھا۔ سخت سرد ہوا چل رہی تھی۔ بس چلی تو تھوڑی دیر ہی میں ماحول آرام دہ ہو گیا۔ یہ کافی اونچی بس تھی اور اردگرد کے مناظر صاف نظر آتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ماحول گرم ہونا شروع ہو گیا۔ تکلیف دہ حد تک۔ ہم نے اپنا کوٹ اتار دیا۔ باقی مسافر بھی بے چین ہو کر پہلو بدل رہے تھے۔ بالآخر ہمیں نے خاتون ڈرائیور سے رابطے کا فیصلہ کیا۔ ہم نشست سے اٹھ کر آگے گئے۔ ڈرائیور پورے انہماک سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ ہم نے جب دیکھا کہ آگے پیچھے ٹریفک کم ہے تو اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''میم، آپ سے کچھ کہنا تھا۔''

''کہو۔''

''آپ کا ہمیں روسٹ کرنے کا پروگرام ہے کیا؟''

اس نے رفتار آہستہ کی۔ ایک نظر ہمیں دیکھا اور بولی: ''نہیں۔ مجھے بھوک لگی تو تمہیں کچا ہی کھا جاؤں گی۔ لذیذ لگتے ہو۔''

اس نے ہنستے ہوئے ہاتھ بڑھا کر ہیٹر کم کر دیا۔

چار گھنٹے کے خوشگوار اور آرام دہ سفر کے بعد ہم نیویارک پہنچ گئے۔

عظیم میاں کی تلاش تھی۔ ہم انہیں ڈھونڈ ھ ہی رہے تھے کہ لاؤڈ سپیکر پر ایک اعلان سنائی دیا: ''کرنل اشفاق حسین جو واشنگٹن سے آئے ہیں انفرمیشن سنٹر سے رابطہ کریں۔'' ہم وہاں پہنچے تو عظیم میاں موجود تھے۔ انہوں نے ہمارا سامان تھاما اور سٹیشن سے باہر نکل آئے۔ دو تین گلیوں سے گزر کر وہ ایک ہوٹل میں پہنچے ''کشمیر ہوٹل'' کسی پاکستانی کا تھا۔ انہوں نے ہمارا سامان ان کے سپرد کیا اور ہمارا ہاتھ تھامے سڑک پر نکل آئے۔ یہ سٹریٹ نمبر تھی ۴۲۔ عظیم میاں نے بتایا کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اجلاس جاری ہے اور ہم وہیں جا رہے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ واقعی ہم تھوڑی دیر میں اقوامِ متحدہ کے ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔ عمارت میں داخلے کے لیے سکیورٹی کے بہت سے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور مین بلڈنگ میں داخلے تک ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے لیکن عظیم میاں کی پبلک ریلشنگ اتنی موثر تھی کہ وہ ہر رکاوٹ پر اپنا کارڈ لہراتے اور ہمارے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے بآواز بلند کہتے: ''میرے ساتھ ہیں۔'' سکیورٹی کے اہلکار مسکرا کے ہاتھ ہلاتے۔ صرف ایک کاؤنٹر پر ہم رکے، کسی اہلکار نے ہمارے پاسپورٹ کے کوائف درج کیے اور ایک پاس جاری کر دیا جس پر صرف ایک لفظ لکھا تھا "Escorted UNCA" جس کا مطلب تھا کہ یہ اقوامِ متحدہ میں اخباری نمائندوں کی ایسوی ایشن کے مہمان ہیں، ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ یوں ہم بآسانی اقوامِ متحدہ کی عمارت میں داخل ہو گئے۔ عصر کا وقت ہو چلا تھا۔ ہم نے عظیم میاں سے کہا کہ ہمیں نماز پڑھوائیں۔ انہوں نے ہمیں ایک ترک صحافی بہزاد کے سپرد کیا جو کہیں سے ایک مصلّٰی نکال لائے اور ایک کمرے میں بچھا دیا۔ ہم مختصر نماز سے فارغ ہوئے تو ایک اور صاحب کمرے میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ آپ کے دوست عظیم میاں مجھے مسلمان بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے کلمہ سکھا دیا ہے۔ انہوں نے ہمیں کلمہ سنایا اور اس کا ترجمہ بھی کیا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ایک اور دوست مجھے یہودی بنانا چاہتے ہیں، ہم نے پوچھا کہ آپ ہو کیا؟ بولے ''میں کیتھولک عیسائی ہوں۔''

ہم نے کہا کوئی حرج نہیں۔ آپ پورے خلوص سے بائبل کا مطالعہ کریں۔ ایک نہ ایک دن آپ خود بخود مسلمان ہو جائیں گے۔

وہ حیرت سے ہمارا منہ تکنے لگے۔ اتنے میں بہزاد صاحب واپس آ گئے۔ پتہ چلا کہ چند دنوں میں اقوامِ متحدہ میں اخباری نمائندوں کی ایسوسی ایشن کے انتخابات ہونے والے ہیں اور عظیم میاں صدارت کا الیکشن لڑ رہے ہیں۔ یہ ایسوسی ایشن ۱۹۴۸ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس وقت اقوامِ متحدہ کے رکن ممالک کی تعداد ۵۶ تھی اور اخباری نمائندوں کی تعداد ۵۰ جو زیادہ تر امریکہ اور کینیڈا سے متعلق تھے لیکن آج کل ان کی تعداد دو سو کے قریب ہے اور وہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دنیا بھر کے اخباروں، ٹیلیویژن چینلز اور ریڈیو کی نمائندگی کرتے ہیں۔

بہزاد صاحب نے اسلامی ملکوں کے کئی نمائندوں سے ہمارا تعارف کروایا۔ تعارف میں وہ خاص طور پر ذکر کرتے تھے کہ یہ پکے نمازی ہیں اور ابھی انہوں نے عصر کی نماز پڑھی ہے۔ ہم نے انہیں منع بھی کیا کہ یہ قابل ذکر بات نہیں ہے لیکن وہ باز نہ آئے۔ جن سے بھی ہماری ملاقات ہوئی وہ عظیم میاں کی تعریف کرتے ہی پائے گئے اور بولے کہ ان کا ووٹ عظیم میاں کے لیے ہے۔ ان ملاقاتوں سے ہم نے اندازہ لگا لیا کہ عظیم میاں کافی مقبول ہیں اور ان شاء اللہ انتخاب جیت جائیں گے۔ ہم نے انہیں بتایا کہ آپ انتخاب جیت جائیں گے۔ وہ اس معاملے میں پُر یقین نہیں تھے، بولے کہ بھارت اور اسرائیل کے نمائندے میرے خلاف بڑے سرگرم ہیں اور مجھے ہرانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔

ہم واپس سینے زئے جا چکے تھے جب ان کا فون آیا اور انہوں نے بتایا کہ ہماری پیشین گوئی درست ثابت ہوئی اور وہ انتخاب جیت گئے ہیں۔ اقوام متحدہ کی ۶۵ سالہ تاریخ میں وہ دوسرے پاکستانی تھے جو اقوام متحدہ میں اخباری نمائندوں کی ایسوسی ایشن (UNCA) کے صدر منتخب ہوئے۔

بہزاد صاحب ہمیں لے کر گھوم رہے تھے کہ ایک ترک خاتون گھبرائی گھبرائی ہمارے قریب سے گزری اور اس نے انہیں بتایا کہ جنرل اسمبلی نے عراق اور افغانستان کے خلاف قرارداد منظور کر لی ہے۔ بہزاد صاحب نے اجازت چاہی کہ وہ اپنے اخبار کو خبر بھیج دیں، وہ ہمیں ایک ہال میں چھوڑ گئے۔ وہاں حضرت مریم علیہا السلام کا ایک مجسمہ لگا ہوا تھا جس کے نیچے لکھا تھا کہ جب ناگاساکی پر ایٹم بم گرایا گیا تو یہ مجسمہ چند میل دور پڑا ہوا ملا تھا۔ ایک شوکیس میں چند جاپانی سکے پڑے تھے جو شدید آگ میں پگھل گئے تھے۔ ایک بورڈ پر لکھا تھا:

''دنیا میں ہر سال ۷۸۰ بلین ڈالر فوجی اخراجات پر اٹھ جاتے ہیں۔ جب تک آپ اس ہال کی سیر مکمل کریں گے نوے لاکھ ڈالر فوجی اخراجات پر صرف ہو

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چکے ہوں گے۔ ہمیں امن قائم کرنے اور انسانوں کی فلاح وبہبود کے لیے شروع کیے گئے منصوبوں کے لیے ان اخراجات کا صرف تیس فیصد درکار ہے۔"

عظیم میاں خبریں بھیجنے سے فارغ ہوئے تو افطار کا وقت ہو چلا تھا، وہ ہمیں لے کر اقوام متحدہ کے کیفے ٹیریا میں آ گئے۔ انہوں نے پھلوں اور بہت سی دوسری چیزوں کا انتخاب کیا۔ پھل بے ذائقہ تھے اور دیگر اشیاء بھی بدمزہ۔ عظیم میاں بھانپ گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ساری چیزیں دھری رہ گئیں اور وہ ہمیں لے کر کشمیر ہوٹل آ گئے۔ یہ کسی پاکستانی نے ۱۹۹۶ء میں شروع کیا تھا۔ اور میاں نواز شریف نے اس کا افتتاح کیا تھا۔ یہاں دیسی کھانے تھے خوش ذائقہ اور لسی بھی۔ ہم نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔

عظیم میاں مین ہٹن میں رہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آنے جانے میں آپ کا وقت ضائع ہوگا۔ آپ کو یہیں کہیں ٹھہرائے دیتے ہیں۔ انہوں نے میڈیسن ہوٹل کا انتخاب کیا اور سارے اخراجات کی ادائیگی ایڈوانس میں کر دی۔ اس میں ناشتہ شامل تھا جو ہم نے سحری کے وقت لینا تھا۔ جب ہم نے ہوٹل والوں سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ اتنی رات گئے تو ان کے عملے کا کوئی فرد موجود نہیں ہوگا۔ انہوں نے ہمیں ایک کوپن دیا اور پڑوس میں ایک پاکستانی ہوٹل کا پتہ بتایا کہ آپ وہاں جا کر کھا پی آئیں۔

سحری کے وقت ہم اس ہوٹل پر گئے اور جو کچھ میسر تھا، اس پر شکر ادا کیا۔ سحری کے بعد ہم نے تھوڑی دیر چہل قدمی کی۔ ساتھ ہی ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ تھی جو ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے پہلے امریکہ کی سب سے اونچی عمارت تھی۔ اس کی ۱۰۲ منزلیں ہیں اور ۴۴۳ میٹر بلند ہے۔ ہم جب وہاں گھوم رہے تھے تو موسم ابر آلود تھا اور اس عمارت کا اوپر کا حصہ بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ بس سرخ اور سبز بتیاں جل بجھ رہی تھیں۔

دوسرے دن عظیم میاں آئے تو انہیں بتایا کہ ٹکٹوں میں تبدیلی کروانی ہے کیونکہ اہلیہ پریشان تھیں اور ان کا کہنا تھا کہ باقی سارے پروگرام منسوخ کر کے واپس آ جائیں۔ "دیکھو امریکہ" کے پیکج کے تحت ہم نے ٹکٹیں اس طرح لی تھیں کہ نیویارک سے شمال میں شکاگو

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتے جہاں عبدالملک مجاہد بھائی سے ملنا تھا، وہاں سے امریکہ کے جنوب میں فلوریڈا وغیرہ۔ لیکن سب پروگرام منسوخ کر کے ہم نے سان فرانسسکو جانا طے کیا۔ ٹکٹوں کی تبدیلی میں سو ڈالر لگے۔ عظیم میاں ہمیں چھوڑنے ایئرپورٹ آئے۔ پرواز کی روانگی میں تین گھنٹے باقی تھے۔ ہم نے بہت اصرار کیا کہ عظیم میاں واپس چلے جائیں لیکن وہ آخر وقت تک ہمارے ساتھ رہے۔ بلکہ انہوں نے افطاری کے لیے دوشاپر بھی دیئے ایک میں بیکری کے آئٹم تھے۔ دوسرے میں پھل۔

پرواز روانہ ہوئی اور ہوسٹن میں ایک گھنٹے عارضی قیام کے بعد ہم سان فرانسسکو پہنچ گئے۔

ڈرائیونگ ٹسٹ:

جب ہم مصر، اردن اور لندن سے ہو کر واپس امریکہ پہنچے تو پکے لائسنس کے لیے ڈرائیونگ ٹسٹ قریب تھا۔ ڈیپارٹمنٹ آف موٹر وہیکلز کے دفتر گئے اور چاہا کہ ڈرائیونگ ٹسٹ کے لیے وقت دیا جائے۔ ایک خاتون نے ہمارے عارضی ڈرائیونگ لائسنس سے کمپیوٹر میں کچھ کوائف درج کیے اور ایک ہفتے بعد کی کوئی تاریخ دے دی۔ ہمیں اپنے ملک میں فوجی افسر ہونے کے ناطے ہر جگہ کوئی نہ کوئی امتیازی حیثیت مل جاتی ہے۔ ہم اسی کے عادی تھے۔ کہا کہ ذرا پہلے کی کوئی تاریخ دے دیں۔ متعلقہ کلرک بولی کہ وہ کیسے؟ جو لوگ آپ سے پہلے آئے تھے وہ پہلے ٹسٹ دیں گے۔ میں نے ان کے فوراً بعد آپ کو تاریخ دی ہے۔ صبح دس بجے آ جائیے گا۔

ہم کھڑے رہے اور عارضی ڈرائیونگ لائسنس کو گھورتے رہے۔

''اب کیا ہے؟'' پوچھا گیا۔

''دیکھیں۔ میرا ڈرائیورنگ لائسنس پرسوں ختم ہو رہا ہے۔ آپ نے مجھے ایک ہفتے کے بعد کی تاریخ دی ہے۔ اس دوران میں کیا کروں گا؟''

''اوہو! یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ دینا مجھے اپنا لائسنس۔''

اس نے کمپیوٹر پر کچھ اندراج کیے۔ پرنٹ کا بٹن دبایا۔ نیا ڈرائیونگ لائسنس نکل آیا۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک اور مشین میں ڈال کر اس پر پلاسٹک چڑھایا اور تازہ کیک کی طرح گرم لائسنس تھماتے ہوئے بولی ''میں نے ایک مہینے کی توسیع کر دی ہے۔ اگر آپ فیل بھی ہوگئے تو گاڑی چلاتے رہنا۔ اب بولو؟''

ہم کیا بولتے۔ شکریہ ادا کر کے لوٹ آئے۔ اس ساری کارروائی میں پانچ سات منٹ لگے ہوں گے۔

مقررہ تاریخ کو ہم پہنچ گئے۔ دفاتر کے پیچھے وسیع پارکنگ تھی۔ ہمیں بتایا گیا کہ ہم بے نمبر ۵ (Bay No. 5) میں جا کر گاڑی پارک کر لیں۔ کوئی انسپکٹر خود ہی آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔ ہم چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں پولیس کی یونیفارم میں ملبوس ایک سمارٹ سی خاتون آئی اور ڈرائیور کی بالمقابل کھڑکی کو بجایا۔ ہم نے شیشہ نیچے کیا تو بولی کہ میں آپ کے ساتھ بیٹھ سکتی ہوں۔ ہم نے خوش آمدید کہا تو وہ دروازہ کھول کر ہماری ساتھ والی نشست پر بیٹھ گئی اور بولی کہ خوش آمدید تو مجھے کہنا چاہیے کہ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ اس کے بعد اس نے ٹسٹ کے طریق کار کی وضاحت کی۔ ڈرائیونگ کے دوران میں کہوں گی کہ دائیں مڑیں، بائیں مڑیں یا لین تبدیل کریں، آپ نے فوراً ہی گاڑی نہیں موڑنی بلکہ سوچ سمجھ کر بتائے گئے طریقوں کے مطابق عمل کریں۔ گاڑی سٹارٹ کروا کے وہ ہمیں پارکنگ ایریا سے باہر لے آئی۔ پہلے وہ ہمیں مختلف گلیوں میں لیے پھرتی رہی، پھر ایک گلی میں گاڑی رکوا دی۔ ریورس کرنے کو کہا جب اسے یہ یقین ہوگیا کہ ہم اناڑی نہیں ہیں تو بڑی شاہراہ (Highway) پر لے آئی۔ دو تین مرتبہ لین تبدیل کروائی۔ چوکوں سے گزارا اور پھر واپس چلنے کو کہا۔ پارکنگ میں آ کر جب اس نے انجن بند کرا دیا تو بولی:

''آپ کو مبارک ہو۔ آپ ٹسٹ میں پاس ہوگئے ہیں۔ آپ کا پکا ڈرائیونگ ٹسٹ ہیڈکوارٹر سے بن کر آئے گا۔ ہفتے ایک میں مل جائے گا۔ لیکن......''

''لیکن......؟ ہم نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''پریشان مت ہوں۔ صرف دو باتوں کا مشورہ دینا چاہوں گی۔

SULEMANI.COM.PK

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

"ضرور، ضرور۔"

"ایک تو آپ جب لین تبدیل کرتے ہیں تو عقبی آئینے میں دیکھتے ہیں، لکھی گئی ہدایات کے مطابق آپ ٹھیک کرتے ہیں لیکن جو بات لکھی ہوئی نہیں ہے وہ یہ کہ آپ اپنی آنے جانے والی ٹریفک سے فاصلہ رکھتے ہوئے مڑ کر ضرور دیکھیں۔ اگر کوئی گاڑی آپ کے بالکل قریب ہے تو وہ عقبی آئینہ میں نظر نہیں آئے گی اور آپ اس سے رگڑ کھائیں گے۔"

اس کا مشاہدہ بالکل درست تھا۔ اس کی ہمیں عادت تھی نہ ہے اور دو ایک بار ہم نے نقصان بھی اٹھایا۔ دوسری بات اس نے یہ بتائی کہ آپ چوک میں معذور افراد کے لیے مخصوص جگہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ چونکہ آپ کے ملک میں اس کا اہتمام نہیں ہوتا، اس لیے آپ کو اس کی عادت نہیں پڑی لیکن یہاں ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کا خیال رکھیں۔"

محفوظ ڈرائیونگ کی تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے وہ رخصت ہونے لگی تو ہم نے کہا: "شکریے کی علامت کے طور پر ہم آپ کو لمبی ڈرائیونگ پر لے چلیں۔ سان فرانسسکو چلتے ہیں، کافی اور لنچ شامل۔"

ہنستے ہوئے بولی: "میں نے سارے دن ڈرائیونگ ہی کرنی ہے۔ آپ جیسے بہت سے امیدوار میرے منتظر ہوں گے۔ پھر کسی دن کسی اور وقت۔"

یوں کسی امریکی لڑکی سے ڈیٹ مارنے کی پہلی کوشش ہی امریکی پولیس نے ناکام بنا دی۔

امریکہ واپس آئے تو بلا مقصد گھومنے پھرنے کا ہمیں کوئی شوق نہ تھا کہ یہ تو خالی الذہن لوگوں کا مشغلہ ہوتا ہے۔ شارح علیہ السلام نے بازاروں کو بدترین جگہیں قرار دیا ہے تو ان بدترین جگہوں پر گھومتے پھرتے ہوئے ضرورت، بلا ضرورت چیزوں کو دیکھ دیکھ آنکھیں سینکنا (ونڈو شاپنگ) کیسے پسندیدہ عمل ہوسکتا ہے؟ یہ انہی لوگوں کا کام ہے جن کے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دل دنیا کی محبت میں لتھڑے ہوئے ہیں۔سورۃ الاعراف آیت نمبر 176 میں دنیا کی محبت میں مبتلا شخص کو ایسے کتے سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی ہر وقت لٹکی ہوئی زبان اور ٹپکتی رال ایک نہ بجھنے والی آتش حرص اور کبھی نہ سیر ہونے والی نیت کا پتہ دیتی ہے۔

(تفہیم القرآن۔جلد دوم،101)

تو ہمیں سینے زئے کی لائبریری پھر یاد آ ئی کہ بازاروں اور پلازوں میں بلامقصد گھومنے پھرنے کا ہمیں کوئی شوق نہ تھا۔لائبریری میں بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔کتابوں کی رفاقت بھلی لگتی تھی۔ایک صبح لائبریری گئے، دو تین کتابیں نکالیں اور اپنے مخصوص کیبن میں چلے گئے۔تھوڑی دیر گزری تھی کہ لائبریرین آ گئی۔بولی،''آپ بڑے دنوں بعد آئے ہیں؟''

بتایا کہ ہم لندن گئے تھے۔وہاں سے مصر اور اردن۔نئی کتاب اور ایک دستاویزی فلم کے لیے تحقیقاتی سفر تھا۔بولی،''آپ بتا کر نہیں گئے؟''

''کیا فرض تھا آپ کو بتانا؟'' ہم نے سپاٹ انداز میں پوچھا۔

''نہیں۔قانونی طور پر تو ایسی کوئی پابندی نہیں۔'' اس کے لہجے میں ملال تھا اور چہرے پر غم کی پرچھائیں۔اس کے بال سنہرے تھے، رنگت سپید۔افسردگی صاف عیاں تھی۔ہمیں حیرت ہوئی، پوچھا،''ایک آدمی کے آنے نہ آنے سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟''

بولی،''بات ایک آدمی کی نہیں ہے۔ایک ایسے آدمی کی ہے جو مختلف ہے۔ادیب ہے۔آپ انہاک سے کتابیں پڑھتے ہیں۔کتابوں کی جستجو میں رہتے ہیں۔مجھے یاد ہے آپ کو ایک مرتبہ ایک کتاب یہاں نہیں ملی تھی تو آپ ایک دوسری لائبریری بھی گئے تھے۔''

''اچھا تو آپ میرا تعاقب بھی کرتی رہی ہیں؟''

مسکرائی اور بولی،''کسی برے ارادے سے نہیں۔بس میں جاننا چاہتی تھی کہ آپ کو مطلوبہ کتاب مل گئی یا نہیں۔

آپ لائبریری میں آنے والوں کا اتنا خیال رکھتی ہیں۔''

ہر ایک کا نہیں۔میں نے بتایا نا کہ آپ مختلف ہیں اور ہمیں یاد آیا کہ جب اس سے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارا لائبریری کارڈ بنا کر دیا تھا تو اس وقت بھی بڑی اپنائیت کا اظہار کیا تھا۔ ہم اسے معمول کی کارروائی ہی سمجھے تھے۔ ہم نے کہا، ''مجھے پتہ ہوتا کہ آپ کے دل میں میرے لیے اتنی جگہ ہے تو میں یقیناً بتا کر جاتا۔''

وہ کھل اٹھی۔ بولی، ''آئندہ کہیں گئے تو بتا کر جائیں گے؟''

''اب ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ یہاں ہمارے قیام کی مدت پوری ہونے کو ہے۔ بس اپنے وطن واپس جائیں گے، دو تین دنوں میں۔ لائبریری آنے کا یہ شاید آخری موقع تھا۔''

اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ کافی دیر پلکیں جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ ہم نے خاموشی توڑی۔

''آپ کا سفر محفوظ اور خوشگوار ہو' نہیں کہو گی؟''

عام سا جملہ ہے۔ فضائی کمپنیوں کا زمینی عملہ بورڈنگ کارڈ دیتے ہوئے استعمال کرتا ہے۔'' اس نے جل کر کہا۔ ہمیں ہنسی آ گئی۔

اس کی دعوت پر ہم نے اس کے ساتھ کافی پی۔ پھر وہ ہمیں چھوڑنے پارکنگ تک آئی اور اس وقت تک الوداعی انداز میں ہاتھ اٹھائے کھڑی رہی جب تک ہم موڑ نہیں مڑ گئے......

اور یوں امریکہ کو اداس چھوڑ کر ہم وطن واپس لوٹ آئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوظہبی

بڑا بیٹا سعد کچھ عرصے سے ابوظہبی میں مقیم ہے۔ وہاں نیویارک یونیورسٹی نے ایک کیمپس قائم کر رکھا ہے۔ انہی کے شعبہ مواصلات میں سعد ٹیلی کمیونیکیشن انجینئر کے طور پر کام کرتے ہیں۔ تو انہوں نے ہمیں بھی بلوایا۔ مارچ کا خوشگوار مہینہ تھا جب شام چار بجے ہم ابوظہبی کے ائیرپورٹ پر اترے۔ سعد ہمارے پوتے طٰہ کے ساتھ ہمیں لینے آئے ہوئے تھے۔ ائیرپورٹ سے گھر تک چالیس منٹ کا فاصلہ تھا۔ کشادہ ہموار سڑکیں، بلند وبالا عمارات۔ دو رویہ کھجور اور بیروں کے درخت۔ فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ پھولوں کی روشیں جن میں رنگ برنگے پٹونیا کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ موسم بہار کے پھول تو اور بہت سے ہیں جیسے پینزی، فلاکس، آسٹیر، سنی ریریا، انٹرینیم (کتا پھول)، پرائمولا، ڈیانتھس وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب نومبر میں لگائے جاتے ہیں لیکن یہ زیادہ سے زیادہ مارچ اپریل تک پھول دیتے ہیں۔ پرائمولا بہت خوبصورت پھول ہے لیکن صرف پندرہ سے بیس دنوں کے لیے کھلتا ہے۔ پٹونیا واحد پودا ہے جو مئی جون تک پھول دیتا رہتا ہے تو ابوظہبی اور دبئی میں جہاں بھی گئے، پٹونیا ہی نظر آیا۔ کفایت شعاری بھی، فراست بھی، لیبر کی بچت بھی۔ کون بار بار پھول لگائے۔ ان پھولوں کو دیکھ کر جو حیرت ہوتی ہے اس کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ ابوظہبی اور دبئی کی ''مقامی مٹی'' صرف صحرائی ریت پر مشتمل ہے جس میں کوئی چیز نہیں اگ سکتی۔ اس کے لیے دریائی یا بالو مٹی چاہیے۔ حکومت نے ہزاروں نہیں لاکھوں ٹن مٹی پاکستان اور دوسرے ملکوں سے درآمد کی اور اسے پوری ریاست میں پھیلا دیا۔ اور یہ صرف ایک بار کی بات نہیں، ہر دوسرے تیسرے سال مٹی بدلنی پڑتی ہے۔ اتنی محنت مشقت سے سینچے گئے پھولوں کو دیکھ کر

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حیرت تو ہوتی ہے۔ حیرتوں کے اور بہت سے در وا ہونے کو تھے۔

سعد جس فلیٹ میں رہائش پذیر ہیں، وہ سمندر سے متصل کورنش روڈ کے بالکل قریب ہے۔ ہماری عمارت کے ساتھ ہی دو ٹاور ہیں جو بینونا ٹاور کہلاتے ہیں۔ ایک میں ایک فائیوسٹار ہوٹل ہے، دوسرا رہائشی مقاصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک کھڑکی شہر کی طرف کھلتی ہے۔ بلند وبالا عمارات نظر آتی ہیں۔ ایک عمارت کا نام لینڈ مارک ہے۔ جب بنی ہوگی تو شاید بلند ترین عمارت ہوگی اس لیے اسے لینڈ مارک کا نام دیا گیا لیکن اب اس کے قریب ہی ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے نام سے دو اور عمارتیں بن گئی ہیں جو لینڈ مارک سے کہیں زیادہ بلند ہیں۔ ان بلند عمارتوں کا ہمیں ذاتی طور پر یہ فائدہ ہوا کہ شہر میں آوارہ گردی کرتے ہوئے ہم کبھی راستہ نہیں بھولے۔ ان کے بالائی حصے ہر جگہ سے نظر آجاتے ہیں۔ کسی بڑے تجارتی مرکز یا گلی کوچوں سے گزرتے ہوئے یہ عمارتیں کبھی کبھی اوجھل ہو جاتی تھیں لیکن کسی قریبی بڑی شاہراہ پر آجاتے تو یہ قطبی ستارے کی طرح سمت کا تعین کرنے میں مدد کرتیں۔ عین نیچے برطانیہ کا سفارت خانہ تھا جو اکثر سنسان پڑا رہتا۔ ایک سوئمنگ پول بھی تھا جس کا پانی تو شفاف تھا لیکن کبھی کوئی پیراکی کرتا نظر نہیں آیا۔ ٹینس کورٹ میں البتہ کبھی کبھار کچھ نوجوان کرکٹ کھیلتے نظر آتے۔ ان کے ہاں سکیورٹی کا بھی وہ اہتمام نہیں تھا جو ہمارے ہاں نظر آتا ہے۔ ایک دن چہل قدمی کرتے ہوئے ہم ان کے استقبالیے میں داخل ہو گئے۔ ایک گوری نے بڑی دلربائی سے پوچھا: ''میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں۔''

یہ ایک عام سا فقرہ ہے جو عوام سے معاملات طے کرنے والے اداروں میں عام سنائی دیتا ہے لیکن انگریزوں کی بات الگ ہے۔ جب کوئی انگریز ہم سے یہ بات کرتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ ان سے کوئی ایسا کام لیا جائے کہ برسوں کی غلامی کا داغ دھل جائے۔ انور مسعود تو کئی بار یہ کہہ چکے ہیں کہ ان کی بڑی خواہش ہے کہ کوئی انگریز ان سے پاکستان کے کسی حاکم کے نام اردو میں درخواست لکھنے کی التجا کرے۔ صدیوں کی تھکن اتر جائے گی۔ ظاہر ہے ابھی وہ مرحلہ نہیں آیا کہ ایسے خوابوں کی تعبیر ممکن ہو، سو ہم نے اس سے پوچھا: ''بی بی!

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ بتاؤ کہ یہاں کے لوگ برطانیہ جانے کے خواہش مند نہیں ہوتے؟ ویزے کی درخواستیں نہیں آتیں تمہارے ہاں؟ میں تمہارا پڑوسی ہوں، اس عمارت کو اکثر سنسان پاتا ہوں۔''

اس نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ ویزے کی درخواستیں آتی تو ہیں لیکن اس کے لیے انہوں نے ویزہ سیکشن شہر میں کسی جگہ قائم کر رکھا ہے۔ اس نے ایک نقشہ بھی ہمیں دیا اور تفصیل سے ویزہ سیکشن تک پہنچنے کا راستہ سمجھایا۔ ہمیں برطانیہ جانا تھا نہ ویزے کی درخواست دینی تھی۔ وہ نقشہ سفارت خانے سے باہر آتے ہوئے ہم انہی کی ردی کی ایک ٹوکری میں پھینک آئے۔

بیٹے سے ایک دن سفارت خانے کی سنسانی کا ذکر آیا تو اس نے بتایا کہ انگریز ویسے تو قانون کی بڑی پابندی کرتے ہیں لیکن جب اپنا قومی دن مناتے ہیں تو قانون کی ساری حدیں پھلانگ جاتے ہیں۔ اس دن ان کے ہاں بڑی چہل پہل ہوتی ہے۔ دعوتیں اڑائیں جاتی ہیں، شراب کے دور چلتے ہیں اور انگریزی گانوں کی اتنی بلند آواز میں ریکارڈنگ ہوتی ہے کہ اردگرد رہنے والوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں لیکن انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ پوچھے کون؟ خود اماراتی ۲ دسمبر کو جب اپنا قومی دن مناتے ہیں تو ساحل پر اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی۔ آتش بازی کا زبردست مظاہرہ، ہارن پہ ہارن بجاتے ہیں اور بلند آواز میں قومی نغموں کی ریکارڈنگ۔ اس سارے غل غپاڑے سے اتنا شور ہوتا ہے کہ کورنش روڈ کے اردگرد رہنے والے ساری رات سو نہیں سکتے۔ تو انگریزوں نے بھی ان کے طور طریقے سیکھ لیے ہیں۔

ہماری عمارت کے بالکل ساتھ ہی ایک چھوٹی سی مسجد ہے مسجد سفیان بن الحارث۔ عجیب اتفاق تھا گھر کے پیچھے برطانوی سفارت خانہ اور سامنے مسجد

کعبہ مرے آگے ہی کلیسا میرے پیچھے

مسجد چھوٹی سی ہے لیکن صاف ستھری، قالینوں سے مزین، ایئر کنڈیشنڈ۔ یہاں اذان وزارت اوقاف کے اہتمام سے پورے ابوظبی میں ایک ہی وقت دی جاتی ہے۔ اذان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقت مسجدوں میں نصب لاؤڈ سپیکر کھول دیئے جاتے ہیں اور مرکزی طور پر نشر کی جانے والی اذان تمام مسجدوں میں بیک وقت سنائی دیتی ہے۔ حرکت آفتاب کے مطابق روزانہ یا دوسرے تیسرے دن اذان کا وقت تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ مسجدوں میں اوقات نماز کے لیے ڈیجٹیل کیلنڈر نصب ہیں جن میں اذان کے اوقات لکھے ہوتے ہیں۔ جماعت اذان کے بیس منٹ بعد کھڑی ہوتی ہے۔ فجر کی جماعت اذان کے پچیس منٹ بعد ادا کی جاتی ہے۔ نماز کے بعد اجتماعی دعا نہیں کی جاتی جیسے ہمارے ہاں عام رواج ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ ثابت نہیں ہے۔ مکے اور مدینے میں بھی اجتماعی دعا نہیں ہوتی۔ البتہ نماز کے بعد لوگ کافی دیر تک ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔ وزارتِ اوقاف کی طرف سے ہر مسجد میں اذکارِ مسنونہ کے چارٹ آویزاں ہیں۔ یہاں کے امام راس الخیمہ کے رہنے والے ہیں۔ چالیس سال پہلے ابوظہبی آئے تھے اور تب سے یہیں مقیم ہیں۔ ان سے کئی بار تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ وہ اسلامی ممالک میں رواج پانے والے قومیت کے تصور کے سخت خلاف تھے اور اسے امریکہ اور مغربی ممالک کی مسلمانوں کے خلاف سازش قرار دیتے تھے۔ یہ بحث میرے اس سوال کے جواب میں شروع ہوئی تھی جب ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ متحدہ عرب امارات کے وجود میں آنے سے پہلے راس الخیمہ کے لوگ کیا کہلاتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا تھا ''ایرانی'' راس الخیمہ کا ایران سے کیا تعلق ہے یا تھا، اس کا جواب آئندہ صفحات میں ملے گا۔

ابوظہبی میں ہماری آمد کے دوسرے دن جمعہ تھا۔ چھٹی کا دن۔ جمعے کی نماز ہم نے ایک جامع مسجد میں ادا کی جو ایک سڑک پار واقع تھی۔ امام مسجد کا تعلق مصر سے ہے۔ وہ بڑی خوش الحانی سے تلاوت کرتے ہیں۔ پہلی اذان کے وقت ہی نمازیوں کی اکثریت مسجد میں موجود ہوتی ہے اور امام صاحب کی تقریر بڑے غور سے سنی جاتی ہے۔ یہاں تمام مسجدوں میں یہ دیکھنے میں آیا کہ لوگ تحیۃ المسجد کی دو رکعات نماز نفل بڑے اہتمام سے ادا کرتے ہیں۔ احادیث میں اس سلسلے میں کئی روایات ہیں۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: "تجھے کس چیز نے منع کیا کہ تو نے بیٹھنے سے پہلے دو رکعات نفل نہ ادا کرے۔" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو بیٹھے دیکھا تو میں بھی بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک بیٹھے مت جب تک کہ دو رکعت (نفل، تحیۃ المسجد) ادا نہ کر لے۔" حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب جنت کے دروازے پر پہنچا تو مجھے جنت کے اندر سے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ پوچھا کہ یہ کون ہے تو بتایا گیا کہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم کون سا ایسا عمل کرتے ہو کہ تمہیں یہ مرتبہ حاصل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں باوضو رہنے کی کوشش کرتا ہوں اور ہر وضو کے بعد دو رکعت نماز تحیۃ الوضوادا کرتا ہوں۔

نماز کے بعد سعد ہمیں لے کر سیر کو نکل گئے۔ قریب ہی شارع کورنش ہے جو سمندر کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ آگے سے مڑ کر سمندر کے پار چلی جاتی ہے جہاں پکنک سپاٹ ہیں۔ لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ ایک میوزیم بھی ہے جس میں ابوظہبی کی ابتدائی تاریخ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ایک کونے میں انہی دنوں کی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اونٹ اور بکری کے بالوں سے بنے ہوئے خیمے ہیں، کنویں ہیں، چولہے ہیں، مشکیں ہیں، برتن وغیرہ۔ اونٹ اور گدھے بھی ہیں۔ اونٹ سیاحوں کو سواری کروانے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

سامنے ہی مدینہ مال ہے۔ کئی منزلہ شاپنگ سنٹر، عام ضروریات سے لے کر مہنگی گاڑیوں تک ہر چیز یہاں میسر ہے۔ مرسیڈیز بنز کے ڈسپلے سنٹر میں نئی گاڑیوں کے ساتھ ساتھ ایک قدیم گاڑی بھی کھڑی تھی۔ دیواروں پر پرانی تصویریں آویزاں تھیں۔ ان گاڑیوں کا پہلا ڈسپلے سنٹر شارع مطار یعنی ایئرپورٹ روڈ پر کھولا گیا تھا۔ شارع مطار سے ذہن میں یہی تصور ابھرتا ہے کہ ایئرپورٹ کو جانے والی سڑک بڑی شاندار ہوگی اور موجودہ ایئرپورٹ روڈ ایسی ہی ہے لیکن اس وقت یہ محض ایک کچا رستہ تھا جس پر اکثر ریت کے بگولے رقص

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے اور وہ چیز جسے ائیرپورٹ کا نام دیا گیا تھا، ائیرپورٹ کے نام پر ایک تہمت تھی۔ اس کا تفصیلی ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ ہم بات کر رہے تھے مرسیڈیز بنز کے پہلے ڈسپلے سنٹر کی۔ اس کی جو تصویر موجودہ ڈسپلے سنٹر میں آویزاں ہے، اس میں سنٹر کے چاروں طرف ریت دکھائی دیتی ہے۔ پہلی درآمد شدہ گاڑی کی ایک تصویر بھی ہے جو گھاس پھونس کے بنے ہوئے ایک شیڈ میں اس طرح کھڑی ہے کہ اس کے پہلو میں ایک اونٹ جگالی فرما رہا ہے۔

دوسرے دن سعد ہمیں اپنے دفتر لے گئے۔ یہ چھیالیس منزلہ ایک عمارت ہے "ساما ٹاورز" جس کی ایک پوری منزل میں نیویارک یونیورسٹی کے انتظامی شعبے قائم ہیں۔ ہمارا مقصد دفاتر کا معائنہ نہیں تھا بلکہ ہم اس بلند عمارت کی چھت سے ابوظبی کا نظارہ کرنا چاہتے تھے۔ بلا شبہ وہاں سے پورا ابوظبی دیکھا جا سکتا ہے۔ خلیج، ساحل، شہر کے مختلف حصے، مشہور عمارتیں، سبھی کچھ صاف نظر آتا ہے۔

مسجد شیخ زید بن سلطان:

وہاں سے ہم مسجد شیخ زید بن سلطان دیکھنے گئے۔ کیا زبردست مسجد ہے۔ یہ متحدہ عرب امارات کی سب سے بڑی اور دنیا کی آٹھویں بڑی مسجد ہے۔ اس کا رقبہ ۹۶۰x۳۸۰ مربع فٹ ہے جو مجموعی طور پر ۳۰ ایکڑ پر محیط ہے۔ پارکنگ کی جگہ اور بیرونی لینڈ سکیپ اس کے علاوہ ہے جس میں پھولوں کی روشیں، پودے اور درخت وغیرہ شامل ہیں، جو مسجد کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ اس کی تعمیر میں مغل آرٹ، سپین میں مسلمانوں کے ہاتھوں بنائی گئی عمارتوں اور ایرانی فن تعمیر کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ڈیزائن لاہور کی بادشاہی مسجد اور مراکش کی جامع مسجد حسن ثانی سے مشابہ ہے۔ مین ہال میں سات ہزار اور اس کے دونوں طرف کے چھوٹے ہالوں میں پندرہ، پندرہ سو نمازیوں کی گنجائش ہے۔ بیرونی صحن کو ملا کر اتنی گنجائش ہو جاتی ہے کہ بیک وقت چالیس ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ چاروں کونوں پر بلند مینار ہیں جن کی بلندی ۳۵۱ فٹ ہے۔ مختلف قطر کے بیاسی گنبد

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں جن کی اوسط بلندی ۲۷۹ فٹ ہے۔ مین ہال میں بچھا ہوا قالین دنیا کا سب سے بڑا قالین ہے جس کا حجم ۵۷۰x۶۰ فٹ ہے۔ اسے ایران کی ایک کمپنی نے علی خالقی نامی ایک ٹیکسٹائل انجینئر کی نگرانی میں تیار کیا۔ یہ خالص اونی قالین ہے جس کی اون ایران اور نیوزی لینڈ کی بھیڑوں سے حاصل کی گئی تھی بارہ سے تیرہ سو کاریگر دو سال تک اس کی بنائی میں مصروف رہے۔ اس کا وزن ۳۵ ٹن کے قریب ہے۔

مسجد کی ہر چیز ہی خوبصورت ہے جو دیکھنے اور غور کرنے کے لائق ہے۔ دیواروں میں اور فرشوں پر جو پتھر استعمال کیے گئے ہیں ان کے اندر رنگین پتھروں کی مدد سے پھولوں اور پتیوں کی نقش نگاری کی گئی ہے۔ قبلے کی طرف واقع دیوار کو اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں سے مزین کیا گیا ہے۔ مسجد کے ہالوں میں نفیس ترین فانوس آویزاں ہیں۔ مین ہال میں لٹکا ہوا فانوس، مسجد میں لگے ہوئے فانوسوں میں دنیا کا دوسرا بڑا فانوس ہے جس کا محیط (Dia) ۳۳ فٹ ہے۔ یہ فانوس جرمنی سے درآمد کیے گئے ہیں۔

مسجد کی ایک اور انفرادیت اس کی بیرونی محرابوں کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے تالاب ہیں جو ڈیزائن ہی اس طرح کیے گئے ہیں کہ ان میں چاند کا عکس دکھائی دیتا ہے اور اس کی روشنی منعکس ہوکر بیرونی محرابوں پر پڑتی ہے۔ چاند کی ابتدائی راتوں میں چاند کی روشنی مدھم ہوتی ہے، آسمان کی نیلاہٹ گہری، چنانچہ محرابوں پر پڑنے والی روشنی نیلی ہوتی ہے۔ جوں جوں چاند بڑھتا جاتا ہے، اس کی چاندنی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ چودھویں کی رات مسجد کی بیرونی دیواریں سفید براق چاندنی میں نہائی ہوتی ہیں۔ اگر موسم ابرآلود ہو تو تیرتے بادلوں کی پرچھائیاں تالابوں سے منعکس ہوکر دیواروں پر حرکت کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ مسجد کے میناروں اور گنبدوں کو روشن رکھنے کے لیے بجلی کی روشنیوں کا بھی اہتمام کیا گیا ہے لیکن چاند کی روشنی تالابوں سے منعکس ہوکر جس طرح بیرونی محرابوں کو منور کرتی ہے، اس کا اپنا ایک حسن ہے۔

ہم مسجد دیکھنے کے بعد باہر نکلنے کو تھے کہ سعد نے کہا کہ اس کے باتھ روم بھی دیکھ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آ ئیں۔ ہم نے کہا بھی کہ باتھ رومز کو کیا دیکھنا لیکن اس کا اصرار تھا کہ نہیں ضرور دیکھیں۔ ہمارا پوتا طہٰ بطور گائیڈ ہمارے ساتھ ہولیا۔ یہ باتھ رومز مسجد میں داخلے کے بعد جو برآمدہ ہے اس کی دونوں جانب تہہ خانے میں واقع ہیں۔ ہم جو نیچے اترے تو حیرت زدہ رہ گئے۔ سعد کا اصرار درست تھا۔ اتنے خوبصورت، صاف ستھرے اور خوشبودار باتھ روم دنیا بھر کی کسی مسجد میں نہیں ہیں۔ سنگ مرمر اور سنگ سبز سے ان باتھ رومز کی تعمیر ہوئی ہے۔ ائیرکنڈیشن لگے ہوئے ہیں۔ کتنی ہی جھلستی ہوئی گرمی ہو۔ تہہ خانے کی وجہ سے ایک تو ویسے ہی یہاں خنکی ہوتی ہے۔ ائیرکنڈیشنز کی وجہ سے مزید ٹھنڈک رہتی ہے۔ وضو کے اہتمام کے ساتھ ساتھ پینے کے پانی کی بھی سہولت مہیا کی گئی ہے۔ اس کے لیے ٹھنڈے پانی کی مشینیں بھی ہیں اور فوارے نما چھوٹے چھوٹے حوض بھی جس کے چاروں طرف ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں اور ایک بٹن دبانے پر ان سے یخ پانی برآمد ہوتا ہے۔ بچوں کو پیاس نہ بھی ہو تو وہ مشینوں کی بجائے یہاں سے پانی پینا پسند کرتے ہیں۔ انتظامیہ کے کارندے ہر وقت موجود رہتے ہیں اور صفائی میں مشغول۔ مختلف قسم کی خوشبوؤں کا سپرے کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ فضا میں کبھی لیمن کی خوشبو بسی رہتی ہے، کبھی اورنج کی، کبھی سیب کی کبھی لیونڈر کی۔

دنیا بھر کے سیاح اس مسجد کو دیکھنے آتے ہیں۔ ظاہر ہے ان میں یورپی اور مغربی ممالک کی خواتین بھی ہوتی ہیں جن میں بیشتر بکنی یا اونچے سکرٹس میں ملبوس ہوتی ہیں۔ قمیصیں بھی ان کی بغیر بازوؤں کے ہوتی ہیں۔ سر کے ڈھکے ہونے کا تو ظاہر ہے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی خواتین کے لیے انتظامیہ کی طرف سے عبایے اور سکارف مہیا کیے جاتے ہیں اور نہایت احترام سے انہیں پیش کیے جاتے ہیں۔ خواتین بڑی دلچسپی اور خوشی سے انہیں پہنتی ہیں۔ یہ بات ان کے لیے نئی نہیں ہے کہ ترکی کی مسجد ایوبی اور عیسائیت کے مرکز ویٹی کن میں بھی اس کا اہتمام ہے۔ ننگی ٹانگوں اور ننگے بازوؤں کے ساتھ ویٹی کن کے چرچ میں بھی داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ وہاں ایسی لڑکیاں بھی دیکھنے میں آئیں جو انتہائی مختصر نیکروں میں ملبوس تھیں اور انہوں نے انتظامیہ کی جانب سے مہیا کردہ لمبے سکرٹ اور بازوں کو ڈھکنے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے سکارف پہننے سے انکار کر دیا۔ انہیں داخلے کی اجازت نہیں ملی۔ تو یوں بھی ہوا کہ ان کی ساتھی اندر چلی گئیں اور وہ باہر بیٹھی ان کا انتظار کرتی رہیں۔

مسجد کے انتظامی شعبے مشرقی مینار میں قائم ہیں جب کہ شمال مشرقی کونے میں ایک لائبریری قائم ہے جس میں عربی کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، اطالوی، ہسپانوی، جرمنی اور کوریائی زبانوں کی کتابیں شامل ہیں۔ بعض نسخے دوسو سال پرانے ہیں۔

مسجد کی تعمیر شیخ زید بن سلطان النہیان نے اپنی زندگی ہی میں (۱۹۹۶ء) شروع کر دی تھی لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور دو نومبر ۲۰۰۴ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ انہیں اسی مسجد کے بیرونی پہلو میں دفن کیا گیا جہاں لاؤڈ سپیکر پر چوبیس گھنٹے قرآن حکیم کی تلاوت ہوتی رہتی ہے۔ اس کے لیے مزار کے ایک پہلو میں ایک ائیر کنڈیشنڈ کمرہ مخصوص ہے جس میں دو قاری ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ مسجد کی تعمیر ان کی رحلت کے تین سال بعد ۲۰۰۷ء میں مکمل ہوئی۔

یہاں کے ماہرین کا دعویٰ ہے کہ یہ مسجد دنیا کے اتحاد کی علامت ہے کہ اس کی تعمیر میں حصہ لینے والے ماہرین اور استعمال ہونے والے تعمیری سامان کا تعلق پوری دنیا کے نمایاں ممالک سے تھا جن میں متحدہ عرب امارات پاکستان، بھارت، ترکی، مراکش، ایران، ملائیشیا، یونان، اٹلی، جرمنی، چین، برطانیہ اور نیوزی لینڈ شامل ہیں۔ اس کی تعمیر میں مختلف ملکوں کے تین ہزار کارکنوں نے گیارہ سال تک مسلسل کام کیا۔ اڑتیس کمپنیوں کو الگ الگ کاموں کے ٹھیکے دیئے گئے تھے۔

مسجد اور اس کے گرد و نواح میں چلتے پھرتے اچھی خاصی تھکن ہو گئی تھی۔ بھوک چمک اٹھی تھی اور بچے بھی احتجاج پر اتر آئے تھے۔ سعد نے ایک سعودی کویزین کا انتخاب کیا۔ کویزین ویسے تو کسی ہوٹل کے شعبہ مطبخ یعنی کھانے پکانے کے پورے شعبے کو کہا جاتا ہے لیکن اب ہوٹلوں کے نام بھی اسی لفظ پر رکھے جانے لگے ہیں۔ اس میں ایک تو ڈائننگ ہال تھا لیکن اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کمرے بھی تھے جن میں سعودی طرز رہائش کے مطابق فرشی نشست تھی اور زمین پر ہی دستر خوان بچھا کر کھانا کھایا جاتا ہے۔ حجاب پوش خواتین کو یہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سہولت ہوتی ہے کہ وہ اپنے عبایے، برقعے اور سکارف اتار دیں اور آرام سے کھانا کھا سکیں۔ بچے جتنا چاہے اودھم مچائیں، ان کا شور کمرے سے باہر سنائی نہیں دیتا۔ ہم نے بھی ایک کمرہ لیا اور وہاں براجمان ہو گئے۔ دستک دے کر ایک ویٹرس اندر آئی۔ اس پر سعودی ثقافت کے کوئی آثار نہ تھے۔ مغربی لباس میں ملبوس تھی اور انگریزی بولتی تھی۔ پانی کی بوتلیں، گلاس اور مینو رکھ کر وہ چلی گئی۔ سعد نے پہلے سے آزمودہ دو ڈشوں کا انتخاب کیا، مندی اور زعفرانی۔ مندی ہمارے ہاں بھی ملتی ہے خاص طور پر بلوچستان میں۔ اسلام آباد میں بھی ایک آدھ جگہ دستیاب ہے۔ تیار یوں ہوتی ہے کہ سالم بکرے یا دنبے کے پیٹ میں چاول بھر کر اسے روسٹ کیا جاتا ہے۔ زعفرانی کم نمک مرچ والی چاولوں کی ڈش تھی۔ کھانا لذیذ تھا۔ مزے لے لے کر کھایا۔ تھکن کے بعد جب ڈٹ کر کھانا کھایا جائے تو غنودگی تو طاری ہوتی ہے سو ہم نے قیلولہ بھی فرمایا۔ آخر الگ کمرہ لینے کا اور فائدہ ہی کیا تھا۔ کھانا تو ہم ڈائننگ روم میں میز پر بھی تناول فرما سکتے تھے۔ طہٰ، مریم اور یحییٰ نے اودھم مچائے رکھا لیکن ہماری آنکھ لگ گئی اور ہم تر و تازہ ہو کر اٹھے۔

شاعروں اور ادیبوں سے ملاقات:

سعد کی چھٹیاں ختم ہونے کو تھیں اور ہم سوچ ہی رہے تھے کہ جب سعد دفتر جانا شروع کر دے گا تو ہم سارا دن گھر پر بیٹھ کر کیا کریں گے کہ ایک عجیب بات ہوئی۔

میں اسے شہرت کہوں یا کہ رسوائی کہوں
مجھ سے پہلے اس گلی میں میرے افسانے گئے

ایک صاحب کا گھر کے نمبر پر فون آیا۔ بولے ظہور الاسلام جاوید بول رہا ہوں اور آپ سے ملنا ہے۔ پتہ بتائیے۔ یا اللہ ہم تو ابوظہبی میں کسی کو نہیں جانتے۔ یہ کون شناسا، کہاں سے نمودار ہو گئے۔ سعد نے انہیں گھر کا پتہ سمجھایا اور خود عازم دفتر ہوا۔ تھوڑی دیر بعد گھنٹی بجی۔ ظہور صاحب تھے۔ انہوں نے بتایا کہ دو دن پہلے ہی ان کا ہم سے غائبانہ تعارف ہوا تھا۔ اور وہ یوں کہ ٹیلیویژن کے کسی چینل پر سرفراز شاہ صاحب کا پروگرام تھا۔ انہوں نے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑے خوبصورت انداز میں ہماری ساری کتابوں کا تعارف کروایا۔ظہور صاحب کو اشتیاق ہوا، مصنف سے ملنے کا۔ اسی دوران قطر سے سید فہیم الدین نے انہیں فون کر کے بتایا کہ کرنل اشفاق ابوظہبی آ رہے ہیں، ان کا خیال رکھنا۔ ہم نے فون کر کے فہیم کو اس لیے بتایا تھا کہ شاید وہ خود ابوظہبی آ جائیں اور ان سے ملاقات ہو جائے لیکن وہ خود قطر میں کسی مشاعرے کے اہتمام میں مصروف تھے۔ البتہ ظہورالاسلام جاوید کو انہوں نے خبر کر دی۔ ہم اپنی کچھ کتابیں ساتھ لے گئے تھے۔ ان کی خدمت میں پیش کیں۔ انہوں نے چند صفحات کی ورق گردانی کی، ادھر ادھر سے سونگھا اور پھر وہیں بیٹھے بیٹھے دو چار فون کیے۔ پھر حکم سنایا کہ ڈنر آپ ہمارے ساتھ کریں گے عرب ہوٹل میں۔ ہمیں اپنی کم علمی کا اعتراف ہے کہ ہم اس سے پہلے ظہور صاحب کو جانتے تھے نہ ان افراد کو جو اس رات ڈنر میں شریک تھے۔ تفصیلی تعارف وہیں ہوا۔

ظہورالاسلام جاوید چالیس برس پہلے اس وقت ابوظہبی آئے تھے جب ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ دلہن کے ہاتھوں کی مہندی بھی نہیں اتری تھی جب وہ نئی منزلوں کی تلاش میں ابوظہبی آئے۔ تھوڑی بہت جدوجہد کے بعد انہیں ایک بڑی امریکی فرم میں ملازمت مل گئی جہاں سے وہ بطور کنسلٹنٹ حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ بہت خوبصورت شاعر ہیں اور ہر سال عالمی سطح کے ایک بڑے مشاعرے کا اہتمام کرتے ہیں جس میں پاکستان اور بھارت کے علاوہ قطر، متحدہ عرب امارات، انگلینڈ، کینیڈا، ناروے، سعودی عرب اور دیگر ممالک کے شعراء شریک ہوتے ہیں۔ ظہور صاحب نہ صرف ان مشاعروں کی نظامت کرتے ہیں بلکہ بعد میں ان مشاعروں کے بارے میں ایک خوبصورت مجلّہ بھی شائع کرتے ہیں۔

ان کے والد بھی شاعر تھے انعام گوالیاری۔ جون ایلیاء کا کہنا ہے کہ مصرعے پلٹنے کا فن انہوں نے انعام صاحب سے سیکھا۔ ان کے دو شعر ؎

محمد واقفِ شانِ خدا ہیں
خدا ہے واقفِ شانِ محمد

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محمد میر ساماں زمانہ
خدا ہے میر ساماں محمد

رات کے ڈنر میں ڈاکٹر عاصم واسطی تھے جو بحالی معذوراں (Rehabilitation Sciences) کے ماہر ہیں۔ حال ہی میں ابوظہبی کی حکومت نے اس سلسلے میں ایک بڑا ادارہ قائم کر کے انہیں اس کا سربراہ مقرر کیا ہے۔ وہ ایک ماہر ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ محقق بھی ہیں اور قادر الکلام شاعر بھی۔ یعقوب تصور تھے جو جنرل منیجر تو ہیں کسی خاص تکنیکی فرم کے لیکن شاعری بھی کرتے ہیں۔ کم گو ہیں لیکن جب بولتے ہیں تو الفاظ کو نئے معنی عطا کرتے ہیں۔ ان کا ایک شعر

اڑی ہے جب سے پرندوں کے لوٹنے کی خبر
ہر ایک شخص نے پنجرہ خرید رکھا ہے

محمد کبیر خان تھے جو عرصہ دراز سے ابوظہبی کی فضائیہ میں ملازم ہیں۔ ایک خوبصورت کتاب "ہمہ یاراں دشت" کے مصنف ہیں۔ ان سے چالیس سال پہلے آئی ایس پی آر میں ملاقات ہوئی تھی۔ جب آتش جوان تھا۔ ہم نے انہیں یاد دلایا کہ اس ملاقات میں ایک بچہ بھی ان کے ہمراہ تھا۔ وہ ہماری یادداشت پر حیران ہوئے اور بتایا کہ وہ ان کا چھوٹا بھائی تھا۔

حبیب اعجاز ہاشمی تھے جو تمام ادبی تقریبات میں خاموش کارکن کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ انہوں نے دو تین ویب سائٹس بھی بنا رکھی ہیں اور تمام تقریبات کی خوبصورت رپورٹیں بنا کر ان ویب سائٹس پر جاری کرتے ہیں جن سے دنیا بھر کے لوگ استفادہ کرتے ہیں۔

اتنے خوبصورت لوگوں کے ساتھ ڈنر پر لطف تجربہ تھا۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے اعزاز میں کسی مشاعرے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہم ظہور الاسلام صاحب کو بتا چکے تھے کہ شاعری ہمارا میدان نہیں۔ شکر ہے وہ ہماری مدد کو آئے اور شاعر ہونے کے باوجود انہوں نے مشاعرے کی تجویز مسترد کر دی۔ تب سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ چلو کرنل صاحب کی نثر ہی سنتے ہیں، مزیدار ہو گی۔ ڈنر کے اختتام پر ڈاکٹر عاصم واسطی نے ہمیں گھر پر ڈراپ کیا۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طے یہ ہوا تھا کہ ۱۸ اپریل کو تقریب منعقد ہوگی اور ڈاکٹر عاصم کی مصروفیات کا یہ عالم تھا کہ پہلے انہوں نے پاکستان جانا تھا۔ آرمی میڈیکل کالج کے زیر اہتمام کسی بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کرنا تھی۔ واپسی ابوظہبی آ کر دو یا تین دنوں کے لیے ترکی جانا تھا۔ اسی بھاگ دوڑ میں دبئی میں ایک مشاعرے میں بھی شرکت کرنا تھی۔ ۱۸ اپریل کی تاریخ انہی کے مشورے پر طے کی گئی تھی کہ انہیں یقین تھا کہ وہ جب تک اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر تقریب میں شرکت کر سکیں گے۔

یوں ہوا کہ غالباً اس ڈنر کے شرکاء نے خاص طور پر ظہور الاسلام جاوید نے ہمارے آنے کی خبر اور لوگوں کو بھی دے دی۔ دوسرے دن دبئی سے نائلہ انصاری کا فون آیا۔ وہ عطیہ خلیل عرب کی بیٹی ہیں جو کراچی یونیورسٹی میں شعبہ عربی کی سربراہ رہی ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ دبئی ہی میں مقیم ہیں۔ تو نائلہ نے بتایا کہ انہوں نے اپنے گھر پر ایک مشاعرے کا اہتمام کیا ہے اور ہمیں اس میں شرکت کرنی ہے۔ ہم نے انہیں بہتیرا سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم شاعر نہیں ہیں لیکن ان کا اصرار جاری رہا کہ آپ آئیں تو سہی۔ ہاں کرتے ہی بنی۔ ڈی ڈے یعنی مشاعرے والے دن ہم بتائے گئے وقت کے مطابق ان کے گھر پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ ابھی تو کوئی اور صاحب تشریف نہیں لائے۔ انتظار کا ایک طویل چلہ کاٹنا پڑا۔ لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ آئندہ جس کسی نے بھی ہمیں مدعو کرنا چاہا ہم نے سختی سے پابندی وقت پر اصرار کیا بلکہ دھمکی دی کہ تقریب وقت پر شروع نہ ہوئی تو ہم واپس آ جائیں گے۔ اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے جس کی کچھ تفصیل آپ کو آئندہ صفحات میں ملے گی۔

نائلہ نے کئی ڈشوں پر مشتمل لنچ کا زبردست اہتمام کر رکھا تھا اس دوران مشاعرے کے شرکاء سے تعارف اور تبادلہ خیالات کا موقع ملا۔ پتہ چلا کہ نائلہ کی بھابھی ثوبیہ نے ہماری ساری کتابیں پڑھ رکھی تھیں۔ ان کا شوہر عمران ہنستا مسکراتا ایک ذہین نوجوان ہے۔ اس نے ہنستے ہوئے بتایا کہ وہ جب پاکستان جاتے ہیں، سب سے مشکل کام ثوبیہ کی فرمائشیں پوری کرنا ہوتا ہے جو کتابوں سے متعلق ہوتی ہیں۔ ثوبیہ نے بتایا کہ ان کا کام صرف کتابیں لانا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔ پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔عمران دبئی میں جنرل مشرف کے مشیروں میں شامل رہے ہیں۔ ان کے بقول انہوں نے جنرل مشرف کو مشورہ دیا تھا کہ وہ پاکستان نہ جائیں، ان کا وہاں کوئی مستقبل نہیں لیکن انہوں نے دوسرے مشیروں کی بات مانی جنھوں نے یقین دلایا تھا کہ پوری قوم ان کی راہوں میں پلکیں بچھانے کو بے تاب ہے۔نتیجہ سامنے ہے۔

بقول جلیل الدین عالی

بستی میں کوئی بھی تو ترے ساتھ رہا نا
ہم نے جو کہا تھا وہی آخر کو ہوا نا
خود تیرے گمانوں کی زمین تنگ ہے تجھ پر
اب ڈھونڈھ کسی اور علاقے میں ٹھکانا

لذت کام و دہن کے بعد مشاعرے کا آغاز ہوا۔ہم نے پچھلی نشستوں پر جگہ بنائی کہ دو تین شاعروں کو سننے کے بعد چپکے سے نکل جائیں گے۔ اپنی میزبان نائلہ انصاری کو ہم نے اس ارادے سے آگاہ کر دیا تھا اور اس بات کے پیش نظر کہ ہم وقت پر آنے کی ''غلطی'' کر کے گھنٹوں انتظار میں بیٹھے رہے تھے، انہوں نے ہمیں اجازت دے دی تھی لیکن جب مشاعرہ شروع ہوا تو نظامت پر مامور خاتون محترمہ فرحین نے ایک عجیب وغریب اعلان کیا۔ بولیں مشاعرہ محترمہ عطیہ خلیل عرب کی زیر صدارت منعقد ہوگا اور مہمانِ خصوصی ہوں گے کرنل اشفاق۔ہم پریشان کہ مہمان خصوصی کی باری تو سب سے آخری میں آتی ہے۔گویا ہمیں رات گئے تک بیٹھنا ہوگا لیکن شاید نائلہ نے انہیں پوری صورت حال سمجھا دی تھی اس لیے انہوں نے اعلان کیا کہ عام روایات کے برعکس ہم مہمان خصوصی کو دعوت دیں گے کہ پہلے وہ خطاب کریں۔ہم نے سکھ کا سانس لیا لیکن کہا کہ اتنی بھی کیا جلدی، دو تین شاعروں کو تو سن لینے دیں۔

سب سے پہلے عامر حفیظ کو بلایا گیا۔ انہوں نے دو تین غزلیں سنائیں۔ ان کے چند شعر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا ان کے پر نہیں رہتے یا ان کے سر نہیں رہتے
یہی تو سوچ کر پنچھی، کسی کے گھر نہیں رہتے
ایک ہم سے ہی ترے شہر کی بربادی ہے
ہم ترا شہر بچائیں گے، چلے جائیں گے
ترے سارے ہی چراغوں کی خدا خیر کرے۔۔
ہم تو اک دیپ جلائیں گے، چلے جائیں گے
رونق بزم اگر ماند پڑی تو عامر
آخری شعر سنائیں گے، چلے جائیں گے

ان کے بعد فرحین نے شرماتے شرماتے اپنے شوہر فضل سائیں کو دعوت سخن دی۔ انہوں نے دو تین غزلیں سنائیں اور پھر ''شیر اور بندر'' کے عنوان سے ایک دلچسپ اور سبق آموز نظم۔ ان کے دو شعر جو ہمارے ملکی حالات پر بہترین تبصرہ ہیں:

مرے دشمن کو جا کے یہ مرا پیغام دے دیجیے
کہ جو خود، خود کشی چاہے، اسے مارا نہیں کرتے
اگر ہم ہار ہی جائیں تو شاید بہتری آئے
ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ہارا نہیں کرتے

ظہور الاسلام جاوید جو متحدہ عرب امارات میں مشاعروں کے روح رواں ہیں، موجود تھے۔ انہوں نے خوبصورت غزلیں سنائیں۔ ان کے تین شعر:

سروں کی فصل کٹنے کا یہ موسم تو نہیں لیکن
سروں کی فصل کٹنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا
اے زندگی مجھے سارے جواب آتے ہیں
ہوں منتظر ترا اگلا سوال کیا ہوگا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمیں معلوم ہے ان سے محبت کیسے کرنی ہے
کہاں پہ بھول جانا ہے، کہاں پر یاد رکھنا ہے

ڈاکٹر عاصم واسطی نے دو خوبصورت غزلیں سنائیں، ان کے دو شعر:

طوافِ کعبہ دل بار بار کرتے ہوئے
تھکا نہیں میں کبھی ذکر یار کرتے ہوئے
وہ یوں ہوا کہ میرے ہاتھ لگ گیا سورج
اندھیری شب میں ستارہ شکار کرتے ہوئے

نائلہ انصاری نے ''ماں'' کے عنوان پر ایک خوبصورت نظم پڑھی۔ ثوبیہ کی بیٹی نے جو ایک سکول کی طالبہ ہے، انگریزی کی ایک نظم سنائی۔ پھر ہمیں دعوت خطاب دی گئی۔ ایک گھنٹے کے خطاب میں ہم نے اپنی کتابوں کے چیدہ چیدہ واقعات سنائے جو سامعین نے دلچسپی سے سنے۔

دوسرے دن سعد ہمیں العین لے گئے جو ابوظبی کے مشرق میں ایک سو ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ پورے راستے میں دونوں طرف کھجوروں اور بیروں کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ العین کے اردگرد بہت سے فارم ہیں جہاں سبزیاں اگائی جاتی ہیں اور امارات کی تمام ریاستوں میں مہیا کی جاتی ہیں۔ یہ ایک ناممکن کام ہے جسے منصوبہ بندی، محنت و جانفشانی سے ممکن بنایا گیا ہے کہ صحرا کی ریت پر کوئی چیز نہیں اگتی۔ اس کے لیے دوسرے ملکوں سے درآمد شدہ مٹی بچھائی جاتی ہے۔ اس سے لاگت تو زیادہ آتی ہے لیکن حکومت کاشتکاروں سے نفع پر ان کی پیداوار خریدتی ہے اور سستے داموں بیچتی ہے۔ مقصد یہ کہ مقامی باشندے اپنے مویشیوں سمیت ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرنے کی بجائے کسی ایک مقام پر آباد رہیں اور ان کے بچے سکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کر کے مفید شہری بنیں۔ سعودی عرب کے حکمرانوں کو بھی اس مسئلے کا سامنا تھا۔ شاہ فیصل نے جدہ اور ریاض میں ہزاروں فلیٹ بنوائے اور بلا قیمت فراہم کیے لیکن بادیہ نشینوں کو صحرا کی کھلی فضا سے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لا کر شہروں میں آباد کرنا ایک مسئلہ ہی رہا۔ اب صورت حال کافی حد تک تبدیل ہو چکی ہے۔

العین:

العین، متحدہ عرب امارات کے بانی کا آبائی شہر ہے۔ وہ یہیں پیدا ہوئے اور انہوں نے یہیں وفات پائی۔ جب وہ یہاں کے گورنر مقرر ہوئے تھے تو انہوں نے اس شہر کی ترقی کے بے شمار کام کیے اور آبپاشی کے روایتی نظام کو بحال کیا جس سے یہاں کاشتکاری میں اضافہ ہوا۔ ان کے کیے گئے اقدامات کے ثمرات صاف نظر آتے ہیں۔ العین میں ہم جہاں اترے وہ جگہ مبذرۃ الخضراء کہلاتی ہے جو اصل میں تو اونچی نیچی خشک پہاڑیوں پر مشتمل ہے لیکن ان پر بالو مٹی بچھا کر گھاس لگائی گئی ہے، پھولوں کی روشیں بنائی گئی ہیں اور اب یہ جگہ سرسبز و شاداب وادی میں بدل گئی ہے۔ مبذرۃ الخضراء کا مطلب بھی یہی ہے ایسی جگہ جہاں سبزہ بویا گیا ہو۔ اس کے قریب ہی جبل حفیت ہے جس کا ایک حصہ پڑوسی ملک اومان میں واقع ہے۔ یہ ہمارے اسلام آباد کے دامن کوہ کی مانند ہے جہاں سے پورے شہر کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں پانی کا ایک چشمہ بھی ہے جو کسی ایسی پہاڑی سے برآمد ہوتا ہے جس کی معدنیات میں سلفر یعنی گندھک کثیر مقدار میں موجود ہے۔ پانی گرم ہوتا ہے۔ موسم سرد ہو تو اس کے کنارے بیٹھ کر پاؤں پانی میں ڈال کر بیٹھنا اچھا لگتا ہے جیسے تھکن سے چور پنڈلیوں کی ٹکور ہو رہی ہو۔

شام کو ہم العین کا چڑیا گھر دیکھنے گئے۔ جانے یہ Zoo کا اردو میں ترجمہ چڑیا گھر کس نے کر دیا ہے۔ حالانکہ دنیا بھر کے چڑیا گھروں میں سبھی جانور ہوتے ہیں سوائے چڑیوں کے۔ یہاں ہرنوں، زیبروں، اونٹوں اور کنگروؤں کے لیے وسیع میدان مہیا کیے گئے ہیں جن میں وہ آزادانہ گھومتے پھرتے ہیں۔ پرندوں کے لیے ایک بڑا ہال مختص ہے جس میں مصنوعی پہاڑیاں اور درخت لگائے گئے ہیں۔ درمیان میں ایک پل ہے۔ سیاح پل پر سے گزرتے ہوئے پرندوں کو دیکھتے ہیں۔ ایک بڑا تالاب ہے جس میں مچھلیاں، پنگوئن اور دیگر آبی جانور رکھے گئے ہیں۔ اس موقع پر برڈ شو بھی دیکھا۔ دلچسپ تھا۔ انسان بھی کیا شے ہے۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحراؤں کی آزاد فضاؤں میں اڑنے والے بازوں اور عقابوں کو بھی اس نے اپنی مرضی کے تابع کر لیا ہے۔ برڈشو کی نظامت مشاعرے یا کسی جلسے کی نظامت سے بالکل الگ کام ہے۔ اس برڈشو کا ناظم ایک وجیہہ نوجوان تھا جو ایک طرف تو تماشائیوں سے عربی اور انگریزی میں خطاب کرتا تھا اور انہیں پرندوں کی کارکردگی پر داد دینے کے لیے اکساتا تھا اور دوسری طرف شو کے اہلکاروں سے رابطے میں تھا جو اس کے اشاروں پر، پرندوں کو چھوڑتے تھے۔ ناظم نے تماشائیوں میں سے ایک رضا کار بچے کو بلایا، اس کے ہاتھ پر چمڑے کا دستانہ پہنایا، اس کے ہاتھ میں گوشت کا ایک ٹکڑا تھمایا اور ہاتھ بلند کرنے کو کہا۔ بچے کو کہا گیا کہ وہ ایک سمت میں دیکھے جہاں سے باز آئے گا۔ بچہ اسی طرف دیکھ رہا تھا کہ مخالف سمت سے ایک باز اڑتا ہوا آیا اور اس کے ہاتھ سے گوشت کا پارچہ اچک کر یہ جا اور وہ جا۔ تماشا گاہ کے درمیان میں ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس میں مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ ایک باز کو چھوڑا گیا تو وہ تالاب پر جھپٹا اور ایک مچھلی کو پنجوں میں دبا کر ایک درخت پر جا بیٹھا۔ مچھلی نوش فرما کر وہ اپنے قفس کی طرف لوٹ گیا۔ رات گئے واپس آئے۔

دبئی میں پاکستانیوں نے اپنی ایک تنظیم بنا رکھی ہے،''پاکستان ایسوسی ایشن آف دبئی'' انہی کے زیر اہتمام ظہور الاسلام جاوید صاحب کی زیر صدارت ایک ادبی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ تقریب دو مرحلوں پر مشتمل تھی۔ پہلے مرحلے میں ادیبوں نے ہماری کتابوں کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ دوسرے مرحلے میں ہمیں خطاب کرنا تھا۔ حیرت ہوئی کہ ہم دبئی میں کسی کو نہیں جانتے تھے۔ لے دے کے ایک کبیر خان تھے جن سے برسوں پہلے راولپنڈی میں ملاقات ہوئی تھی۔ باقی پڑھنے والے ہمارے لیے اجنبی تھے لیکن قلم کے رشتے سے وہ ہمیں بخوبی جانتے تھے۔ زینت لاکھانی کا دعویٰ تھا کہ وہ کراچی میں ہونے والی درس قرآن کی کسی تقریب میں ہمیں سن چکی ہیں۔ انہوں نے حیرت کا اظہار کیا تھا کہ کہاں جنٹلمین بسم اللہ کا شگفتہ، قہقہہ بار مصنف اور کہاں درس قرآن۔ ان کا تعلق میمن برادری سے ہے جو کاروباری اور تجارتی سرگرمیوں کے حوالے سے جانی جاتی ہے۔ لیکن ان کا کہنا تھا کہ اگر ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بندوق بردار شخص بندوق اور مشین گن چھوڑ کر قلم تھام سکتا ہے تو انہیں نوٹ چھوڑ کر قلم اٹھانے میں کیا دشواری ہے۔ ان کے مقالے کا عنوان تھا، ''ایک فوجی افسر کی ادبی مشقیں'' دلچسپ اور شگفتہ مضمون تھا۔ انہوں نے حاضرین سے وہ داد وصول کی کہ شاید ہی کسی شاعر کو ملی ہو۔

کبیر خان صاحب نے ''تارا اور ٹٹارا'' کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون پڑھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ٹٹارا جگنو کو کہتے ہیں۔ ڈاکٹر عاصم واسطی اور چند دیگر حضرات نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تقریب بروقت شروع ہوئی تھی اس لیے عشاء تک پہلے مرحلے کے مقررین اپنی بات مکمل کر چکے تھے۔ عشاء کے بعد ہمیں خطاب کی دعوت دی گئی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی گفتگو میں ہم نے فوجی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات سنائے اور بتایا کہ فوج کی پر مشقت زندگی میں کس طرح ظرافت کے پھول کھلتے رہتے ہیں۔ ایسوسی ایشن کے ذمہ داران کا کہنا تھا کہ ان کے نزدیک ادبی تقریب مشاعرے ہی کا نام ہے اور اس سے پہلے انہوں نے کبھی کسی نثر نگار کے ساتھ ادبی تقریب منعقد کرنے کا ''رسک'' نہیں لیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان کا یہ تجربہ ان کے بقول صرف کامیاب نہیں بہت کامیاب رہا۔ اس تقریب کے بارے میں ایک بھرپور تبصرہ ڈاکٹر سلیم حیدر نے لکھا جو بعد میں ابوظہبی میں منعقد ہونے والی ایک تقریب میں پڑھا گیا۔ ڈاکٹر صاحب اردو میں انگریزی الفاظ کے استعمال کے سخت خلاف ہیں۔ ریٹائر کا ترجمہ ''سبکدوش'' کرتے ہیں۔ اس مضمون میں اور بہت سے الفاظ ایسے تھے جو ہیں تو انگریزی کے لیکن اردو میں بڑے تواتر کے ساتھ عام استعمال ہوتے ہیں۔ اور ان کا ترجمہ نامانوس سا تھا۔ ہم نے ان کی اجازت سے انگریزی الفاظ ''بحال'' کر دیے ہیں۔ ملاحظہ ہو ان کا مضمون بعنوان

''کرنل (ر) اشفاق حسین کے ساتھ ایک روایت شکن شام''

پاکستان ایسوسی ایشن دبئی کی جانب سے منعقدہ ایک تقریب میں مجھے سبکدوش کرنل اشفاق حسین کو ''مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی'' کی امتیازی شان کے ساتھ قلمی جہاد فرماتے ہوئے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور پھر یہ بھی ہوا کہ ''نگاہ مرد مومن سے بدل

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہیں تقدیریں' کے مصداق انہوں نے وہاں موجود تمام سامعین کا دل جیت لیا۔ فوج کو لوگ بانکے کانٹوں کی سیج اور صحافت کو لوگ پھولوں کا ہار سمجھتے ہیں اس لیے اکثر آرزو مند فوجی حضرات تلوار پھینک کر قلم (یا آج کے ٹی وی کی سکرین) سنبھالنے کے لیے اس قدر بے چین ہو جاتے ہیں کہ جیسے ہی پنشن کے مستحق قرار پاتے ہیں قبل از وقت سبکدوش ہو کر صحافت کی چکاچوند دنیا میں قدم رنجہ فرما لیتے ہیں۔

اس کے برعکس چونکہ کرنل اشفاق حسین ایک روایت شکن انسان ہیں اس لیے نصف صدی قبل ذرائع ابلاغ میں اپنی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑنے کے بعد وہ صحافت کی چمک دمک کو خیر باد کہہ کر فوج میں داخل ہو گئے اور بنجر وسنگلاخ عسکری زمین پر ظرافت کے رنگ برنگے خوشبودار پھول کھلانے میں مصروف ہو گئے۔ بارہ سال قبل مجبوراً فوجی وردی اتار پھینکنے کے بعد بھی سبکدوش کرنل صاحب گلشن ادب کو گل گلزار کرنے کے کار خیر میں لگے ہوئے ہیں۔ الحمد للہ یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور ہم جیسے قارئین کی دعا ہے اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ غالب نے کہا تھا:

سو پشت سے ہے پیشہ آباء سپہ گری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

غالب اس دور کا شاعر تھا جب غلامی کی بس آمد آمد تھی لیکن منیر نیازی کے زمانے تک جس کا خود انہوں نے اعتراف اس طرح کیا ہے کہ "نسلوں کا فاصلہ ہے میرے ان کے درمیاں" امت غلامی میں طاق ہو چکی تھی۔ گردش زمانہ کے نشیب وفراز نے 'جو تھا نہ خوب بتدریج وہی خوب ہوا' کے مصداق ہماری کایا پلٹ کر رکھ دی۔ من حیث القوم ہم تلوار کی بجائے قلم پر قناعت کر کے بیٹھ گئے اور اسی کو اپنے لیے باعث فخر وسعادت سمجھنے لگے۔ ایسے میں منیر نیازی کو کہنا پڑا۔

سو پشت سے ہے پیشہ آباء سپہ گری
کچھ شاعری ذریعہ عزت ہوئی مجھے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مندرجہ بالا دونوں اشعار میں معمولی سی تبدیلی سے معنی اور مفہوم میں زمین آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ نفسیاتی ہے۔ فوج پیشے کا نہیں بلکہ ایک مخصوص طرز فکر وعمل کا نام ہے۔ غالب چونکہ فوجی ذہنیت کے حامل تھے اس لیے شاعری بھی کرنے کا فیصلہ کیا تو اپنا تخلص غالب رکھا، حالانکہ فتح و غلبے کا تعلق شاعری سے نہیں بلکہ جنگ و جدل سے ہے۔ شاعری تو منیر نیازی جیسے عاجز و نیاز مند لوگوں کا شعار ہوتا ہے جو بڑی انکساری کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ

زندہ رہیں تو کیا ہے جو مرجائیں ہم تو کیا
دنیا سے خاموشی سے گزر جائیں ہم تو کیا

اس لیے میری تو رائے یہ ہے کہ سپہ گری کی نفسیات سے نہ کوئی غیر فوجی کما حقہ واقف ہوسکتا ہے اور نہ اس کی معرفت کرواسکتا ہے۔

اس کام کے لیے تو عقل وخرد کا حامل فوجی درکار ہوتا ہے جو بقول کرنل اشفاق حسین اپنی تربیت کے دوران نہ صرف زخمی بلکہ شہید بھی قرار دیا جاچکا ہو۔ کرنل صاحب نے فوجی تربیت کے دوران جعلی زخمیوں اور شہیدوں کی دو نہایت عمدہ مثالیں پیش کیں۔ انہوں نے بتایا فوج میں تربیت کے دوران دستوں کو مختلف فرضی صورتحال سے گزارا جاتا ہے۔ مثلاً کسی ایسے درے کو پار کرنا جس پر دشمن تعینات ہو۔ زیرتربیت دستہ جس احتیاط کے ساتھ گزرتا ہے اس کی بنیاد پر ممتحن فیصلہ کردیتا ہے کہ اس میں سے کتنے فوجی مارے گئے اور کون کون زخمی ہوا۔ ایک فوجی ٹرک اسی طرح کی تربیت سے لوٹتے ہوئے خراب ہوگیا۔ گاؤں والوں کو مدد کے لیے بلایا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ ٹرک کے اندر کئی فوجی موجود ہیں لیکن نیچے اتر نہیں رہے۔ لوگوں کے استفسار پر بتایا گیا کہ یہ سب زخمی ہیں حالانکہ سب کے سب بھلے چنگے تھے۔

ایک اور دفعہ ان سے کسی صحافی دوست نے جنہیں ایک فوجی مشق دیکھنے کے لیے بلایا گیا تھا، شکایت کی کہ مجھے اس پل کے پار جاکر چائے پینی ہے، لیکن یہ چوکیدار سپاہی ہے کہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانے نہیں دیتا۔ کہتا ہے کہ یہ پل تباہ ہو چکا ہے حالانکہ وہ صحیح سلامت ہے، کرنل صاحب نے کہا اس احمق کی بجائے اس کے افسر سے بات کرو۔

دوست نے بتایا میں نے افسر سے بات کی اس نے بتایا کہ وہ شہید ہو چکا ہے۔ اب اس طرح کے تجربات و مشاہدات سے کوئی شہری بھلا کیوں کر بہرہ ور ہو سکتا ہے؟ اس لیے کرنل صاحب کی تحریر و تقریر عسکری آداب و اطوار اور تہذیب و تمدن کو جاننے کا نہایت معتبر اور دلچسپ وسیلہ ہے۔ اس کی بنیاد قیاس و گمان کے بجائے حقائق پر رکھی گئی ہے۔ کرنل صاحب کا انداز بیان اس قدر شگفتہ ہے کہ ان کی معیت میں سامع یا قاری فرط و مسرت کے عالم میں علم و عرفان کے بیش بہا موتی سمیٹتا جاتا ہے اور بوریت اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔

فوج اپنی تلوار کے زور سے زمینوں پر قابض ہوتی ہے لیکن فنکار اپنے قلم کی مدد سے دلوں کو مسخر کرتا ہے اور اس کا بہترین نمونہ کرنل اشفاق حسین کی ذات گرامی ہے۔ ویسے یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ فوجیوں کو بہادری کے جوہر دکھلانے کے لیے اپنی سرحد سے نکل کر دشمن کی سرحدوں میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ لیکن کرنل صاحب نے دوستوں کی سرزمیں میں دبئی میں آ کر بت شکن محمود غزنوی کی طرح امارات کی ایک ایک ادبی روایت کو چن چن کر توڑا۔ میں تو اس شخص کی تلاش میں سرگرداں ہوں جس نے کرنل صاحب کو ہماری ان ساری روایتی کمزوریوں سے واقف کروایا۔

آہنی زنجیروں کو توڑنا بہت آسان ہوتا ہے لیکن ذہنی شکنجوں سے آزادی حاصل کرنا نہایت مشکل۔ اس لیے کہ لوہے کا قفل ہر کس و ناکس کو نظر آ جاتا ہے مگر دل پر پڑے ہوئے تالے دوسروں کو تو کجا خود اپنے آپ کو بھی دکھائی نہیں دیتے۔ مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ کرنل صاحب نے اپنی شگفتہ ضرب کاری سے اس معرکے کو بخوبی سر کیا۔ عسکری ادب میں جنٹلمین کی حیثیت سے پہچانے جانے والے اس روایت شکن جرنیل نے اپنی مبارک مہم کی بسم اللہ وقت کی پابندی سے کی۔ عصر حاضر کی ایک بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ پابندی وقت کے ساتھ پانچ وقت نماز قائم کرنے والی امت کو بھی وقت کا پابند بنانے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے فوجی ڈنڈے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

متحدہ عرب امارات کی روایت کا یہ جز ولاینفک ہے کہ اگر کوئی ادبی نشست بعد مغرب شروع کرنی ہو تو عصر بعد کا اعلان کیا جائے۔ اسی لیے جب مجھے بتایا گیا کہ پروگرام ساڑھے سات بجے ہے تو میں سمجھ گیا کہ ساڑھے آٹھ بجے ہوگا۔ حسب عادت جب میں نو بجے پہنچا تو لوگ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر اجتماع گاہ میں جمع ہو رہے تھے لیکن حیرت کا جھٹکا اس وقت لگا جب یہ پتہ چلا کہ یہ دوسری نشست ہے اور عشاء سے قبل ایک نشست ہو چکی ہے جس میں میرے چہیتے مزاح نگار کبیر خان صاحب اپنی تحریر سنا کر فارغ ہو چکے ہیں اور دیگر کئی اکابر اپنا خراج عقیدت پیش کر چکے ہیں۔ کرنل صاحب کی تقریر کے دوران مژدہ کھلا کہ مبادہ یہ فوجی تربیت کا اثر ہو۔ اگر ایک فوجی کے اعزاز میں منعقد ہونے والی تقریب میں بھی وقت کی پابندی نہ ہو سکے تو بھلا فوجی تربیت کا کیا فائدہ؟

ہمارے یہاں منتظمین کرام تقریب کے آغاز میں ہونے والی تاخیر کا ٹھیکرہ سامعین کے سر پھوڑتے ہیں اور یہ کہہ کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں کہ اگر شرکاء وقت پر نہ آئیں تو پروگرام وقت پر کیوں کر شروع کیا جائے۔ لیکن یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ سامعین تو کجا صاحب اعزاز اور منتظمین تک وقت پر نہیں آتے۔ دبئی میں کورٹ مارشل کا خوف سب کو وقت پر لے آیا۔ میں نے اپنا غم غلط کرنے کے لیے سوچا کبیر خان صاحب اپنے ہی آدمی ہیں، ان سے مضمون لے کر پڑھ لوں گا۔ اس سے پہلے کہ میں جھولی پھیلاتا سامعین میں سے ایک نوجوان نمودار ہوا اور کبیر خان صاحب سے ان کا مضمون لے اڑا۔ میں اپنی دوسری شکست پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور اپنے آپ کو بہلانے کے لیے سوچنے لگا کسی مضمون کو پڑھنے اور سننے میں وہی فرق ہوتا ہے جو کھونٹے پر ٹنگی ایک بے جان وردی اور وردی پوش فوجی میں ہے۔ چھوڑو اس نوجوان کو ویسے بھی کوئی مزہ نہیں آئے گا لیکن ایسا کرتے ہوئے بھول گیا کہ جس لطف کی محرومی کا میں ماتم کر رہا ہوں وہ نوجوان تو اس سے بہرہ مند ہو چکا ہے اور اسے دوبالا کرنے کے اہتمام میں بھی مجھ پر سبقت لے گیا۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امارات کی ادبی دنیا کا سب سے بڑا بت شاعری ہے۔ یہاں ادبی تقریب مشاعرے کے ہم معنی ہو کر رہ گئی ہے۔ جب بھی نثری نشست پر گفتگو ہوتی ہے تو کہہ دیا جاتا ہے نثر میں کسی کو دلچسپی نہیں ہے ایسی نشست میں کوئی نہیں آئے گا وغیرہ وغیرہ۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ آخر اس حصار سے کیوں کر آزادی نصیب ہو لیکن اب پتا چلا کہ اس کے لیے کسی کرنل کی ضرورت ہوتی ہے جس کا قلم تلوار سے تیز ہو۔

کرنل اشفاق حسین کے اعزاز میں منعقد ہونے والی نثری نشست اس کی زندہ مثال ہے جس میں نہ صرف شرکاء کی تعداد و دلچسپی قابل رشک تھی بلکہ نظم وضبط کے حوالے سے بھی یہ نہایت پروقار اور یادگار محفل تھیں۔ حاضرین کے ذوق وشوق نے ان تمام دلائل کی ہوا نکال دی جو نثری نشستوں کے خلاف پیش ہوتی تھیں۔ کرنل صاحب کے اس احسان عظیم کے لیے شعراء حضرات نہ سہی لیکن جناب کبیر خان اور مجھ جیسے نہ جانے کتنے نثر نگاران کے ممنون ومشکور ہیں۔ کرنل صاحب کے اس چمتکار نے ایک خلش دور کر دی کہ آخر فوجیوں کا ادب میں کیا کام؟ یہ نہایت خوش کن انکشاف تھا کہ دنیائے ادب میں بہت سارے ایسے کام ہیں جنہیں کوئی غیر فوجی نہیں کر سکتا۔ ان کو انجام دینے کے لیے وردی پوش سپاہیوں کو قلم تھام کر مارشل لاء نافذ کرنا پڑتا ہے۔

اردو دنیا میں ایک مایوس کن غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ کتاب سے ہمارا رابطہ ٹوٹ گیا ہے لیکن اس بت کو توڑنے کے لیے کرنل اشفاق حسین کی کتاب جنٹلمین بسم اللہ کے ۲۶ ایڈیشن اور دیگر کتابوں کے مزید ۱۰۰ ایڈیشن کی اشاعت کافی ہے۔ گونا گوں وجوہات کی بناء پر یہ ممکن ہے کہ کتابوں سے ہمارا اپنا رابطہ ٹوٹ گیا ہو لیکن آج بھی ایسے طلباء موجود ہیں جو امتحان کے زمانے میں اپنی درسی کتابوں کے اندر کرنل صاحب کی کتاب چھپا کر پڑھتے ہیں اور اپنی اس حرکت کا جواز بھی ان کے پاس موجود ہے۔ قصہ یہ ہے کہ کرنل اشفاق حسین صاحب کو کسی طالب علم کا خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ امتحان کا زمانہ ہے اور اس دوران وہ اپنی درسی کتاب کے اندر ان کی کتاب چھپا کر پڑھتا ہے۔ کرنل صاحب نے اسے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لکھا کہ برخوردار اپنے آپ پر اور مجھ پر رحم کرو۔ امتحان کے بعد میری کتابیں پڑھ لینا۔ اس طالب علم نے جواب دیا، میں تو آپ کو عقلمند آدمی سمجھتا تھا لیکن افسوس کہ آپ بھی میرے والد کی طرح نکلے۔ آپ کو اتنا بھی نہیں پتہ کہ اس زمانے میں درسی کتابیں پڑھ پڑھ کر ہم لوگ کس قدر بور ہو جاتے ہیں اس لیے درمیان میں آپ کی کتاب پڑھنی پڑتی ہے۔ جس مصنف کا قاری اس قدر ذہین و فطین ہو اس مصنف کی ذہانت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

دوسروں کی ہنسی اڑانا نہایت سہل ہوتا ہے۔ لیکن اپنے آپ پر ہنسنا اور دوسروں کو ہنسانا بڑا مشکل کام ہے۔ جو لوگ دبئی کی نشست میں موجود تھے ان کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ کرنل صاحب کے لیے یہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ کرنل صاحب نے فوجی زندگی کے جو واقعات سنائے ان میں کمال اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا تھا۔ خودنمائی کے بجائے اپنے آپ کا تمسخر اور دیگر افراد کی تعریف و توصیف کا پہلو اجاگر ہوتا تھا مثلاً ایک افسر کا نو وارد اشفاق حسین سے یہ سننے کے بعد بھی کہ اسے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ محض دل جوئی کی خاطر کہہ دینا کہ اس کے بغیر تربیت رکی ہوئی ہے اس لیے وہ تاخیر نہ کرے اور اس بہلاوے پر کرنل صاحب کا یقین کر لینا۔ اس کے علاوہ نفسیاتی تفتیش کے دوران اپنے ناکام ہو جانے کا برملا اعتراف اور اس کے باوجود منتخب ہو جانے کا ذکر۔ سچ تو یہ ہے کہ جن پاکیزہ نفوس کے اندر عجز و انکسار پایا جاتا ہے رب کریم کی جانب سے ان کی تکریم و احترام کا اہتمام کر دیا جاتا ہے اور جس پر العزیز والرحمٰن مہربان ہو جائے اس کے لیے قبولیت عام لکھ دی جاتی ہے، اس کا ثبوت گلگت کا وہ طالب علم ہے جس نے کہا تھا کہ کرنل صاحب میں آپ پر جان نثار کر سکتا ہوں لیکن فی الحال آپ کو دینے کے لیے میرے پاس صرف یہ معمولی سا قلم ہے۔

عصر حاضر کی نفسانفسی کے عالم میں ہنسنے ہنسانے سے مشکل کام دوسروں کے دکھ درد کو محسوس کرنا اور سامعین و قارئین کو اس غم میں شریک کر لینے کا فن ہے۔ کرنل صاحب نے اپنے خطاب کے اختتام پر میجر شبیر شریف شہید کا ذکر کیا اور ان کی زندہ دلی کے ایسے واقعات سنائے جو ''فاتح سبونہ'' میں پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن انھوں نے میجر شبیر شہید

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی شہادت کا واقعہ نہایت دلگداز انداز میں بیان کیا تو ہال میں موجود کوئی ایک دل ایسا نہیں تھا جس نے میجر کی والدہ کا درد محسوس نہ کیا ہو اور کوئی ایک آنکھ ایسی نہیں تھی جو نمناک نہ ہوئی ہو۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ عقیدت اور محبت کے بادل دبے پاؤں کہاں سے وارد ہوئے اور کیوں کر برسنے لگے۔ کرنل صاحب نے محترمہ مریم جمیلہ کی کتاب کا ترجمہ کر کے ایک باشعور مصلح کی ذمہ داری ادا کی۔ موصوفہ نیویارک کے یہودی گھرانے میں پیدا ہوئی تھیں اور مشرف بااسلام ہو کر امریکہ سے لاہور آ بسی تھیں۔ امید ہے کہ کرنل صاحب کا یہ ثواب جاریہ روز قیامت ان کے لیے عظیم اثاثہ قرار پائے گا۔

دبئی کی اعزازی تقریب میں بعد از خطاب سوال و جواب کا موقع تھا اور اس دوران وہ راز افشاء ہو گیا کہ جس نے کرنل صاحب کو اس قدر عظیم مصنف بنا دیا ہے کہ وہ لکھنے سے تھکتے ہیں نہ قاری پڑھنے سے تھکتا ہے۔ مختلف پیچیدہ اور مایوس کن سوالات کے نہایت سہل اور امید افزاء جوابات اس حقیقت کی دلیل تھے کہ یہ خداداد وصف جسے حاصل ہو جائے وہ خود بھی خوش رہنے کا سراغ پا لیتا ہے اور دوسروں کو اپنی خوشیوں میں شریک کر لینا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے، خوشیوں کو جس قدر تقسیم کیا جائے ان میں اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

کرنل صاحب کو رب کائنات نے نہ صرف منفی روایات کو مسمار کرنے کے فن سے نوازا ہے بلکہ مثبت روایات قائم کرنے کی صفت عالیہ سے بھی آراستہ فرمایا ہے۔ عصر حاضر کے بازار میں برانڈیڈ شے ویسے بھی مہنگی بکتی ہے۔ کرنل صاحب نے جنٹلمین کو اپنا ٹریڈ مارک یعنی امتیازی نشان بنایا اور اب تو یہ عالم ہے کہ اگر کوئی اور بھی جنٹلمین ماشاء اللہ کی کتاب لکھ مارے تو لوگ اسے کرنل اشفاق حسین صاحب کی تصنیف سمجھ کر پڑھنے لگیں گے لیکن بہت جلد انہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ اصلی نہیں بلکہ نقلی جنٹلمین ہے۔ کرنل صاحب کی کتاب جنٹلمین استغفر اللہ جن لوگوں نے پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ جو جعلی ہو وہ جنٹلمین نہیں ہو سکتا۔ بقول شاعر

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے فوج میں جنٹلمین پیدا

سمع خراشی معاف یہ علامہ اقبال کا نہیں میرا اپنا شعر ہے۔ اگر منیر نیازی جیسا صاحب ثروت شاعر غالب کے شعر پر ہاتھ مار سکتا ہے تو مجھ جیسے حقیر انسان کے لیے گنجینۂ اقبال سے ایک آدھ شعر اچک لینے پر کسے اعتراض ہو سکتا ہے؟ یہ کرنل اشفاق حسین صاحب کا اعجاز ہے کہ ان پر زیر تحریر مضمون نے مجھ جیسے خشک ماحولیاتی ڈاکٹر کو فائز کر کے شاعر بنا دیا۔ میں اس عنایت کے لیے کرنل صاحب کا پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے اس نوزائیدہ نحیف ونزار شعر کو اپنی داد سے نواز کر میری حوصلہ افزائی کی اور دعا کرتا ہوں کہ کرنل صاحب ہماری ملاقات مزید اللہ والے جنٹلمین حضرات سے کرواتے رہیں تا کہ ہماری کڑوی کسیلی زندگی میں ہنسی کے فوارے چھوٹیں اور ماحول خوشگوار سے خوشگوار ہوتا چلا جائے۔

پاکستان ایسوسی ایشن آف دوبئی کی اس تقریب کی خبریں مقامی انگریزی اخبارات میں بھی شائع ہوئیں اور حسیب اعجاز نے اس کی اردو میں خبر بنا کر ویب سائٹ پر بھی شائع کر دی۔ پاکستان کے ایک معروف ٹی وی چینل پر بھی اس کی تفصیلی خبر شائع ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں کو ہم سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔

پری رخوں کی زباں سے کلام سن کے مرا
بہت سے لوگ مری شکل دیکھنے آئے

انہوں نے ایسوسی ایشن کے عہدیداروں سے ہمارا فون نمبر حاصل کیا اور ملنے کے لیے گھر تشریف لائے۔ ایک صاحب تو عجمان سے ملنے آئے۔ اسی دوران یہ انکشاف بھی ہوا کہ ملنے ملانے کے لیے کچھ رقم کی ادائیگی بھی کرنی پڑتی ہے۔ وہ یوں کہ گاڑی کھڑی کرنے کے لیے باقاعدہ فیس دینی پڑتی ہے۔ پتہ چلا کہ چند سال پہلے تک یہاں پارکنگ بڑی بے ہنگم تھی۔ حکومت کے امریکی مشیروں نے اپنے ہاں کا پارکنگ نظام متعارف کروانے کی تجویز دی جو منظور کر لی گئی۔ اب رہائشی علاقے کے لوگوں کو آٹھ سو درہم میں رہائشی پرمٹ مل جاتا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور وہ اپنی رہائش گاہ کے اردگرد اپنی گاڑیاں پارک کر سکتے ہیں۔ ملاقات کے لیے آنے والے اگر سڑک کے کنارے گاڑی پارک کریں تو انہیں تین درہم یعنی تقریباً ۱۵۶ روپے فی گھنٹہ ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔ اگر گلی کے اندر جگہ مل جائے تو دو درہم ادا کرنے ہوتے ہیں۔ مختلف کمپنیوں کے انسپکٹر پارک شدہ گاڑیوں کا معائنہ فرماتے رہتے ہیں۔ اگر ادائیگی نہ کی گئی ہو یا غلط جگہ پارکنگ کی گئی ہو تو دو سو سے پانچ سو درہم جرمانہ کرتے ہیں اور سکرین پر جرمانے کی ٹکٹ لگا دیتے ہیں۔

زندگی میں ایسے متکبر لوگ بھی ملتے ہیں جو بلاضرورت آپ سے بات کرنا تو کجا ہاتھ ملانا گوارا نہیں کرتے۔ انہیں آپ سے کام آ پڑے تو فرش راہ بننے کو تیار، کام نکل جائے تو ایسے اجنبی گویا کبھی ملے بھی نہ ہوں۔ بے لوث محبتیں کم ملتی ہیں، بہت کم۔ یہی زندگی کا اثاثہ ہیں، قیمتی اور انمول۔ ان کی مثال موسم گرما کی برسات کی سی ہے کہ جیسے وہ جھلستی زمین کی تپش کم کر کے اس کی قوت نمو کو بڑھاتی ہے اسی طرح بے لوث محبتوں سے گردش حالات سے تنگ آئے شخص کی تلخیاں کم ہو جاتی ہیں، اسے جینے کا نیا حوصلہ ملتا ہے یا پھر عطار کی سی کہ وہ کچھ نہ بھی دے تو اس کی معیت میں گزرا ہوا ہر لمحہ عطر بار، مشکبار اور خوشبودار ہوتا ہے۔ ہمیں تو خوشبوؤں کے قیمتی تحفے بھی ملے۔ یہ خلوص کا رشتہ تھا کہ لوگ دور دراز سے ہمیں ملنے آئے۔ پارکنگ فیس بخوشی ادا کی اور ہماری تقریبات میں بھی شریک ہوئے۔

دبئی میں کچھ دوستوں نے ہمیں کھانے پر بلایا۔ ایک نئے شادی شدہ جوڑے نے ہمیں ابوظبی سے لانے کا بیڑا اٹھایا۔ سفر کے آغاز ہی میں نجم السحر نے بتایا کہ آپ مرد لوگ تو آپس میں ملتے ہی رہتے ہیں، ہم لڑکیاں گفتگو تک سے محروم رہ جاتی ہیں تو آج یہ طے ہوا ہے کہ پورے راستے فاروق غنی خاموش رہیں گے اور آپ صرف مجھ سے باتیں کریں گے۔ ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ تب نجم نے ایک انتہائی نفیس قیمتی خوشبو کا تحفہ پیش کیا اور پھر سوالات کا جو سلسلہ شروع کیا تو جواب دیتے دیتے ہماری زبان خشک ہوگئی۔ پوچھا کہ پانی ہے تو پتہ چلا انہوں نے گاڑی میں کولڈ ڈرنک کا اچھا خاصا سٹاک رکھا ہوا ہے۔ اس دوران

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فاروق غنی نے فوج کے بارے میں کچھ سوال داغ دیے۔ اس سے پہلے کہ ہم کچھ بولتے، نجم نے ان کا وعدہ یاد دلایا۔ وہ پھر خاموش ہو گئے۔ پورا راستہ نجم کے سوالات اور ان کے جوابات میں کٹ گیا۔

ڈنر کے مدعوئین میں عبداللہ تھے، عجمان سے آئے ہوئے مجیب، پاکستان ایسوسی ایشن کے طارق، اسلامک کلچرل سنٹر ابوظبی کے جاوید مستقیم پاک فضائیہ کے ایک سبکدوش افسر نواز، فاروق غنی اور بہت سے دوسرے جن کے نام اب ذہن میں نہیں رہے۔

رات گئے ڈنر سے فارغ ہوئے تو پتہ چلا کہ ہمیں واپس گھر چھوڑنے کی ذمہ داری زبردستی اسامہ نے اٹھا لی ہے۔ ان کے والد وسیم احمد سے ہماری پرانی یاد اللہ تھی۔ بہاولپور تعیناتی کے دوران اکثر ان سے ملاقات رہتی۔ اسامہ سے بھی ابتدائی ملاقاتیں وہیں ہوئیں۔ ان کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ دورانِ سفر ہم نے ان سے پوچھا کہ دبئی میں ان کا دل لگ گیا۔ جواب آیا ''پتہ نہیں'' نجم السحر سے بھی ہم نے یہی سوال کیا تھا اور انہوں نے بھی بعینہٖ انہی الفاظ میں جواب دیا تھا۔ یہ ایک مفصل جواب ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ شادی کے فوراً بعد جو لڑکیاں اپنے ماں باپ سے کٹ کر، بہنوں بھائیوں اور سکھیوں کی محبتیں چھوڑ کر یہاں آ جاتی ہیں، انہیں تو ان کا جیون ساتھی بھی پورا نہیں ملتا۔ وہ اپنے کاروبار یا ملازمتوں میں سارا دن مصروف رہتے ہیں۔ دلہنوں کو سارا دن انتظار کا چلہ کھینچنا پڑتا ہے۔ فون کی سہولت حاصل ہو بھی تو کتنی دیر پاکستان بات کی جا سکتی ہے۔ پہاڑ سا دن کاٹے نہیں کٹتا۔ جن کے بچے ہوتے ہیں انہیں ایک نئے مسئلے کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ سکولوں میں انگریزی پڑھتے ہیں اور سارا دن انگریزی بولتے ہیں۔ گھر پر ان سے اردو بولنے والا کوئی ہوتا نہیں۔ ماں باپ بچوں کو انگریزی بولتا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور خود بھی ان سے انگریزی میں بات کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے نہ صرف اپنی مادری زبان بھول جاتے ہیں بلکہ اپنے ملک کی ثقافت سے بھی کٹ جاتے ہیں۔ عرب ممالک میں تو پھر یہ ہوتا ہے کہ اسلامی ثقافت کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوتی ہے اور بچے اسی کے اثرات قبول کرتے ہیں لیکن امریکہ اور یورپی ممالک

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں پھیلی ہوئی بے حیائی تارکین وطن کے بچوں کو بری طرح متاثر کرتی ہے اور جب تک ان کی تربیت کے لیے بھرپور اقدامات نہ کیے جائیں، اس بات کا خدشہ موجود رہتا ہے کہ وہ انہی کے رنگ میں رنگے جائیں۔ ہم نے ابوظہی اور دبئی میں پوچھنے والوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ کوشش کریں کہ شاپنگ ایام کار (Working Days) میں کیا کریں اور چھٹی کے دن بچوں کے ساتھ گزاریں۔ ان سے اردو بولیں، انہیں اردو کی کتابیں پڑھائیں لکھائیں۔ بیشتر لوگوں نے بچوں کو قرآن پڑھانے کا کوئی نہ کوئی اہتمام کیا ہوتا ہے۔ لیکن اردو کی طرف توجہ نہیں دی جاتی جس کے بڑے بڑے مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

عرب امارات کا طرز زندگی:

جہاں تک ابوظہی کی ثقافت کا تعلق ہے تو اس پر امارت کی گہری چھاپ ہے۔ ساٹھ سال کے قلیل عرصے میں یہ قوم غربت وپسماندگی کی تاریک راہوں سے نکل کر امارت وخوشحالی کی حسین وادیوں میں پہنچ گئی ہے موجودہ نسل نے تو غربت دیکھی ہی نہیں۔ وہ منہ میں سونے کا چمچ لیے پیدا ہوتے ہیں۔ غیر ملکی آیاؤں کی گود میں پلتے ہیں اور زندگی کی بہترین سہولتوں میں پروان چڑھتے ہیں۔ ابوظہی کے بانی خلیفہ شیخ شـخـبـوط شیخ زید بن سلطان کے بڑے بھائی ابوظہی میں تیل نکلنے کے بعد دولت سے ڈرتے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ دولت کی فراوانی نئی نسل کو برباد کر دے گی۔ اس کا تفصیلی ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ ان کے خدشات کافی حد تک درست ثابت ہوئے ہیں۔ نئی نسل کام کرنے، پڑھنے لکھنے سے گھبراتی ہے۔ حکومت کی طرف سے انہیں بے تحاشا سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ ملازمتوں میں انہیں ترجیح دی جاتی ہے۔ حکومت کی کوشش ہوتی ہے کہ جہاں جہاں غیر ملکی ماہرین موجود ہیں وہاں مقامی نوجوانوں کو تعینات کیا جائے تاکہ وہ متعلقہ شعبوں میں مہارت حاصل کرلیں اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ غیر ملکی ماہرین کی جگہ لے سکیں لیکن ان کا محبوب مشغلہ ہے، ہر سال نئے ماڈل کی گاڑیاں خریدنا اور پھر انہیں پوری رفتار سے دوڑانا۔

ہمارے قیام کے دوران ایک خبر چھپی کہ ۲۰۱۴ء کے پہلے دو مہینوں کے دوران دبئی میں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی کے تقریباً پانچ لاکھ واقعات ہوئے جن میں پچھتر فیصد واقعات تیز رفتاری کے تھے۔ دوبئی ٹریفک پولیس کے سربراہ بریگیڈیئر سیف مہیر المزرعی نے یہ اعداد وشمار بتاتے ہوئے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ پولیس کی طرف سے ٹریفک قواعد سے آگاہی کے لیے کئی مہمیں چلائے جانے کے باوجود اتنی کثیر تعداد میں قواعد کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

www.kitabosunnat.com

اس کے کچھ دنوں بعد یہ خبر چھپی کہ صرف ابوظہبی میں سال کے پہلے تین مہینوں میں تیز رفتاری کے جرائم میں ڈیڑھ ہزار افراد گرفتار کیے گئے۔ اسی دوران یہ خبر بھی چھپی کہ ابوظہبی کے مرکز شکایات میں گزشتہ سال نولاکھ تریسٹھ ہزار شکایات وصول ہوئیں۔ جن میں ٹریفک قوانین کی خلاف ورزیوں کی شکایات دوسرے نمبر پر تھیں۔ مرکزی شکایات میں بعض اوقات عجیب وغریب شکایتیں بھی وصول ہوتی تھیں۔ ایک بوڑھے شخص نے فون کر کے درخواست کی کہ وہ ریت کے طوفان کی وجہ سے اپنے گھر میں محبوس ہے۔ طوفان روکنے کا کوئی بندوبست کیا جائے تاکہ وہ چہل قدمی کے لیے گھر سے باہر نکل سکے۔ ایک خاتون نے بتایا کہ وہ اپنے گھر کا راستہ بھول گئی ہے۔ اس نے اپنے اردگرد کی عمارتوں کی نشانیاں بتائیں۔ جب پولیس اس تک پہنچی تو پتہ چلا کہ وہ اپنے گھر کے پیچھے کھڑی تھی۔

ایک چشم کشا رپورٹ اس سروے سے متعلق تھی جو ایک برطانوی یونیورسٹی نے ابوظہبی ٹریفک پولیس کے تعاون سے کیا۔ اس کے مطابق مردوں میں تقریباً پچاس فیصد نے اعتراف کیا کہ وہ گزشتہ ایک سال کے دوران ٹریفک کے کسی نہ حادثے میں ملوث تھے۔ اسی فیصد مردوں اورنواسی فیصد خواتین نے اعتراف کیا کہ وہ کار چلاتے ہوئے موبائل فون کا استعمال کرتی ہیں۔ سترہ فیصد مردوں اور پندرہ فیصد خواتین نے اعتراف کیا کہ وہ شراب پی کر کار چلاتی ہیں۔

ایک اور خبر پر نظر پڑی کہ ابوظہبی میں موجودہ سال کے پہلے تین مہینوں میں ۶۳۳۶ افراد کو مقررہ حد رفتار سے ۶۰ کلومیٹر زیادہ تیز رفتاری سے گاڑی چلانے پر سزا دی گئی۔ بڑی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شاہراہوں پر حد رفتار ۱۲۰ کلو میٹر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ ۱۸۰ کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑیاں چلا رہے تھے۔ ان میں سے پندرہ سو افراد ایسے تھے جو دو سو یا اس سے بھی زائد رفتار سے گاڑیاں چلا رہے تھے۔ سعد نے بتایا کہ اس کے دفتر میں ایک اماراتی رفیق کار نے بڑے فخر سے بتایا کہ اسے تیز رفتاری پر ایک ہزار درہم جرمانہ ہوا ہے۔ لوگوں نے ہمدردی کا اظہار کیا تو اس نے ہنستے ہوئے کہا ''جو تیز چلانے میں مزہ آیا، اس کے مقابلے میں یہ جرمانہ کچھ بھی نہیں۔''

پہلے تیز رفتاری پر جرمانہ ایک ہزار درہم تھا۔ ہماری آمد کی خبر پھیلی تو تیز رفتاری پر جرمانہ ایک ہزار سے بڑھا کر دو ہزار درہم (یعنی تقریباً باون ہزار روپے) کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ پولیس کو یہ اختیار بھی دے دیا گیا کہ وہ ٹریفک قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کی گاڑیاں ایک ماہ کے لیے اپنی تحویل میں لے لیں۔ ہمارا قطعاً ارادہ نہ تھا کہ ہم اپنے میزبان ملک میں ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کریں گے۔ ہم ہی نہیں متحدہ عرب امارات میں موجود تمام غیر ملکی لوگ قانون کی پابندی میں بڑے محتاط ہیں کیونکہ وہ اگر پکڑے جائیں تو انہیں فوراً ہی سزا ملتی ہے، نوکری سے برطرف ہونے کے واضح امکانات ہوتے ہیں اور اگر وہ جیل چلے جائیں تو برسوں شنوائی نہیں ہوتی، ہم نے جن خبروں کا ذکر کیا ہے، ان میں اس بات کی وضاحت نہیں تھی کہ ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں میں اماراتیوں اور غیر ملکیوں کی کیا نسبت ہے لیکن ایک خبر نے اس کی وضاحت کر دی۔ وزارتِ داخلہ کی طرف سے متحدہ عرب امارات کے نوجوانوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ گاڑیاں کم رفتار سے چلائیں اور ٹریفک قوانین کی پابندی کریں۔ اپیل میں بتایا گیا تھا کہ ۲۰۱۳ء میں تیز رفتاری پر تینتالیس لاکھ افراد کو سزائیں ملیں۔ یہ سب لوگ اٹھارہ سے پینتالیس سال کے تھے۔ اپیل میں نوجوانوں سے دردمندانہ اپیل کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ سڑکوں پر ہونے والے حادثات سے امارات کی معیشت، معاشرت اور ماحولیات پر برا اثر پڑ رہا ہے۔

یہ تو تھا تیز رفتاری کا معاملہ، دولت کا اظہار گاڑیوں کی نمبر پلیٹوں سے بھی ہوتا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دبئی میں خاص نمبر پلیٹوں کی ایک سرکاری نیلامی میں سو نمبر پلیٹیں تقریباً چھبیس کروڑ درہم میں فروخت کی گئیں۔ دو عدد والی تین نمبر پلیٹیں ساڑھے چھ کروڑ، تین عدد والی ۳۹ پلیٹیں تقریباً بارہ کروڑ اور چار عدد والی ۳۲ خاص نمبر پلیٹیں تقریباً ساڑھے چار کروڑ درہم میں نیلام کی گئیں۔

دولت کی ریل پیل کا اظہار صرف گاڑیوں تک ہی محدود نہیں ہے کئی ملکی وغیر ملکی کمپنیوں کے اپنے جہاز ہیں۔ شاہی خاندان اور دولت مند افراد کے پاس اپنے ہیلی کاپٹر اور جہاز ہیں۔ امارات کی ایک کمپنی احبار نے ایک برطانوی کمپنی ورجن گیلکیٹک کے ساتھ مل کر خلائی سفر کے ایک منصوبے کا اعلان کیا ہے جس کے مطابق اسی سال کے آخر تک عام لوگ خلا میں سفر کر سکیں گے۔ اس کی پہلی پرواز کے لیے اٹھاون ملکوں کے سات سو افراد نے اپنی نشستیں محفوظ کروالی ہیں اور ان میں ایک کا تعلق متحدہ عرب امارات سے ہے۔ خلائی سفر میں ایک ٹکٹ کی قیمت تقریباً ڈھائی لاکھ ڈالر ہے۔ نشستیں محفوظ کرانے والوں میں گیلیکٹک ورجن کمپنی کے مالک سر رچرڈ برانسین، اس کے اہل خانہ، مشہور فلمی ستارے، کیٹی پیری، جسٹن بائیبر، لیڈی گاگا اور ٹام ہینک شامل ہیں۔ ابوظہبی کی سرکاری کمپنی احبار، گیلیکٹک ورجن کمپنی کے ایک تہائی اثاثوں کی مالک ہے۔

ادھر پیدل چلنے والوں کا یہ حال ہے کہ انہیں تیز رفتار گاڑیوں کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ جہاں سے جی چاہے سڑک عبور کرنے لگتے ہیں۔ نتیجہ، حادثات۔ دوبئی پولیس کے ایک اعلیٰ عہدیدار کا کہنا ہے کہ دبئی کے باشندوں میں ۸۰ فیصد لوگ احتیاط سے سڑک عبور کرنے کے قواعد سے ناآشنا ہیں۔ اس وجہ سے سال (۲۰۱۴ء) کے پہلے تین مہینوں میں ۱۱ افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ اس دوران چوبیس ہزار افراد غلط جگہ سے سڑک عبور کرتے پائے گئے۔ سال ۲۰۱۳ء ایسے افراد کی تعداد تقریباً ساٹھ ہزار تھی۔ سال (۲۰۱۳ء) میں پیدل چلنے والوں کے تقریباً تین ہزار حادثات ہوئے جن میں چھیالیس افراد نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ پولیس کی طرف سے ٹریفک قواعد اور پیدل چلنے کے لیے احتیاطی تدابیر کے بارے میں کئی مہمیں چلائی گئیں ہیں لیکن ان کے مثبت نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ حکومت کی طرف سے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آئندہ دو برسوں میں کئی پل تعمیر کرنے کا اعلان بھی کیا گیا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ لوگ پل استعمال ہی نہیں کرتے۔ عین پل کے دائیں بائیں لوگ سڑکوں پر لپکتے نظر آتے ہیں۔

صاحبو! ہم ابوظہبی کیا آئے کہ یہاں پراپرٹی کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ کہتے ہیں قیمت کا تعین طلب ورسد کے توازن سے ہوتا ہے۔ ہمارا تو کسی قسم کی پراپرٹی خریدنے کا ارادہ نہ تھا لیکن پھر بھی قیمتیں بڑھ رہی تھیں۔ ہم جس علاقے کے ایک فلیٹ میں مقیم تھے اس کا ماہانہ کرایہ تقریباً چار ہزار درہم (یعنی پاکستانی روپوں میں ایک لاکھ سے زائد) تھا۔ یہ ایک سولہ منزلہ عمارت ہے اور ہر منزل پر چھ فلیٹ ہیں۔ نچلی منزلوں کا کرایہ زیادہ ہے اور اس عمارت کے مالک کے پاس اور بھی کئی رہائشی اور تجارتی عمارتیں ہیں۔ اب فلیٹ کے مالک نے مزید کرایہ بڑھانے کا نوٹس دے رکھا ہے۔ اس عمارت کے مالک راشد بن العتیبہ تھے جن کا انتقال ہو چکا ہے اور اب یہ ان کی دو بیٹیوں عائشہ اور خالدہ کی ملکیت ہے۔ ان کی ملکیت میں صرف یہی نہیں، اس جیسی کئی اور عمارتیں ہیں۔

ہم نے غور فرمایا تو پتہ چلا کہ ابوظہبی میں ہماری آمد سے چار پانچ ماہ پہلے ایک واقعہ رونما ہو چکا ہے اور وہ بھی پراپرٹی کی قیمتیں بڑھانے کی ایک وجہ ہے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ دنیا میں ہر دس سال بعد ایک بین الاقوامی تجارتی نمائش منعقد ہوتی ہے جس میں لاکھوں لوگ شریک ہوتے ہیں اور اس میں اربوں ڈالر کے سودے ہوتے ہیں۔ اس کا آغاز ۱۸۵۱ء میں لندن سے ہوا تھا۔ گزشتہ نمائش یعنی Expo 2010 چین کے شہر شنگھائی میں منعقد ہوئی تھی۔ اس نمائش کے انعقاد کی جگہ کا فیصلہ ایک بین الاقوامی جیوری کرتی ہے۔ اس بار چار ممالک اس نمائش کو اپنے ہاں کرانے کے خواہاں تھے، دوبئی، ترکی، روس اور برازیل۔ برسوں پہلے سے خواہش مند ممالک رائے عامہ اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوششیں شروع کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ترکی نے جب پاکستان سے رابطہ کیا تو یہاں پیپلز پارٹی کی حکومت تھی۔ مخدوم امین فہیم وزیر صنعت و تجارت۔ انہوں نے ہاں کر دی۔ ہوایوں کے ووٹنگ کے ابتدائی مرحلوں میں پاکستان نے ترکی کو ووٹ دیا جس سے امارات کی حکومت پاکستان سے ناراض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی ہوئی لیکن حتمی مراحل میں پاکستان نے امارات کے حق میں ووٹ دیا۔ نومبر ۲۰۱۳ء میں اعلان کیا گیا کہ Expo 2020 دبئی میں منعقد ہوگی۔ دبئی کے لوگوں نے اس پر زبردست جشن منایا۔ دبئی کے حکمران شیخ راشد بن المختوم نے برج خلیفہ پر چڑھ کر یہ اعلان اپنے عوام کو سنایا، ابھی سے اس کی تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں۔ تقریباً چوالیس ہزار ایکڑ زمین نمائش کے لیے مختص کر دی گئی ہے جس پر نمائش کے لیے سٹالز اور ضروری عمارات بنائی جائیں گی۔ یہ نمائش ۲۰ اکتوبر ۲۰۲۰ء سے ۱۰ اپریل ۲۰۲۱ء تک جاری رہے گی اور امکان ہے کہ تقریباً ڈھائی کروڑ افراد اس نمائش میں شریک ہوں گے جن میں ۷۰ فیصد لوگ بیرونی ممالک سے آئیں گے۔ ایک جائزے کے مطابق ان میں ۳۳ فیصد لوگ چار گھنٹے تک کی پرواز سے اور ۶۶ فیصد لوگ آٹھ گھنٹے تک کی پرواز کر کے یہاں پہنچیں گے۔ ان مسافروں کے لیے ابوظہبی کا ایک اور دبئی کے دو فضائی مستقر استعمال کیے جائیں گے جہازوں کی آمدورفت کا یہ عالم ہوگا کہ ہر ڈیڑھ منٹ بعد یا تو کوئی جہاز لینڈ کر رہا ہوگا یا ٹیک آف۔ اس کے لیے کنٹرول ٹاورز میں انتہائی تربیت یافتہ افراد کی ضرورت ہوگی۔ کنٹرول ٹاورز کے علاوہ بھی بہت سے شعبوں میں نئے افراد بھرتی کیے جائیں گے۔ ایک اندازے کے مطابق اس نمائش سے تقریباً تین لاکھ افراد کو روزگار میسر آئے گا۔ صرف سیاحت کے شعبے میں دبئی کی حکومت سات ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کرے گی جس سے سڑکیں بہتر بنائی جائیں گی ایک نئی ریلوے لائن بچھائی جائے گی۔ پرائیویٹ سیکٹر میں سینکڑوں ہوٹل تعمیر کیے جائیں گے جن میں دو کروڑ مہمانوں کی آمد متوقع ہے۔

دبئی ویسے بھی دنیا بھر کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ ایک عالمی جائزے کے مطابق دبئی باون ملکوں میں ۲۳ویں نمبر پر ہے جہاں سیاحوں نے ۲۰۱۴ء کے دوران جانا پسند کیا اور کیوں نہ ہو کہ دبئی نے دنیا بھر میں موجود آسائشیں، یہاں مہیا کر دی ہیں۔ یہاں کا موسم گرم ہے لیکن جھلسا دینے والی گرمی میں انہوں نے سکی اِنگ کا انتظام کر دیا ہے۔ دو بلند مینار تعمیر کر کے ان کے درمیان سرنگیں بنائی گئی ہیں جن میں فٹوں کے حساب سے برف بچھائی گئی ہے اور

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ائیر کنڈیشن نظام کے ذریعے یہاں تازہ برف بھی گرتی رہتی ہے۔ امریکہ میں رولر کوسٹر بڑے مقبول ہیں۔ یہ بجلی سے چلنے والے جھولے ہوتے ہیں لیکن انتہائی تیز رفتار۔ جیسے ایک بنچ پر چار آدمی بٹھا دیے جاتے ہیں۔ انہیں بیلٹوں کے ذریعے مضبوطی سے باندھ دیا جاتا ہے۔ بنچ آہستہ آہستہ اوپر اٹھتی ہے۔ کافی بلندی پر جا کر رک جاتی ہے اور پھر اچانک نہایت برق رفتاری سے نیچے آتی ہے جیسے کسی نے بلندی سے نیچے پھینک دیا ہو۔ لوگ خوف اور خوشی کے مارے چیختے چلاتے ہیں۔ اسی طرح ایک ریل گاڑی ہوتی ہے جس کی پٹری فضا میں معلق ہوتی ہے۔ ریل چلتی ہے تو ہچکولے لیتے ہوئے فضا میں گھومتی ہے اور ایک مرحلے پر بالکل الٹی ہو جاتی ہے۔ ابوظہبی کے قریب رولر کوسٹر کی ایک دنیا بسا دی گئی ہے۔

دنیا کی بلند ترین عمارت ''برج الخلیفہ'' دبئی میں واقع ہے۔ منصوبے کے آغاز میں اسے برج دبئی کا نام دیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر میں چھ سال لگے۔ لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی دبئی کے دانے مک گئے تھے۔ ان کے ہاں تیل کے ذخائر ختم ہو رہے تھے اور آمدنی کے لیے ان کی ساری توجہ سیاحت پر مرکوز تھی۔ برج کی تعمیر کے لیے وسائل ناپید ہو چلے تھے۔ ایسے میں ابوظہبی کے حکمران خلیفہ شجاع بن سلطان بن النہیان ان کی مدد کو آئے۔ انہوں نے کئی کمپنیوں کے حصص خریدے، کئی منصوبوں میں سرمایہ کاری کی اور گرتی معیشت کو سہارا دیا۔ شکریے کی علامت کے طور پر اس مینار کو ''برج الخلیفہ'' کا نام دے دیا گیا۔ اس کی بلندی ۸۲۸ میٹر یا ۲۷۱۷ فٹ ہے، ۱۶۰ منزلیں ہیں جن میں دفاتر بھی ہیں اور رہائشی فلیٹ بھی۔ تین تین بیڈ رومز کے باقاعدہ گھر بھی ہیں جن میں ۹۰ فیصد گھر برج کی تکمیل تک بک ہو چکے تھے لیکن فلیٹ کا معاملہ مختلف تھا۔ یہ کرایے پر دیے جانے تھے تاکہ آمدنی میں تسلسل رہے۔ آغاز میں ایک سٹوڈیو اپارٹمنٹ کا کرایہ ۳۸۱۱۴ ڈالر سالانہ تھا۔ سٹوڈیو اپارٹمنٹ بس ایک ہی کمرے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے ایک کونے میں چارپائی ڈال لیجیے، یہ ہوا، آپ کا بیڈ روم۔ ایک کونے میں ایک چھوٹی سی میز لگا لیجیے اور اسے کہیے ڈائننگ روم، اور جو جگہ بچ جائے وہاں ایک چھوٹا سا صوفہ یا دو کرسیاں رکھ لیں، یہ کہلائے گا ڈرائنگ روم۔ یہ جدید

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندگی کی انوکھی پیشکش ہے۔ بندہ اکیلا ہو اور رہائش پر زیادہ خرچ نہ کرنا چاہے تو ایسے اپارٹمنٹ غنیمت ہوتے ہیں لیکن اہل خانہ کے ساتھ ان میں رہنا، جیل میں رہنے کے برابر ہے۔ جب ایک طویل عرصے تک یہ اپارٹمنٹ خالی پڑے رہے تو ان کے کرایے خود بخود کم ہو گئے، اب یہ ۲۴۵۰۲ ڈالر سالانہ کرایے پر دستیاب ہیں۔ ایک بیڈ روم، اپارٹمنٹ کا کرایہ ۳۲۲۶۹ ڈالر سالانہ ہے۔ اس میں بیڈ روم کے علاوہ چھوٹے چھوٹے ڈرائنگ روم اور کھانے کے کمرے الگ ہوتے ہیں۔

برج الخلیفہ کا ایک اور دلچسپ پہلو ایسا ہے جو دنیا کی کسی اور عمارت میں میسر نہیں۔ وہ یہ کہ اس مینار کی مدد سے آپ ایک ہی شام غروب آفتاب کا منظر دوبارہ دیکھ سکتے ہیں۔ آپ مینار کے نیچے سے سورج غروب ہوتا دیکھیں اور جب سورج مکمل طور پر غروب ہو جائے تو لفٹ کے ذریعے سب سے اوپر والے فلور پر پہنچیں۔ آپ چمکتا ہوا سورج دیکھ سکیں گے۔ جو غروب ہونے کو ہوگا۔ رمضان کے مہینے میں جو شخص سب سے اوپر والے فلور پر ہوگا وہ مینار کے نیچے موجود شخص کے روزہ کھولنے کے تین منٹ بعد روزہ کشائی کرے گا۔

امارات کا ایک اور کارنامہ ''ساحل کھجور'' ہے۔ یہ ہم نے پام بیچ (Palm Beach) کا ترجمہ کیا ہے جسے نخیل بھی کہا جاتا ہے جو کھجور جیسے درخت کا ایک اور نام ہے۔ اس کا تصور دبئی کے حکمران شیخ راشد بن سعید المختوم نے پیش کیا۔ بلجیئم اور ہالینڈ کی کمپنیوں نے اسے حقیقت کا روپ دیا۔ سمندر کے درمیان سے مٹی اور ریت کھود کھود کر ساحل کے قریب جمع کی گئی اور اسے اس طرح بڑھایا گیا کہ وہ کھجور کے درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ ساحل سے تنے کی مانند ایک سڑک سیدھی چلی گئی ہے اور اس سے دائیں بائیں سولہ سڑکیں اس طرح نکالی گئی ہیں کہ وہ تنے سے نکلتی ہوئی شاخیں محسوس ہوتی ہیں۔ پہلے مرحلے کا آغاز جون ۲۰۰۱ء میں ہوا اور یہ پانچ سال میں مکمل ہوا۔ اس کے بیرونی حصے کو سمندر کی لہروں سے محفوظ رکھنے کے لیے ستر لاکھ ٹن پتھروں کی مدد سے ایک حفاظتی دیوار بنائی گئی ہے۔ اسے پام جمیرہ کا نام دیا گیا۔ اس سے دبئی شہر میں ۵۲۰ مربع کلو میٹر زمین کا اضافہ ہوا۔ اس کے بعد جبل علی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر بھی اسی طرح کا منصوبہ شروع ہوا۔ پھر دنیا کے نقشے کی طرز پر مختلف جزیرے بنائے گئے ہیں۔ انسان کو ورطہ حیرت میں ڈالنے کے لیے ان جزائر کی تشکیل ہی کیا کم تھی کہ متحدہ عرب امارات کے نائب صدر اور دبئی کے وزیراعظم شیخ محمد بن راشد المختوم نے ایک اور حکم صادر فرمایا جس کے مطابق جمیرہ کے جزیرے پر ۱۲۳ میٹر اونچا ایک پول نصب کیا جائے گا جس پر عرب امارات کا پرچم لہرائے گا۔ یہ دنیا کا بلند ترین پول ہوگا۔ اس کے قریب ہی ساحل پر یونین میوزیم تعمیر کیا جائے گا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں دو دسمبر ۱۹۷۱ء کو مختلف امارات کے شیخ جمع ہوئے تھے اور انہوں نے متحدہ عرب امارات کی تشکیل پر اتفاق کرتے ہوئے ایک دستاویز پر دستخط کیے تھے۔

ایک پرانی کہاوت ہے کہ پیسہ، پیسے کو کھینچتا ہے۔ عرب امارات کے ہاں دولت کی ریل پیل ہے۔ ۲۰۱۱ء سے ان کے دفاعی اخراجات میں بھی بے تحاشا اضافہ ہوا ہے۔ گزشتہ سال دفاع پر سب سے زیادہ رقم خرچ کرنے والے دس ملکوں میں متحدہ عرب امارات بھی شامل ہے۔ اس سال اومان کے دفاعی اخراجات میں ۳۶ فیصد اور سعودی عرب کے اخراجات میں ۱۹ فیصد اضافہ ہوا۔

برطانوی عجائب گھر نے حال ہی میں ابوظبی کے محکمہ ثقافت کے ساتھ مل کر ایک نمائش کا اہتمام کیا جس میں برطانیہ سے سو کے قریب تاریخی نوادرات لائے گئے تھے اس میں سیزر آگسٹس کا مجسمہ بھی شامل تھا جس نے رومی سلطنت قائم کی تھی۔ یونانی خدا متھر اس کا مجسمہ بھی شامل تھا جو رومی سلطنت میں بڑا مقبول تھا۔

امریکہ اور برطانیہ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں نے یہاں اپنے اپنے کیمپس قائم کیے ہیں۔ نیویارک یونیورسٹی نے ابوظبی کے جزیرہ سعدیات میں کیمپس قائم کیا ہے جس کی تعمیر پر تقریباً ڈیڑھ بلین ڈالر لاگت آئی۔ یہ سارے اخراجات ابوظبی حکومت نے برداشت کیے۔ اس سال جب داخلوں کی باری آئی تو دنیا بھر سے تقریباً سولہ ہزار افراد نے درخواستیں دیں۔ ان میں سے صرف ڈھائی سو افراد کو داخلہ دیا گیا۔ جن میں مقامی طلبہ کی تعداد پانچ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فیصد سے کچھ زائد تھی۔ بیرونی ممالک کے طلبہ کو ستر ہزار ڈالر سالانہ اخراجات برداشت کرنا ہوں گے جب کہ مقامی طلبہ کو حکومت کی طرف سے اچھے بھلے وظائف کی پیش کش ہے۔ اسی طرح برطانیہ کی مڈل سیکس یونیورسٹی نے بھی دبئی میں اپنا ایک کیمپس قائم کر رکھا ہے۔

حال ہی میں یورپی یونین پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا ہے جس کے مطابق متحدہ عرب امارات کے باشندوں کو شینگن ویزا حاصل کرنے سے استثنا حاصل ہوگا۔ یعنی امارات کا کوئی بھی باشندہ تین مہینوں کے لیے یورپی یونین کے پچیس ممالک میں سے کسی بھی ملک کا ویزہ حاصل کیے بغیر وہاں جا سکتا ہے۔ یورپی یونین کی پارلیمنٹ میں ۵۷۷ ارکان ہوتے ہیں۔ ۵۲۳ ارکان نے قانون کے حق میں ووٹ دیئے۔ عرب ممالک میں متحدہ عرب امارات پہلا ملک ہے جسے یہ سہولت دی گئی ہے۔

مختصر یہ کہ متحدہ عرب امارات کے باشندے ایسے ماحول میں جی رہے ہیں جہاں ہر طرف چاندی ہی چاندی ہے۔ ماشاء اللہ جہاں چاروں طرف ریت ہی ریت تھی، عالیشان عمارتوں کی بہتات ہے۔ جہاں ایک وقت کے کھانے کے بعد یہ پتہ نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے وقت کا کھانا کب ملے گا، اشیائے ماکولات کی فراوانی ہے۔ دنیا بھر کی منڈیوں کے لذیذ پھل اور سبزیاں یہاں میسر ہیں۔ فلپائن کے کیلے، افریقہ کے مالٹے، فرانس کے سیب، آسٹریلیا کے کنو، اردن کی گوبھی، ایران کی شملہ مرچ، چین کا لہسن، پاکستان کے آم اور چاول، غرض یہ کہ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں کی پیداوار اور مصنوعات یہاں نہ ملتی ہوں۔ ظاہر ہے یہ تبھی ممکن ہے جب یہ ساری اشیاء عام آدمی کی قوت خرید میں ہوں۔ عام آدمی امیر ہے، خوشحال ہے، فارغ البال ہے۔ حکومت کی ساری پالیسیاں اس طرح تشکیل دی جاتی ہیں کہ حکومت کی آمدنی کا کچھ حصہ عام آدمی کی طرف منتقل ہوتا رہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انہیں بجلی اور پانی بالکل مفت مہیا کیا جاتا ہے۔ غیر ملکیوں کو تو بجلی اور پانی کے بل ادا کرنے پڑتے ہیں لیکن مقامی لوگوں کے لیے یہ سہولت بلا معاوضہ ہے۔ بلکہ غیر ملکیوں کی آمدنی پر بھی کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں ہے۔

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حال ہی میں ایک خبر شائع ہوئی کہ عرب امارات کی حکومت اپنے باشندوں پر کچھ خاص ٹیکس عائد کرنے پر غور کر رہی ہے۔ امارات کی وزارت اقتصادیات کی طرف سے وضاحت کی گئی کہ عام فرد پر کوئی ٹیکس عائد کرنے کی کوئی تجویز زیر غور نہیں۔ صرف مضر صحت اشیاء یعنی سگرٹوں اور تمباکو کی دیگر مصنوعات پر ٹیکس عائد کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔

متحدہ عرب امارات کی حکومت کی طرف سے دنیا کی مفلوک الحال قوموں کو فراخدلانہ امداد مہیا کی جاتی ہے۔ حال ہی میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق ۲۰۱۳ء میں امارات کی طرف سے پانچ بلین ڈالر کی امداد مہیا کی گئی۔ اس طرح امارات امداد مہیا کرنے والے ملکوں میں سرفہرست رہا۔ یہ الگ بات کہ اس امداد کا بیشتر حصہ مصر کے جنرل سیسی کو مہیا کیا گیا جو مصر کے منتخب صدر محمد مرسی کا تختہ الٹ کر برسر اقتدار ہے۔ عجیب بات ہے کہ محمد مرسی مغرب کے جمہوری تصور کے عین مطابق باقاعدہ صدر منتخب ہوئے لیکن امریکہ اور دیگر ممالک نے ان کا تختہ الٹنے پر ایک لفظ جنرل سیسی کی مذمت میں نہیں کہا۔ ان کا رویہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ مرسی کا صرف ایک ہی قصور تھا

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

افسوسناک بات یہ ہے کہ سعودی عرب سمیت اسلامی ملکوں کی اکثریت نے سیسی کا ساتھ دیا اور اس کی حکومت کو معاشی بحران سے نکالنے کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جمہوریت کی تازہ ہوا ان کے بادشاہی نظام کو مفلوج نہ کر دے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا دبئی کے تیل کے ذخائر تو کم ہو رہے ہیں لیکن تیل کی دولت سے انہوں نے اپنی سڑکیں اتنی پائیدار اور خوبصورت بنا لی ہیں کہ سفر آسان اور آرام دہ ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے دنیا بھر کی آسائشیں یہاں مہیا کر دی ہیں اس کی وجہ سے دبئی دنیا کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ اس سال سیاحت کے ایک بین الاقوامی ادارے ٹرپ ایڈوائزر ڈاٹ کام کی طرف سے جو جائزہ پیش کیا گیا ہے اس میں دبئی ان

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پچیس مقامات میں شامل ہیں جہاں دنیا کے سیاح جانے کا شوق رکھتے ہیں۔ ان کے لیے صرف برج الخلیفہ ہی قابل توجہ نہیں ہے بلکہ دبئی کے پرانے اور نئے شہر کے درمیان ساحلی علاقہ ''ابرے کا ڈبرا'' شیخ زید روڈ، سکھوں کا گوردوارہ گرونانک دربار اور عرب خواتین کی کامیابیوں کی تصویری جھلکیوں پر مشتمل بیت البنات بھی ان کی توجہ کا مرکز ہے۔

امارات کی وزارت سیاحت اپنے ہاں کے قابل دید مقامات کو دنیا میں متعارف کروانے کے لیے متعدد اقدامات کرتی رہتی ہے۔ حال ہی میں ان کا ایک چینی کمپنی ''نوسکن (Nu Skin)'' سے ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت صرف اپریل ۲۰۱۴ء میں سولہ ہزار چینی افسر شیخ زید الکبیر یونیورسٹی کا دورہ کریں گے اور امارات کی سیاحت، تہذیب وثقافت اور ترقی سے متعلق معلومات حاصل کریں گے۔ وہ چین کے مختلف شہروں سے ۷۷ پروازوں کے ذریعے دبئی اور ابوظبی کے ہوائی اڈوں پر اتریں گے۔ وزارت داخلہ، وزارت سیاحت اور پولیس کے محکموں نے ان کے استقبال کے لیے بھرپور اقدامات کیے ہیں۔ کئی ہزار افراد گائیڈ کے طور پر کام کریں گے۔ سینکڑوں گاڑیاں ان کے لانے لے جانے کے لیے مختص کی گئی ہیں کئی ہوٹلوں میں ان کے قیام وطعام کا بندوبست کیا گیا ہے۔ اپنے قیام کے دوران وہ ابوظبی، دبئی اور شارجہ کا تفصیلی دورہ کریں گے۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ سیاحوں کو یہاں وہ سب کچھ میسر ہے جس کی خاطر وہ اپنے ملک کی یکسانیت سے تنگ آ کر سیاحت اختیار کرتے ہیں۔ وسیع وعریض ہموار سڑکیں، تیز گاڑیاں، وسیع ذرائع مواصلات، جان ومال کا تحفظ، کھانے پینے کی اشیاء کی سستے داموں فراوانی اور قابل دید مقامات کی کشش۔ سبھی کچھ ہے اور یہ سب کچھ انہوں نے پچاس ساٹھ برس کی قلیل مدت میں حاصل کیا ہے۔ غربت سے امارت تک کی یہ کہانی دلچسپ بھی ہے، قابل رشک بھی۔ آیئے آپ کو یہ کہانی سناتے ہیں۔

ابوظبی اور یہاں کے موجودہ حکمرانوں کی تاریخ شیخ ذیاب بن عیسیٰ سے شروع ہوتی ہے جو موجودہ ابوظبی کے شمال میں واقع جزیرہ بنی یاس میں مقیم مختلف قبیلوں کے ایک ڈھیلے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈھالے اتحاد کے سربراہ تھے۔ ان کا اپنا خاندان اور قبیلہ ابوفلاح، ایک اور جزیرے لیوا میں مقیم تھا۔ جزیرہ بنی یاس میں، صدیوں سے ریت کے ٹیلوں اور ویرانیوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ انہی ویرانیوں کی نسبت سے اس کا نام جزیرہ بنی یاس پڑا ہو لیکن ایسا نہیں ہے۔ صدیوں پہلے یہاں اومان کا ایک قبیلہ آ کر آباد ہوا تھا جس کے سربراہ کا نام یاس بن عامر بن ساسا تھا۔ اسی کے نام پر اس جزیرے کا نام بنی یاس ٹھہرا۔ یہاں کے لوگ شکار کی تلاش میں ابوظہبی آیا کرتے۔ یہ نسبتاً کافی بڑا جزیرہ تھا اور یہاں ہرن کثرت سے پائے جاتے تھے۔ ساحل کٹا پھٹا اور کافی طویل تھا اور ماہی گیری کے لیے موزوں۔ وہ خشک علاقوں میں شکار کرتے اور ساحلوں سے مچھلیاں پکڑتے۔ موسم گرما میں سمندر سے موتی بھی نکالے جاتے۔

۱۷۶۱ء کی ایک صبح شیخ ذیاب شکار کی تلاش میں یہاں آئے ہوئے تھے۔ انہیں ایک ہرن نظر پڑا۔ یہ اس کے تعاقب میں تھے کہ سمندر کی طرف سے دھند کی ایک دبیز چادر نے جزیرے کو ڈھانپ لیا۔ ہرن نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ دھند چھٹی تو ہرن ایک جگہ پانی پیتا نظر آیا۔ قریب آئے تو دیکھا کہ زمین سے پانی ابل رہا ہے۔ شیخ ذیاب کو ہرن ہی نہیں ملا، ایک بستی کا نام بھی مل گیا تھا۔ جس کا لفظی ترجمہ تو ہے ''ہرن کا باپ'' لیکن یہ اس جزیرے کا نام ہوا۔ ظبی عربی میں ہرن کو کہتے ہیں اس کا صحیح تلفظ ''ظبی'' ہے بروزن ''سبھی''۔ ابوظہبی صحیح تلفظ نہیں ہے۔ یہ غالباً انگریزی ہجوں کی وجہ سے غلط رواج پا گیا ہے۔ وہاں کے مقامی لوگ اسے ابوظبی ہی بولتے اور لکھتے ہیں۔

پانی نے انسانی تہذیب و تمدن میں ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان آباد ہوئی تھی۔ برصغیر کی تاریخ میں انسانی بستیاں دریائے سندھ کے کنارے آباد ہونی شروع ہوئی تھیں۔ سندھ کے کنارے بسنے والوں کو پہلے سندھو اور پھر ہندو کہا گیا اور ام القریٰ مکہ کا قیام اس آب زم زم کا مرہونِ منت ہے جو ننھے اسماعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے سے نمودار ہوا تھا۔

شیخ ذیاب بن عیسیٰ نے میٹھے پانی کے کنوؤں کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے حکم دیا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ زید بن نہیان کی ایک نایاب تصویر

ابوظہبی کے موجودہ حکمران شیخ خلیفہ بن زید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوظہبی۔ غربت کے دنوں میں شاہی محل کے باہر ریت پر عید کی نماز

ابوظہبی۔ مقتابل بننے سے پہلے سمندر کا راستہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوظبی۔شاہی خاندان کی رہائش کی تاریخی عمارت قصر الحصن

پاکستان ایسوسی ایشن دوبئی کے زیر اہتمام ایک شام میں خطاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوظبی۔ مسجد شیخ زید بن سلطان

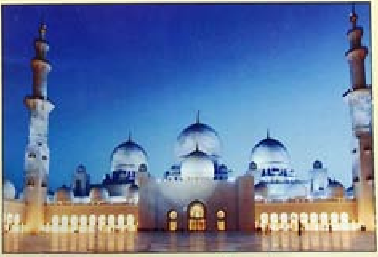

ابوظبی۔ مسجد شیخ زید بن سلطان رات کا منظر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوبئی کے موجودہ حکمران شیخ محمد بن راشد المکتوم

دوبئی ابرے کا ڈیرا۔ جیولری مارکیٹ میں 65 کلو کی سونے کی انگوٹھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوبئی ۔ برج خلیفہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ان کنوؤں کے قریب ایک واچ ٹاور (نگہبان مینار) تعمیر کیا جائے۔ مختلف قبیلوں نے اس مینار کے اردگرد اپنی خیمہ بستیاں قائم کر لیں۔ انہی بستیوں کے مجموعے کا نام ابوظبی ٹھہرا۔ شیخ ذیاب بن عیسیٰ (متوفی ۱۷۹۳ء) کے بعد ان کے بیٹے شیخ شخبوط بن ذیاب نے قبیلے کی سربراہی سنبھالی تو پہلے مینار کے آس پاس دو اور مینار تعمیر کروائے اور اپنے بال بچوں اور پورے قبیلے کو یہاں منتقل کر لیا۔ ان میناروں کے درمیان جو قلعہ تعمیر کیا گیا وہ شروع میں حصن ابوظبی کہلاتا تھا لیکن بعد میں مزید تعمیرات کے بعد جب حکومت کے انتظامی شعبے اور فوج کا مرکز بھی یہیں قائم ہوا تو یہ قصر الحصن کہلایا (حصن، عربی میں ایسی جگہ کو کہتے ہیں جسے حفاظت میں لیا گیا ہو) قصر الحصن کو ابوظبی کی تاریخ میں اہم مقام حاصل رہا ہے کہ تیل کی دریافت سے پہلے حکومت کا مرکز اور ابوظبی کے سربراہ حکومت کی رہائش اسی قصر الحصن میں تھی۔

متحدہ عرب امارات کے بانی شیخ زید بن سلطان النیہان کے دادا شیخ زید بن خلیفہ (۱۸۵۵ء تا ۱۹۰۹ء) کو ابوظبی کی تاریخ میں وہی مقام حاصل ہوا جو برصغیر ہند میں شہنشاہ اکبر کو یعنی طویل ترین دور حکمرانی۔ انہوں نے چون برس تک ابوظبی پر حکمرانی کی۔ اس دوران انہوں نے قصر الحصن میں مزید تعمیرات بھی کروائیں۔ اس لحاظ سے یہ لاہور کے شاہی قلعے سے مماثل ہے کہ ہر مغل حکمران نے یہاں کوئی نہ کوئی عمارت تعمیر کروائی

ہر کہ آمد، عمارت نو ساخت

لیکن قصر الحصن اور شاہی قلعے میں واضح فرق ہے۔ مغل حکمران خوشحال حکمران تھے۔ انہیں بے تحاشا وسائل میسر تھے۔ اس لیے ان کی بنائی گئی عمارتیں پرشکوہ اور خاندانِ مغلیہ کی عظمت کے شاہکار ہیں، جیسے شالیمار باغ، شاہی مسجد، تاج محل۔ شاہی قلعے میں بھی جو عمارتیں مغل حکمرانوں نے بنوائیں وہ خوبصورتی اور فن تعمیر کا نادر نمونہ ہیں جیسے نولکھا حویلی، جس کی تعمیر میں اس وقت نولاکھ روپے صرف ہوئے۔ شاہجہاں نے ایک خواب گاہ بنوائی جس میں ہزاروں آئینے استعمال کیے گئے۔ جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے، اس کی صورت ہزاروں آئینوں میں چمکتی ہے۔ آج کل کے گائیڈ سیاحوں کو موم بتی یا دیا سلائی جلا کر

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دکھاتے ہیں۔ ایک موم بتی جلتی ہے تو کمرے کی چھت پر اور چاروں طرف دیواروں پر ہزاروں موم بتیاں روشن ہو جاتی ہیں۔

اس کے مقابلے میں قصر الحصن بنانے والوں کے وسائل محدود تھے۔ انہوں نے مختلف ادوار میں یہ محل ضرورتاً تعمیر کروایا۔ دولت ان کے پاس تھی نہ اس کے اظہار کا کوئی موقع۔ سو قصر الحصن پتھر اور گارے سے تعمیر کیا گیا۔ البتہ یادگار کے طور پر اب اسے محفوظ کر لیا گیا ہے۔ پہلے اس کے چاروں طرف ریت کے ٹیلے تھے جن پر اونٹوں کے قافلے چلا کرتے، اب فلک شگاف عمارتیں ہیں اور کشادہ سڑکیں جن پر جدید ترین ماڈل کی گاڑیاں فراٹے بھرتی ہیں۔ خوشحالی کے اس دور کا تفصیلی ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ ابھی تو تاریخ کے اسی موڑ پر واپس چلتے ہیں جہاں قصر الحصن اور لاہور کے شاہی قلعے کا ذکر آیا تھا۔ ہم شیخ زید بن خلیفہ کا ذکر کر رہے تھے۔ ان کا دور امن اور خوشحالی کا دور تھا اور انہیں شیخ اکبر (Sheikh the Great) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان سے پہلے خلیج فارس میں بحری قزاق دندناتے پھرتے تھے اور ہر آنے جانے والے جہاز کو لوٹ کر مسافروں کو یرغمال بنا لیتے تھے۔ اس قزاقی سے جس ملک کے مفادات پر کاری ضرب پڑتی تھی وہ برطانیہ تھا کہ کوئی براعظم ایسا نہ تھا جہاں ان کے مقبوضہ علاقے نہ ہوں۔ ان دنوں کہا جاتا تھا کہ سورج برطانیہ عظمیٰ کی سلطنت پر کبھی غروب نہیں ہوتا۔

خلیج فارس میں امن ان کی ضرورت تھا۔ ۷ جون ۱۸۲۰ء کو برطانیہ نے خلیج فارس کی ریاستوں سے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت برطانیہ کے جہازوں کو خلیج میں آمدورفت کی کھلی چھوٹ تھی اور مقامی ریاستوں کو امن وامان قائم رکھنے میں برطانیہ کے ساتھ تعاون کرنا تھا۔ تادیبی کارروائیوں کے لیے برطانیہ کا بحری بیڑہ خلیج فارس میں موجود رہتا تھا۔ اس معاہدے پر کچھ ریاستوں نے برضا ورغبت دستخط کیے اور کچھ سے زبردستی دستخط کروائے گئے۔ اس طرح یہ نو ریاستیں بنتی تھیں، قطر، ابوظہبی، دبئی، شارجہ، عجمان، راس الخیمہ، ام القوین، فجیرہ اور اومان۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موازنہ تاریخ برصغیر وابوظہبی:

تو شیخ زید بن خلیفہ کو امن کا جو دور نصیب ہوا، اس میں اس معاہدے کا بھی اہم کردار ہے۔ ان کے بعد آنے والا دور سیاسی بدامنی اور معاشی بدحالی کا دور تھا۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی جو چار سال تک جاری رہی۔ اس کی وجہ سے خلیجی ریاستوں کی تجارت پر بہت برا اثر پڑا۔ دور دیس سے آنے والے سوداگر ناپید ہو گئے۔ ابوظہبی میں ۱۹۲۲ء سے شیخ سلطان حکمران تھے۔ ۴ اگست ۱۹۲۶ کو انہیں بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ ان کے پانچ بیٹے تھے۔ شیخ شخبوط، شیخ ہزاع، شیخ حطار، شیخ خالد اور شیخ زید۔ ان سب کی زندگی بھی خطرے میں تھی کہ شیخ سلطان کو قتل کرنے والے کسی ایسے شخص کو زندہ نہ دیکھنا چاہتے تھے جو آئندہ دنوں میں تخت کی وراثت کا دعویٰ کر سکیں۔ اس طرح متحدہ عرب امارات کے بانی شیخ زید بن سلطان النیہان کو بھی تقریباً انہی حالات کا سامنا کرنا پڑا جو برصغیر میں اکبر کو پیش آئے تھے۔

برصغیر ہند میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد ظہیر الدین بابر نے رکھی تھی۔ وہ ۱۵۲۶ء میں آٹھ ہزار کی فوج لے کر کابل سے چلا اور سلطان ابراہیم لودھی کی بارہ ہزار فوج کو شکست دے کر دہلی میں تخت نشین ہوا۔ اسے بس چار سال حکمرانی کا موقع ملا۔ ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو اس کا انتقال ہوا۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی میت کابل میں لے جا کر دفن کی گئی۔ پھر جس طرح شیخ زید بن سلطان النیہان کے مزار پر چوبیس گھنٹے دو قاری ہر وقت قرآن کی تلاوت میں مصروف رہتے ہیں، بابر کی بیوی ماہم بیگم نے ساٹھ قاری مقرر کیے جو چوبیس گھنٹے تلاوت قرآن میں مصروف رہتے تھے۔ لنگر کا اہتمام بھی کیا گیا جہاں صبح شام غریبوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اس کے لیے صبح کے وقت ایک گائے، دو بھیڑیں اور پانچ بکریاں اور شام کو پانچ بکریاں ذبح کی جاتی تھیں۔ ان تمام اخراجات کے لیے سیکری کا بیانہ وقف کر دیا گیا تھا جو تقریباً پانچ لاکھ روپے سالانہ بنتا تھا۔ یہ اہتمام ماہم بیگم کی زندگی تک ڈھائی سال جاری رہا۔

بابر کی وفات کے تین دن بعد ۲۹ دسمبر ۱۵۳۰ء کو ہمایوں دہلی میں تخت نشین ہوا۔ اس کا ایک بھائی کامران کابل اور قندھار کا حکمران تھا، دوسرا عسکری سنبھال کا، تیسرا ہندال الور،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میوار کا اور چوتھا مرزا سلیمان بدخشان کا۔ کامران خود کو ہندوستان کا حکمران دیکھنا چاہتا تھا اس لیے اسے ہمایوں کی تخت نشینی پسند نہ آئی۔ اس نے ہمایوں کے ایک جنرل شیر شاہ سے ساباز کی۔ شیر شاہ نے ۲۷ جون ۱۵۳۹ء کو دریائے گنگا کے کنارے چمسا گھاٹ پر ہمایوں کو بری طرح شکست دی۔ وہ جان بچا کر بھاگا۔ اسی دوران ایک سقے نے اس کی مدد کی اور اپنی مشک کے ذریعے سے دریا پار کروایا۔ ہمایوں نے اسے دعوت دی کہ جب وہ اپنا تخت واپس لے لے تو وہ اس کے پاس آئے وہ اسے ایک دن کے لیے بادشاہ بنا دے گا۔ جب ہمایوں نے دہلی کا تخت حاصل کر لیا تو وہ سقہ آیا اور اس نے بادشاہ کو اس کا وعدہ یاد دلایا۔ وعدہ پورا کیا گیا اور نظام سقہ ایک دن تک تخت شاہی پر براجمان رہا۔

ہمایوں مدد حاصل کرنے کے لیے ایران کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں وہ سندھ کے شہر امرکوٹ کے قریب ٹھہرا ہوا تھا جب ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو اکبر پیدا ہوا۔ انتہائی بے سروسامانی کے باوجود ہمایوں نے اپنے گھڑ سوار دستے میں اشرفیاں تقسیم کیں اور پیش گوئی کی کہ ایک دن یہ بچہ بڑا آدمی بنے گا۔ راستہ مشکل تھا اور ساز وسامان ناپید۔ بچے کو ایک آیا کے سپرد کیا گیا اور امرکوٹ کے حکمران رانا پرشاد کی تحویل میں دے دیا گیا کہ واپسی میں لے لیں گے لیکن ہوا یوں کہ ہمایوں کا بھائی عسکری، اس کا تعاقب کرتے ہوئے امرکوٹ پہنچ گیا۔ اکبر کی آیا ماہم آنگا نے بچہ عسکری کے سپرد کر دیا جو اسے کابل لے گیا اور اسے کامران کے حوالے کر دیا۔ کامران نے اسے محل میں تو رکھا اور بڑے ناز و نعم سے اس کی پرورش بھی کی لیکن پڑھانے لکھانے کا کوئی اہتمام نہ کیا کہ کل کو کہیں حکمرانی کا دعویدار نہ بن بیٹھے۔ اسی کم علمی اور جہالت کا نتیجہ تھا کہ اکبر نے اپنے مشیروں کے کہنے پر ''دین الٰہی'' ایجاد کیا۔ سجدہ تعظیمی کا حکم دیا اور خود کو ظل الٰہی کا لقب دیا۔ صبح سویرے کسی جھروکے میں بیٹھتا تھا اور ہندو رعایا اس کے درشن کر کے یہ سمجھتی تھی کہ ان کا دن بڑا بابرکت گزرے گا۔ لاہور کے شاہی قلعے کی نولکھا حویلی میں بھی اس طرح کا ایک جھروکہ موجود ہے۔

ہم ہمایوں کا ذکر کر رہے تھے وہ ۱۰ جولائی ۱۵۴۳ء کو سندھ سے نکلا اور منزل بہ منزل

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طے کرتا ایران پہنچا۔ ایران پر اس وقت شاہ طہماسپ کی حکمرانی تھی۔ اس نے متعلقہ صوبوں کے گورنروں کو تفصیلی ہدایات بھیجیں کہ ہمایوں کا شایانِ شان استقبال کیا جائے۔ ہمایوں کی بہن گل بدن بیگم اپنی کتاب "ہمایوں نامہ" میں روایت کرتی ہیں کہ جب ہمایوں کی ملاقات شاہ طہماسپ سے ہوئی تو اس نے ہمایوں کو شیعہ مذہب قبول کرنے کی دعوت دی۔ ہمایوں نے نرمی سے انکار کر دیا۔ بعد میں اس سے زبردستی تین دستاویزات پر دستخط کروائے گئے اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ ہمایوں اور اس کے ساتھیوں نے شیعہ مذہب قبول کر لیا ہے۔ شاہ طہماسپ نے بارہ ہزار گھڑسوار ہمایوں کے سپرد کیے۔

ہمایوں نے سب سے پہلے قندھار کا رخ کیا۔ جب اس کی فوجوں نے قندھار کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا تو ایک دن قلعے پر گولہ باری کے دوران کامران نے اکبر کو فصیل پر کھڑا کر دیا۔ ظاہر ہے گولہ باری روک دی گئی۔ بعد میں قندھار اور کابل فتح کر لیا گیا۔ نومبر ۱۵۵۴ء میں ہمایوں نے ایک بار پھر دہلی کا رخ کیا۔ اس کے پاس اتنی ہی فوج تھی جتنی اس کے والد بابر کے پاس جب تیس سال پہلے اس نے دہلی کا رخ کیا تھا۔ اس وقت بابر کی عمر بارہ برس تھی اور وہ پہلی بار زرہ بکتر پہن کر کسی مہم میں شریک ہوا۔ ہمایوں کی پندرہ برس کی جلاوطنی ۲۳ جولائی ۱۵۵۵ء کو ختم ہوئی جب وہ دہلی میں داخل ہوا۔ شیر شاہ کا مئی ۱۵۵۵ء میں انتقال ہو گیا تھا اس کے بڑے بیٹے جلال خان نے تخت سنبھالا لیکن اکتوبر میں اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے چھوٹے بھائی نظام نے حکمرانی سنبھالی اور ہمایوں کے ہاتھوں شکست کھائی۔

خود ہمایوں کو ہندوستان کی حکمرانی راس نہ آئی۔ صرف چھ ماہ بعد کی بات ہے کہ وہ دہلی سے آگرہ جا رہا تھا۔ دہلی سے چھ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے دین پناہ، جہاں شیر شاہ نے ایک عمارت تعمیر کروائی تھی، جہاں قیام کے دوران، وہ اردگرد کے خوبصورت نظاروں سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ ہمایوں بھی تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ نیچے اترتے ہوئے وہ سیڑھیوں سے گرا۔ اس کے سر پر سخت چوٹیں آئیں اور ان کی تاب نہ لاتے ہوئے ۲۶

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنوری ۱۵۵۶ء کو اس کا انتقال ہوگیا۔ اور یوں اتنے نشیب وفراز سے گزر کر اکبر نوعمری کے زمانے میں ہندوستان کا حکمران ہوا۔

ادھر ابوظہبی میں شیخ زید بن سلطان کے والد کو جب قتل کیا گیا تو اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ بڑے بھائی شیخ شخبوط اور ھزاع چھپتے چھپاتے دوبئی کی طرف نکل گئے اور وہاں سے غیر معروف جزیروں میں گم ہوگئے۔ ان کی والدہ سلمٰی بنت بتی نے زید سمیت چھوٹے بچوں کو ساتھ لیا اور العین کے ویرانوں میں گوشہ نشین ہوگئیں۔ اردگرد کوئی سکول تھا نہ مدرسہ۔ ہوتا بھی تو بچوں کو داخل کروانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ زید ابتدائی قسم کی مذہبی تعلیم ہی حاصل کر سکے لیکن سخت کوش زندگی نے انہیں جو سبق سکھائے، حکمرانی کے دور میں ان کے بہت کام آئے۔ انہوں نے غربت کے دن دیکھے تھے اور غریبوں کے لیے ہمدردی ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

دو سال شیخ زید بن سلطان اور ان کے خاندان نے انتہائی کسمپرسی میں گزارے ۱۹۲۸ء میں ان کے چچا صقر بن زید النہیان بھی قتل کر دیئے گئے۔ تب شیخ شخبوط اور شیخ ھزاع ابوظہبی واپس آئے۔ سلمٰی بنت بتی بھی بچوں کو لے کر العین واپس آگئیں۔ تب النہیان خاندان اور قبائلی سرداروں نے بالاتفاق شیخ شخبوط بن سلطان کو ابوظہبی کا حکمران بنایا۔ سلمٰی بنت بتی ایک دکھیاری ماں تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اپنے شوہر کو قتل ہوتے دیکھا تھا۔ دو سال بعد اس کے دیور کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اقتدار کی جنگ ایسی ہی ہوتی ہے۔ یہ خونی رشتوں کا لحاظ کرتی ہے نا دوستی کا پاس۔ برصغیر میں بھی تو اورنگ زیب نے اپنے بھائیوں کو قتل کروا دیا تھا اور اپنے والد شاہجہاں کو پابند سلاسل کر دیا تھا۔ شیخہ سلمٰی خوش تو تھی کہ اس کا بڑا بیٹا ابوظہبی کا حکمران ہوگیا تھا لیکن اسے خدشہ تھا کہ اقتدار کی کشمکش میں اس کے بیٹے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہ ہو جائیں۔ سلمٰی نے سب کو جمع کیا اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف کبھی تشدد استعمال نہیں کریں گے۔ آج تک تو ان کے بیٹوں نے یہ وعدہ نبھایا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو شیخ شخبوط حکمران ہوئے۔ یہ مشکل وقت تھا کہ پہلی جنگ عظیم کی وجہ سے خلیجی ریاستوں کی تجارت ویسے ہی کساد بازاری کا شکار تھی۔ رہی سہی کسر جاپانیوں نے پوری کر دی کہ انہوں نے مصنوعی موتی بنانے شروع کر دیے تھے جو چمک دمک میں بالکل اصلی موتی دکھائی دیتے تھے۔ خلیجی تجارت کا بھٹہ ہی بیٹھ گیا۔ مرتے کیا نہ کرتے۔ شیخ شخبوط نے کھجور کے ہر درخت اور فصلوں پر ٹیکس لگا دیا۔ اس وقت ابوظہبی کے پاس چار سو دس کشتیاں تھیں جو ماہی گیری، موتیوں کے لیے غواصی اور مختلف جزیروں کے درمیان مسافروں کی آمد و رفت کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ ہر کشتی کے لیے دس افراد بھرتی کیے جاتے تھے جو مختلف شفٹوں میں کام کرتے تھے۔ اس طرح گیارہ ہزار کی آبادی میں تقریباً چار ہزار افراد کو روزگار میسر تو تھا لیکن آمدنی محدود تھی۔ غربتوں کے سائے گہرے اور مستقبل مخدوش۔ خلیجی ریاستوں پر تاریکی کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے جب امید کی ایک کرن روشن ہوئی۔ ۱۹۳۲ء میں یکم جون کی صبح کا ذکر ہے۔ بحرین کے جبل دخان پر تیل کی تلاش میں کھدائی ہو رہی تھی کہ کنوئیں سے ایک گیس نکلنی شروع ہوئی جس میں تیل کی بو تھی۔ اس بو نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، آدھ گھنٹے بعد زمین ہلنی شروع ہوگئی اور چاروں طرف غراہٹ کی سی آواز سنائی دینے لگی جس سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کھدائی کے لیے ڈالے گئے پائپ سے تیل کی تیز دھار نکلنے لگی۔ خلیج میں پہلی مرتبہ زمین اپنی دولت اگل رہی تھی۔

۱۹۳۵ء میں اینگلو پرشین آئل کمپنی کی ایک ٹیم ابوظہبی پہنچی۔ انہیں ایک گائیڈ کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے مناسب ترین شخصیت شیخ زید بن سلطان کی ہی تھی کہ وہ پورے علاقے سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں اس ٹیم کے ساتھ منسلک کر دیا گیا لیکن تیل نکلنے میں ابھی دیر تھی۔

۱۱ جنوری ۱۹۳۹ء کو شیخ شخبوط نے ایک اور کمپنی کے ساتھ تیل کی تلاش کا معاہدہ کیا۔ کمپنی نے تین لاکھ روپے ایڈوانس کے طور پر پیش کیے اور یہ طے پایا کہ وہ سالانہ ایک لاکھ روپے اور تیل ملنے پر جب اس کی برآمد شروع ہوگی تو دو لاکھ روپے سالانہ ادا کیے جائیں گے۔ جی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہاں۔ اس وقت خلیجی ریاستوں کی اپنی کوئی کرنسی نہیں تھی اور برصغیر میں چلنے والا روپیہ ہی بطور کرنسی یہاں استعمال ہوتا تھا۔

تیل کی مد میں ہونے والی اس آمدنی سے شیخ شخبوط کے مالی مسائل کچھ کم تو ہوئے لیکن ان کا زیادہ انحصار کھجور کے درختوں اور فصلوں کے ٹیکس پر تھا۔ اس وقت مشرقی علاقے بوریمی میں جو آج کل العین کہلاتا ہے کھجور کے ساٹھ ہزار درخت تھے لیکن ان سے ہونے والی آمدنی بدنظمی کا شکار تھی۔

بالآخر ۱۹۴۶ء میں شیخ شخبوط نے اپنے سب سے چھوٹے بھائی اٹھائیس سالہ زید بن سلطان النہیان کو بریمی کا گورنر مقرر کیا۔ اس وقت بریمی میں کل نو دیہات تھے جن میں سے تین او مان کے سلطان کے زیر نگیں تھے اور چھ النہیان خاندان کے پاس۔ شیخ زید بن سلطان نے قلعہ مویجہ میں قیام کیا اور خود کو اس عہدے کا اہل ثابت کیا۔ یہیں سے ان کے عروج کی داستان شروع ہوتی ہے۔ وہ بہترین گھڑ سوار، شتر سوار، نشانہ باز اور باز سے شکار کے ماہر تھے۔ عربوں میں ان صلاحیتوں کے ماہر کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ زید بن سلطان ویسے بھی عام آدمیوں میں گھل مل کر رہنے کے عادی تھے۔ نہ صرف ان کے احترام میں اضافہ ہوا بلکہ لوگ ہنسی خوشی ٹیکس بھی دینے لگے۔ مرکز کو ایک متعین آمدنی کی ادائیگی کے بعد جو رقم بچتی تھی، شیخ زید نے اس کو نہایت احتیاط سے استعمال کیا اور ترقی کے کئی منصوبے شروع کیے۔ فلاح کے قدیم طریقہ آبپاشی کو بحال کیا جس سے قابل کاشت رقبے میں اضافہ ہوا۔

۱۹۵۲ء میں سعودی عرب کے نیم فوجی دستوں نے ترکی بن عبداللہ العطیشان کی زیر قیادت بریمی کے ایک گاؤں حمصاء پر قبضہ کر لیا۔ زید بن سلطان نے اس کی سخت مخالفت کی اور بین الاقوامی اداروں میں اس مسئلے کو اٹھایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس دوران سعودی عرب میں تیل کی تلاش کرنے والی کمپنی آرامکو نے انہیں تین کروڑ برطانوی پاؤنڈ کی پیشکش کی اور یہ چاہا کہ وہ خاموشی اختیار کریں اور انہیں متنازعہ علاقے میں تیل تلاش کرنے دیں لیکن انہوں نے یہ پیشکش مسترد کر دی اور احتجاج جاری رکھا۔ بالآخر اس معاملے پر اقوام متحدہ نے ایک

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثالثی ٹریبونل بنایا۔ ستمبر ۱۹۵۵ء میں اس کا اجلاس جنیوا میں ہوا۔ زید بن سلطان نے اپنے بڑے بھائی ہزاع کے ساتھ اس اجلاس میں شرکت کی اور بڑی مہارت سے اپنا موقف پیش کیا۔ اسی دوران انہیں شک ہوا کہ ٹریبونل کے ارکان کو رشوت پیش کی گئی ہے تاکہ وہ اپنا فیصلہ سعودی عرب کے حق میں دیں۔ وہ بائیکاٹ کر کے ابوظبی واپس آ گئے۔ بعد میں برطانیہ نے اپنا اثر ورسوخ بھی استعمال کیا اور قوت بھی۔ اومان کے نیم فوجی دستوں کی مدد سے فوجی کارروائی کی گئی اور مقبوضہ علاقہ خالی کرالیا گیا۔

ابوظبی میں تیل کی تلاش جاری تھی۔ مختلف جگہوں پر کنویں کھودے گئے لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ ۱۹۵۴ء کی بات ہے کہ باب نامی آئیل فیلڈ سے تیل برآمد ہوا۔ کمپنی نے اس موقعے پر بریفنگ کا اہتمام کیا اور ابوظبی کے حکمران شیخ شخبوط کو بتایا کہ ان کی سرزمین سے جو دولت برآمد ہوئی ہے اس سے ریاست میں کیا زبردست انقلاب برپا ہو سکتا ہے، سڑکیں بنیں گی، سکول کھلیں گے، ہسپتال تعمیر کیے جائیں گے اور لوگ خوشحال ہو جائیں گے۔ شیخ شخبوط بڑی سنجیدگی سے سب کچھ سنتے رہے۔ آخر میں کہا ''مجھے نہیں چاہئیں دولت کے یہ انبار۔ آپ لوگ اپنا ساز وسامان سمیٹو اور میری سرزمین سے نکل جاؤ'' حاضرین دم بخود رہ گئے۔ سناٹا چھا گیا۔ شیخ شخبوط نے اپنا کندورا جھٹکا اور یہ جا اور وہ جا۔ لوگ دیکھتے رہ گئے۔

شیخ شخبوط کا خیال تھا کہ دولت کی فراوانی سے خرابیاں جنم لیں گی۔ بے راہ روی بڑھے گی۔ جوان کاہل اور آرام طلب ہو جائیں گے اور کام کرنے کی لگن جاتی رہے گی۔ ان کے خیالات ان کے اعمال سے بھی جھلکتے تھے۔ تیل تلاش کرنے والی کمپنیوں کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی تھی۔ تیل برآمد کرنے کے لیے کمپنیوں کو برسوں انتظار کرنا پڑا۔ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں پہلا تیل بردار جہاز ''برٹش سگنل'' تینتیس ہزار ٹن تیل لے کر جزیرہ داس سے روانہ ہوا۔ یہ اہم خبر تھی۔ یورپ اور عرب دنیا کے اخباروں میں نمایاں انداز میں شائع ہوئی۔ ریڈیو ماسکو نے بھی یہ خبر نشر کی۔

تیل سے آمدنی تو شروع ہوگئی لیکن وہ سب جمع ہو رہی تھی۔ شیخ شخبوط طرزِ کہن پر

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اڑنے، آئین نو سے ڈرنے والے آدمی تھے۔ برسوں تک ایک سڑک بھی تعمیر نہیں ہوئی۔ خود اپنی ذات کے لیے بھی انہوں نے سہولتیں حاصل نہیں کیں۔ ۱۹۴۱ء میں کہیں ایک گاڑی لینڈ کروزر درآمد کی گئی تھی۔ جس کا حال یہ تھا کہ وہ اکثر ریت میں پھنس جاتی۔ اگر قصر الحصن کے آس پاس ہوتی تو محل کی حفاظت پر مامور شاہی دستے دھکا لگا کر اسے نکالنے میں مدد دیتے محل سے دور یہ واقعہ پیش آتا تو راہگیروں سے مدد لی جاتی۔ بعض اوقات خود شیخ صاحب بھی گاڑی کو دھکا لگا رہے ہوتے۔ مزے میں تھا ڈرائیور الخریشی جو ظاہر ہے کہ سٹیرنگ سنبھالے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان رہتا۔

۱۹۶۱ء کی بات ہے کہ تیل تلاش کرنے والی کسی کمپنی نے شیخ شخبوط کو جنریٹر کی پیشکش کی کہ اس کی مدد سے ان کا محل روشن ہو جائے گا اور تیل کے چراغوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ سوال و جواب میں جب انہیں معلوم ہوا کہ بجلی کی تاروں میں کرنٹ ہوتا ہے اور کسی نے ننگی تار کو چھو لیا تو اس کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے تو انہوں نے یہ پیشکش مسترد کر دی۔ انہیں قائل کرنے میں مہینے لگ گئے۔ جب جنریٹر کا افتتاح ہوا تو محل کی بیرونی دیوار پر بھی چھوٹے چھوٹے بلب لگائے گئے تھے لوگ دور دور سے یہ "معجزہ" دیکھنے آیا کرتے اور حیرت سے دانتوں تلے انگلیاں دباتے۔

تیل نکلنے کے بعد شیخ زید بن سلطان کو فنانس ڈیپارٹمنٹ کا سربراہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ وہ ادائیگیوں کی سمری بنا کر شیخ شخبوط کو پیش کرتے لیکن چیک جاری ہونے میں کئی کئی مہینے لگ جاتے۔

ائیرپورٹ کے نام پر سبخا میں ایک کلومیٹر لمبی ایک پٹی تھی جسے پانی ڈال ڈال کر دبا دیا گیا تھا۔ دو آدمی بس اسی کام پر مامور تھے کہ وہ اس پٹی پر پانی چھڑکتے رہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے متروکہ ڈکوٹا اور ہیرون جہاز اس پر اترا کرتے جن میں آٹھ دس مسافر بیٹھ سکتے تھے۔ ائیر سروس شارجہ، بحرین اور ابوظبی کے درمیان تھی۔ لینڈنگ اور ٹیک آف کے وقت سخت دھچکے لگتے۔ کبھی کبھی کوئی جہاز پٹی سے اتر جاتا اور ریت میں پھنس جاتا تو ایک قیامت برپا ہو جاتی۔ بیسیوں گدھے اور جتنی افرادی قوت میسر ہوتی، جہاز کو کھینچ کر پٹی پر واپس

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لانے میں لگا دی جاتی۔

غربتوں کے چنگل سے امارتوں کے جال میں:

العین کے ایک باشندے محمد الفہیم نے اس وقت کی تصویر کشی بڑے خوبصورت انداز میں لکھی ہے۔ ان کی کتاب کا نام ہے "غربتوں سے امارت تک" (From Rags to Riches) وہ ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے غربتوں کے دور بھی دیکھے اور دولت کی ریل پیل بھی۔ وہ ابوظہبی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز کے نائب صدر رہے۔ ۱۹۹۵ء میں انہیں سال کا بہترین چیف ایگزیکٹو قرار دیا گیا۔ ۲۰۰۷ء میں انہیں عرب بزنس ایکسی لینس کا ایوارڈ ملا۔

غربتوں کے دور کی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس وقت عام آدمی کی حالت یہ تھی کہ ایک وقت کا کھانا کھاتے تھے تو یہ یقین نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے وقت کا کھانا ملے گا یا نہیں۔ مرد سمندر سے مچھلیاں پکڑا کرتے۔ کھانے کا اہتمام کرنے کی ذمہ داری عورتوں پر تھی۔ وہ صحرا میں ایندھن تلاش کرنے میں سرگرداں رہتیں۔ ابوظہبی کے صحرا میں جھاڑیاں تک نہیں اگتی تھیں۔ بمشکل ایندھن فراہم ہوتا۔ فرج کی سہولت تو میسر نہیں تھی۔ مچھلیاں آتیں تو انہیں فوری طور پر پکانے کی فکر دامن گیر ہوتی کہ سخت گرمی میں دوپہر کو پکڑی ہوئی مچھلی شام تک کھانے کے قابل نہ رہتی تھی۔ گندم کی عیاشی بہت کم لوگوں کو میسر تھی۔ زیادہ تر چاول استعمال ہوتے جو برصغیر پاک و ہند سے درآمد ہوتے تھے۔ عام آدمی کے لیے کشتیوں پر کام کرنے کے علاوہ جو روزگار میسر تھا وہ تیل تلاش کرنے والی کمپنیوں کے ہاں تھا اور عام آدمیوں کی ان کے ہاں کوئی قدر نہ تھی۔ انہیں ملازم بھی رکھا جاتا تو صفائی کے کاموں پر یا بطور چوکیدار، ڈرائیور، خانساماں، چپڑاسی۔ مزدوری تین روپے روزانہ ملتی۔ ان کے مقابلے میں لبنان، شام، برصغیر ہند، اردن یا فلسطین سے آنے والے فنی ماہرین کی تنخواہیں ٹھیک ٹھاک تھیں۔ ایک دفعہ ایک بدو کسی کمپنی کے کیمپ میں کھانا مانگنے چلا گیا۔ اسے ڈانٹ ڈپٹ کر دھتکار دیا گیا۔ رات کے پچھلے پہر وہ اپنے ساتھیوں سمیت دبے پاؤں کیمپ میں آیا اور

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دو تین اہلکاروں کے خیمے اتنی صفائی سے اڑا کر لے گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔ انہیں اسی وقت پتہ چلا جب ان کی آنکھ کھلی۔ سورج ان کے سر پر چمک رہا تھا۔

انہی دنوں الفہیم کو جزیرہ داس جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک کمپنی تیل تلاش کر رہی تھی اور اس نے اپنے اہلکاروں کے لیے عارضی رہائش گاہیں بنا رکھی تھیں۔ جنریٹروں کی مدد سے بجلی کا انتظام بھی تھا۔ الفہیم کے دو چچا وہیں کام کرتے تھے۔ ایک صاحب کینٹین چلاتے تھے۔ الفہیم کو سونے کے لیے جو کمرہ ملا، اس میں بجلی کا ایک سادہ سا لیمپ تھا اور چھت کا پنکھا۔ صبح کے ناشتے میں ڈبل روٹی کے سلائس، مکھن، جیم، مارملیڈ۔ کھانے میں کئی قسم کی مچھلی، کئی قسم کا گوشت، چاول، سبزیاں، سلاد، اچار۔ الفہیم نے اتنے بہت سے کھانے یکجا کب دیکھے تھے۔ وہ نمک دانیوں کو حیرت سے دیکھتا کہ نمک اور کالی مرچوں کو کھانے کی میز پر رکھنے کا اتنا نفیس انتظام۔ غسل خانوں میں نلکوں کا پانی، شاور اور تولیے، اس کی حیرتوں کو فراواں کرتے تھے اسے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے، وہ خواب نہیں، حقیقت ہے۔ اس نے سوچا

گر بہشت بر روئے زمیں ہست
ہمیں است ہمیں است وہمیں است

اگر زمین پر کوئی بہشت ہے تو بس یہی ہے، یہی ہے، اور یہی ہے۔ وہ اس جنت میں رہنے کے لیے کوئی بھی کام کرنے کو تیار تھا۔ اس نے اپنے چچا سے درخواست کی کہ وہ اسے کینٹین پر ویٹر کے طور پر ملازم رکھ لیں۔ لیکن چچا نے اس کی کم عمری کے سبب اسے ویٹر رکھنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر صرف تیرہ برس تھی۔ دو چار دنوں بعد یہ سوچ کر کہ کہیں نو عمر بچہ ''بادشاہوں کے سے کھانے'' اور ''جنت کی سی آسائشات'' کا عادی نہ ہو جائے، اسے واپس بھیج دیا۔ انتہائی افسردگی کے عالم میں الفہیم جب اپنا مختصر سامان سمیٹ رہے تھے تو نظریں بچا کر چچا کا ایک تولیہ بھی اپنے سامان میں ٹھونس لیا کہ ان کی نظر میں یہ ایک بڑی عیاشی تھی۔ اس سے پہلے انہوں نے کبھی تولیہ استعمال نہ کیا تھا۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچھ عرصے بعد کی بات ہے کہ الفہیم کے گھر میں شارجہ سے کچھ مہمان آئے۔ وہ ابوظبی میں کوئی کاروبار شروع کرنا چاہتے تھے۔ مقامی باشندوں پر بھی یہ پابندی عائد تھی کہ وہ شیخ شخبوط کی منظوری کے بغیر کوئی کاروبار شروع نہیں کر سکتے تھے۔ کسی غیر ملکی کے لیے یہ اجازت حاصل کرنا تو جان جوکھوں کا کام تھا۔ وہ کئی دنوں تک ان کے گھر میں مقیم رہے۔ روکھی سوکھی جو مل جاتی کھا لیتے اور رات کو کچے گھر کے باہر بنے ہوئے ایک بستر پر سو جاتے۔ الفہیم کے والدین بساط بھر ان کی خاطر تواضع کرتے لیکن انہیں قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ ان کے مہمان شارجہ میں کیسی ''شاہانہ'' زندگی گزارتے ہیں۔ اس کا اندازہ الفہیم کو اس وقت ہوا جب ان کے والد نے ابوظبی میں گاڑیوں کے سپیئر پارٹس کی ایک دوکان کھولنے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے وہ اپنے دو بیٹوں کو ساتھ لے کر بذریعہ ہوائی جہاز شارجہ گئے۔ الفہیم کے والد نے اپنے مہمان کو بزنس شروع کرنے کے لیے شیخ شخبوط سے منظوری دلوانے میں مدد کی تھی۔ اب وہ شارجہ گئے تو انہی کے ہاں ٹھہرے۔ ائیر پورٹ پر اترتے ہی الفہیم پر حیرتوں کے نئے باب کھلنا شروع ہو گئے تھے۔ ابوظبی میں ٹیک آف کرتے ہوئے انہیں اتنے ہچکولے لگے تھے کہ طبیعت متلانے لگی تھی اور یہاں جہاز آہستگی سے پکے ائیر پورٹ پر اتر گیا تھا۔ پہلی مرتبہ وہ گاڑی میں بیٹھے جو پختہ سڑکوں پر یوں فرآٹے بھرتی تھی جیسے پانی پر تیر رہی ہو۔ ائیر پورٹ سے وہ سیدھے دفتر گئے تھے جو چار منزلہ ایک عمارت میں واقع تھا اور اس میں لفٹ بھی لگی ہوئی تھی۔ الفہیم اور اس کے بھائی کو لفٹ میں چڑھنا اترنا اتنا اچھا لگا کہ جب ان کے والد اپنے میزبان سے کاروباری گفتگو کر رہے تھے، وہ چپکے سے باہر نکل آئے۔ وہ لفٹ سے نیچے آتے، ایک آدھ باہر کا چکر لگاتے اور پھر لفٹ سے اوپر چڑھتے۔ کسی چوکیدار نے انہیں اس ''کھیل'' میں مصروف دیکھا تو نرمی سے ڈانٹ پلائی۔ وہ میزبان کے گھر میں رہے تو جزیرہ داس کی ساری رنگینیاں ماند پڑ گئیں۔

تیل نکلنے کے بعد اردگرد کی ریاستوں میں جو ترقی ہو رہی تھی، الفہیم ہی نہیں شاہی خاندان کے کئی افراد اور مقامی باشندوں میں سے بھی کچھ اس کے عینی شاہد تھے۔ رہی سہی کسر

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ریڈیو قاہرہ نے پوری کر دی تھی۔ مصر کے صدر ناصر نے دنیائے عرب میں قومیت کا صور پھونک رکھا تھا اور عرب باشندے ریڈیو قاہرہ اہتمام سے سنتے تھے۔ وہاں سے شارجہ، بحرین، کویت اور سعودی عرب میں تیل کی پیداوار سے ہونے والی آمدنی اور تعمیر وترقی کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ ابوظبی کے حکمران النہیان خاندان اور مقامی باشندوں میں بے چینی بڑھ رہی تھی۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ ان کے ہاں سے جو تیل برآمد ہوا ہے، اس کی آمدنی کتنی ہے اور کہاں صرف ہو رہی ہے۔

شیخ شخبوط کے اپنے اندیشے تھے۔ انہیں ایران کی طرف سے فوجی مداخلت کا خطرہ تھا اور وہ تیل سے ہونے والی آمدنی کو ابوظبی کے دفاع پر خرچ کرنا چاہتے تھے۔ وہ جو کچھ کرنا چاہتے تھے، کر نہیں پاتے تھے۔ سارے اختیارات برطانوی ایجنٹ کے پاس تھے۔ خلیجی ریاستوں نے برطانیہ کا جو معاہدہ طے پایا تھا اس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ خلیجی ریاستیں برطانیہ کے سوا کسی اور ملک سے تعلقات نہیں رکھیں گی۔ شیخ شخبوط برطانیہ سے بالکل مطمئن نہیں تھے۔ ماضی میں ان سے تیل تلاش کرنے کے سلسلے میں جتنے معاہدے بھی ہوئے تھے، بیکار ثابت ہوئے تھے۔ برطانوی کمپنیوں کو تیل نہ ملتا تو وہ کام چھوڑ چھاڑ واپس روانہ ہو جاتیں اور رائلٹی ادا کرنے کے سارے وعدے بھلا دیئے جاتے۔ شیخ شخبوط دوسرے ملکوں کی کمپنیوں کو آزمانا چاہتے تھے لیکن برطانوی ایجنٹ کی مرضی کے بغیر وہ کسی غیر ملکی سے مل بھی نہیں سکتے تھے کہ ویزہ جاری کرنے کے اختیارات برطانوی ایجنٹ ہی کے پاس تھے۔

انہی دنوں ایک واقعہ ہوا۔ شیخ شخبوط اپنا طبی معائنہ کروانے کسی یورپی ملک گئے۔ اس دوران شیخ زید بن سلطان النہیان ریاست کے قائم مقام سربراہ تھے۔ جو رقم ان کے ہاتھ آئی، اسے بنکوں میں ڈلوانے کی بجائے انہوں نے عوام کی فلاح وبہبود پر خرچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ قصر الحصن کے مضافات سے مقامی باشندے خرید وفروخت کے لیے مقطع کی طرف جایا کرتے۔ ابوظبی کے جزیرے کے درمیان میں سمندر کی ایک پٹی گھسی ہوئی ہے۔ جزیرہ یاس اور شمال کی طرف سے آنے والے لوگ مقطع کی طرف سے ابوظبی کے بڑے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جزیرے میں آیا کرتے۔ کسی سابق حکمران نے سمندر میں ایک مینار تعمیر کروا دیا تھا جو مقطع ٹاور کہلاتا تھا۔ سمندر کی اس پٹی کو پار کرنے کے لیے لوگ سمندر کے جوار بھاٹا پر نظر رکھتے اور صرف اسی وقت سمندر پار کیا کرتے جب پانی کی سطح نیچی ہوتی۔ کنارے پر ایک بازار لگا کرتا جہاں شمال سے آنے والے اور ابوظہبی کے باشندے اپنی چیزیں فروخت کے لیے پیش کرتے۔ تو شیخ زید بن سلطان نے فیصلہ کیا کہ قصر الحصن سے مقطع ٹاور تک ایک سڑک بنائی جائے۔ انہوں نے غور وخوض پر زیادہ وقت ضائع نہیں کیا، فوراً ہی کام شروع کرا دیا اور خود سارا سارا دن کام کی نگرانی کرتے۔ یہ دس فٹ چوڑی کچی سڑک تھی لیکن اس سے مقامی باشندوں کو یہ فائدہ ہوا کہ ہاتھ سے دھکیلنے والی سامان بھری گاڑیاں ریت میں دھنستی نہیں تھی اور وہ بآسانی مقطع ٹاور آ جا سکتے تھے۔ وقت میں بھی کئی گھنٹوں کی بچت ہوتی تھی۔ یہ سڑک شیخ شخبوط کی واپسی سے پہلے پہلے چار ماہ میں مکمل کر لی گئی۔ لوگوں کے دلوں سے شیخ زید کے لیے دعائیں نکلتی تھیں۔

آج کل کی فلک شگاف عمارتوں اور چمکیلی سڑکوں کا اس کچی سڑک سے کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہی مسکین سی کچی سڑک آئندہ ہونے والی ترقی کی بنیاد بنی کہ عام باشندوں اور النہیان خاندان کے اہم افراد کو یقین ہو گیا کہ ان کے مقدر کے ستارے اگر کسی کے ہاتھوں جگمگا سکتے ہیں تو وہ صرف ایک ہی شخصیت ہے۔ شیخ زید بن سلطان بن زید بن خلیفہ النہیان۔

تو یہ ۶ اگست ۱۹۶۶ء کی صبح کا ذکر ہے۔ النہیان خاندان کے سربرآوردہ افراد اور مختلف قبیلوں کے سردار قصر الحصن کے قریب ایک اور عمارت میں جمع تھے۔ آج کل یہاں پولیس ہیڈ کوارٹر قائم ہے۔ برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ بھی موجود تھے۔ اس اجتماع میں شیخ شخبوط کو فارغ کر کے شیخ زید بن سلطان النہیان کو ابوظہبی کا حکمران بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ سوا گیارہ بجے تھے۔ جب برطانیہ کا ڈپٹی پولیٹیکل ایجنٹ پہلے سے وقت لیے بغیر قصر الحصن میں داخل ہوا اور فوری طور پر شیخ شخبوط سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس نے مختصر الفاظ میں النہیان خاندان

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور قبیلوں کے سرداروں کا فیصلہ انہیں سنایا اور بتایا کہ برطانوی انتظامیہ نے ان کی ریاست سے بحفاظت پرواز کا بندوبست کر دیا ہے۔ شیخ شخبوط نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ دو تین گھنٹوں میں انہوں نے اپنا سامان سمیٹا، بال بچوں کو ساتھ لیا اور حفاظتی دستوں کی معیت میں ائیرپورٹ روانہ ہو گئے۔ وہ پہلے لندن گئے اور پھر لبنان۔ ۱۹۷۱ء تک وہیں رہے۔ متحدہ عرب امارات کی تشکیل کے فوراً بعد شیخ زید بن سلطان نے انہیں امان کی ضمانت دے کر واپس بلا لیا۔ اسی دن النہیان خاندان کے افراد اور قبائلی سرداروں نے شیخ زید بن سلطان سے وفاداری کا اظہار کیا اور ان کی کامیابی کے لیے دعائیں کیں۔

شیخ زید نے حکمران بنتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ تیل سے ہونے والی آمدنی اور خزانے میں جمع شدہ رقم کا حساب کتاب طلب کیا۔ اس وقت سالانہ آمدنی سات کروڑ ڈالر کے قریب تھی اور کروڑوں ڈالر مختلف بنکوں میں جمع تھے۔ شیخ زید نے حکم دیا کہ ساری رقم بنکوں سے نکلوا کر قصر الحصن میں لائی جائے۔ پھر انہوں نے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ عام افراد میں اعلان کر دیا جائے کہ وہ قصر الحصن آ ئیں۔ انہوں نے خزانے کا منہ کھول دیا اور جمع شدہ رقم عام آدمیوں میں تقسیم کرنے لگے۔ پہلے دن تھوڑے سے لوگ آئے لیکن خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ قصر الحصن کے اردگرد اژدہام ہو گیا لیکن کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا گیا۔ انہیں جھولیاں بھر بھر کر رقم دی گئی۔ یہ رقم ان کی سال بھر کی آمدنی سے بھی زیادہ تھی۔ ساتھ ساتھ شیخ زید انہیں تلقین کرتے تھے کہ رقم ضائع نہ کرنا، کوئی کاروبار شروع کرنا اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرنا۔ ایک ہفتے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ رقم حاصل کرنے والوں میں ابوظبی کے باشندے ہی نہیں تھے بلکہ دبئی، شارجہ، عجمان، ام القوین اور فجیرہ تک سے لوگ آتے اور شیخ زید کو دعائیں دیتے ہوئے جھولیاں بھر کے رخصت ہوتے۔ اس کے بعد بھی شیخ زید موجودہ کورنش روڈ کے قریب سمندر کے کنارے بیٹھے نظر آتے۔ ساتھ کیش سے بھری ہوئی بوریاں ہوتیں۔ ہر آنے والا حسب منشا رقم لے کر لوٹتا۔

انہوں نے حکومت کی انتظامیہ پر خاص توجہ دی۔ اس وقت صرف دو سو افراد انتظامیہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں شامل تھے۔ انہوں نے باصلاحیت افراد کو ڈھونڈا اور مختلف شعبے قائم کر کے انہیں وہاں تعینات کیا۔ دو سالوں میں انتظامیہ میں اہلکاروں کی تعداد دو سو سے بڑھ کر دو ہزار ہوگئی۔ شیخ شخبوط نے سڑکیں بنانے اور عمارتوں کی تعمیر پر مکمل پابندی لگا رکھی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ منصوبہ بندی کے بغیر عمارتیں تعمیر ہوئیں تو انہیں بعد میں گرانا پڑے گا۔ منصوبہ بندی ضروری ہے لیکن اس منصوبہ بندی کا کوئی اہتمام نہ کیا گیا۔ شیخ زید نے غیر ملکی ماہرین کی مدد سے شہر کی منصوبہ بندی کروائی اور سڑکوں اور عمارتوں کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا۔ وہ خود بخود صبح سویرے اٹھتے۔ نماز فجر اور ذکر اذکار کے بعد کسی نہ کسی سمت نکل جاتے اور تعمیر کے کاموں کا معائنہ کرتے۔ کسی کو کچھ پتہ نہ ہوتا کہ شیخ زید کب، کہاں اور کس سمت سے نمودار ہو جائیں گے، اس لیے سپروائزر چوکس رہتے اور پوری دلجمعی سے کام کرتے۔

ابتدائی دنوں ہی سے انہوں نے مقامی باشندوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھا۔ تیل تلاش کرنے والی کمپنیوں کو ہدایت کی گئی کہ نئے افراد بھرتی کرتے ہوئے مقامی باشندوں کو ترجیح دیں اور ان سے انسانوں جیسا سلوک کریں۔ تعمیر و ترقی کے کاموں میں مقامی افراد کو شامل کیا گیا۔ کوئی نئی رہائشی عمارتیں بنتی تو پہلے دن سے اسے کسی شہری کے نام کر دیا جاتا۔ تعمیر کے اخراجات سرکاری خزانے سے ادا کیے جاتے۔ ''مالک'' کو کہا جاتا کہ وہ تعمیر کی نگرانی کرتا رہے۔ تعمیر کی تکمیل پر وہ خود بھی اسی عمارت کے کسی فلیٹ میں اٹھ آتا۔ باقی فلیٹ کرایے پر اٹھا دیے جاتے۔ ایک خاص رقم ''مالک'' کے روز مرہ کے اخراجات کے لیے دی جاتی، باقی سرکاری خزانے میں جمع کرا دی جاتی۔ جب سرکاری خزانے سے اٹھنے والے اخراجات پورے ہو جاتے تو پوری عمارت مالک کے حوالے کر دی جاتی۔ یوں تیل سے ہونے والی آمدنی کے فوائد عام آدمیوں تک پہنچنے شروع ہو گئے۔

قصر الحصن اب بھی لوگوں کی توجہ کا مرکز تھا۔ لوگ جوق در جوق محل کے اردگرد جمع رہتے اور شیخ زید بن سلطان سے ملاقات کرتے۔ کوئی روک ٹوک، پابندی نہ تھی۔ آنے والوں کی کھجوروں اور ٹھنڈے میٹھے پانی سے تواضع کی جاتی۔ جمعے کی رات خواتین کے لیے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخصوص تھی۔ وہ گروہ در گروہ آتیں اور رات گئے تک قصر الحصن میں موجود رہتیں۔ محل میں ایک قاری صاحب بھی رکھے گئے تھے۔ جو ارد گرد سے آنے والوں کو قرآن پڑھاتے اور حفظ بھی کرواتے۔ جو بچے قرآن کی پڑھائی مکمل کر لیتے تو ان کے لیے ایک رسم کا اہتمام کیا جاتا جیسے ہمارے ہاں ''آمین'' کی رسم منائی جاتی ہے۔ تمام بچے صاف ستھرے کپڑے پہن کر آتے۔ قرآن مکمل کرنے والے کو ایک سجے ہوئے گدھے پر سوار کیا جاتا اور جلوس کی شکل میں قریبی بستیوں کا دورہ کیا جاتا۔ قاری صاحب نظم کی صورت میں دعائیہ اشعار پڑھتے اور طلبہ ہر مصرعے کے اختتام پر باآواز بلند آمین، آمین پکارتے۔ اسے ''رسم تومینہ'' کہا جاتا تھا۔ وہ جس بستی میں جاتے، لوگ بچے کو تحفے، تحائف اور دعاؤں سے نوازتے۔ اس کا مقصد بچوں کی حوصلہ افزائی بھی تھا اور لوگوں میں یہ شوق دلانا بھی کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن سیکھنے کے لیے محل بھیجیں۔

حکومتی انتظامیہ کے افراد کار کی تعداد بڑھنے سے قصر الحصن چھوٹا پڑ رہا تھا۔ چنانچہ اس کے قریب ہی ایک اور عمارت تعمیر کی گئی اور ۱۹۶۸ء میں شیخ زید اس عمارت میں اٹھ آئے۔ آج کل اس عمارت میں ''مرکز برائے دستاویزات وتحقیقات'' قائم ہے۔

شیخ زید نے تعمیر وترقی کے ساتھ ساتھ تعلیم کے اہتمام پر خاص توجہ دی جب وہ حکمران بنے تو ابوظہبی میں کچی دیواروں سے بنا ہوا صرف ایک سکول تھا جس میں برسوں سے بیچارہ صرف ایک ہی استاد تھا۔ جو پڑھانے کے ساتھ ساتھ انتظامی امور بھی خود ہی انجام دیتا۔ شیخ زید نے الفہیم اور ایک اور شخص خلیفہ بن یوسف کو اردن بھیجا کہ اساتذہ کو لے آئیں۔ وہ اردن جا کر شاہ حسین سے ملے اور اپنی ضرورت کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنی وزارت تعلیم کو ہدایت کی کہ ان کی ہر طرح سے مدد کی جائے۔ انہوں نے چھان پھٹک کر دس اساتذہ کا انتخاب کیا۔ ان میں کچھ اردنی تھے، کچھ فلسطینی۔ ان کی خدمات چار سو روپے ماہانہ مشاہرے پر حاصل کی گئی تھیں۔ یہ ابتدا تھی۔

تیل نکلنے کا صرف ابوظہبی کے باشندوں کو ہی فائدہ نہیں ہوا بلکہ جنوب مشرقی ایشیا کے

SULEMANI.COM.PK

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کی بھی لاٹری نکل آئی۔ پاکستان، بھارت، سری لنکا اور فلپائن سے ہزاروں لوگوں نے ادھر کا رخ کیا اور تعمیر و ترقی کے منصوبوں میں کھپ گئے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ دسمبر ۲۰۱۲ء کے ایک سروے کے مطابق ابوظہبی کے اپنے باشندوں کی تعداد تقریباً سولہ لاکھ ہے اور وہ کل آبادی کا صرف بیس فیصد ہیں۔ باقی آبادی غیر ممالک کے افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں ترقی یافتہ ممالک امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی کے فنی ماہرین ہیں اور اعلیٰ عہدوں پر فائز۔ انہی ممالک کے تعلیمی ماہرین ہیں اور شام، مصر، فلسطین، اردن، پاکستان اور بھارت کے اساتذہ بھی۔ تعمیرات کے کاموں پر زیادہ تر لیبر پاکستان، بھارت، سری لنکا اور بنگلہ دیش سے ہے۔ پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش، سری لنکا، فلپائن، برطانیہ، عراق اور ایران کے باشندوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ آذربائیجان، آسٹریلیا، لبنان، امریکہ اور سعودی عرب کے باشندے ہزاروں میں ہیں۔

تشکیل متحدہ عرب امارات:

شیخ زید بن سلطان کو حکمرانی سنبھالے چند مہینے ہی ہوئے تھے کہ خلیجی ریاستوں کی تاریخ میں ایک اہم موڑ آیا۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ۷ جنوری ۱۸۲۰ء کو برطانیہ نے خلیجی ریاستوں سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کی ایک شق کے تحت ان کے دفاع کی ذمہ داری برطانیہ نے اپنے سر لی تھی۔ یہ معاہدہ ڈیڑھ سو سال کے لیے تھا اور دسمبر ۱۹۷۰ء میں ختم ہونا تھا۔ اس میں ابھی دو سال باقی تھے کہ برطانوی پاؤنڈ کی قیمت گر گئی۔ پہلے ایک پاؤنڈ میں ۲.۸۰ امریکی ڈالر ملتے تھے۔ اب ۲.۴۰ ملنے لگے۔ اس سے برطانوی انتظامیہ میں اتنی کھلبلی مچی کہ انہوں نے فوری طور پر خلیجی ریاستوں سے اپنے بحری بیڑے اور فوجیوں کی واپسی کا اعلان کر دیا۔ اس سے خلیجی ریاستوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ دبئی اور ابوظہبی کے حکمرانوں نے فوری طور پر عملی قدم اٹھائے۔ اس اعلان کے عین دوسرے دن ۱۰ جنوری ۱۹۶۸ء کو دونوں حکمران غنطوط کے قریب ایک صحرائی کیمپ میں ملے۔ دونوں نے ایک یونین پیکٹ پر دستخط کیے اور طے کیا کہ باقی ریاستوں کو بھی ساتھ ملا کر ایک اتحاد قائم کیا جائے۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۵ فروری ۱۹۶۹ء کو دبئی کے حکمران شیخ راشد نے ابوظہبی، شارجہ، عجمان، ام القوین، فجیرہ، راس الخیمہ، بحرین، قطر اور اومان کے حکمرانوں کو جمیرہ کے محل میں مذاکرات کی دعوت دی اور اتحاد کی ضرورت پر زور دیا۔ قطر اور اومان کی طرف سے تو صریحاً بے نیازی کا اظہار کیا گیا۔ راس الخیمہ کے حکمران نے بھی خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی گئی۔ مذاکرات تین دن تک جاری رہے۔ اختتام پر گرچہ ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا لیکن مذاکرات کی حیثیت ''نشستند و گفتند و برخاستند'' سے زیادہ نہ تھی۔

ابوظہبی کے شیخ زید بن سلطان اور دبئی کے حکمران شیخ راشد المکتوم نے باقی حکمرانوں سے مشاورت جاری رکھی اور پھر جب دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان اندرونی خلفشار کا شکار ہو کر دولخت ہونے کو تھی، خلیج عرب کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں اتحاد کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ۱۸ جولائی کو ان کے حکمران ایک بار پھر شیخ راشد کے محل میں جمع ہوئے اور انہوں نے ''متحدہ عرب امارات'' کے قیام کا اعلان کیا۔ اس وقت اس میں چھ ریاستیں شامل تھیں۔ راس الخیمہ کے حکمران کے کچھ تحفظات تھے اس لیے وہ اس میں شامل نہیں ہوئے۔ کانفرنس میں شیخ زید بن سلطان کی خدمات اور خلیجی ریاستوں میں ان کی مقبولیت کے پیش نظر یہ طے کیا گیا تھا کہ وہ متحدہ عرب امارات کے صدر اور نائب وزیراعظم ہوں گے جب کہ وزارتِ عظمیٰ دبئی کے حکمران کے حصے میں آئی۔ کانفرنس کے فوراً بعد شیخ زید نے تمام ریاستوں کا دورہ کیا۔ ابوظہبی کا حکمران بنتے ہی انہوں نے اپنی ریاست کے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے۔ اور تمام ریاستوں کے کثیر بندوں نے ان سے استفادہ کیا تھا۔ اب جب انہیں معلوم ہوا کہ شیخ زید ان کے صدر ہو گئے ہیں تو ان کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ جہاں گئے لوگوں نے والہانہ ان کا استقبال کیا۔ وہ عام لوگوں میں گھل مل گئے اور ان کی شکایات غور سے سنیں۔ زیادہ تر شکایات بجلی سے متعلق تھیں۔ پاکستان کی طرح لوگ لوڈ شیڈنگ کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے تھے۔ شیخ زید نے وعدہ کیا کہ بہت جلد مسائل پر قابو پا لیا جائے گا اور بجلی بلا وقفہ فراہم کی جائے گی۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کانفرنس میں اتحاد کا اعلان تو کر دیا گیا تھا اور دو اہم عہدوں کے بارے میں فیصلہ بھی کر لیا گیا تھا لیکن باہمی تعلقات اور اختیارات کی تقسیم سے متعلق باقاعدہ آئین کی ضرورت تھی۔ دو اہم شخصیتوں احمد خلیفہ السویدی اور مہدی التاجر کو آئین کی تسوید کا کام سونپا گیا۔ دونوں نے مل کر ایک مہینے میں ابتدائی مسودہ تیار کر لیا۔ پھر اسے قانونی ماہرین کے حوالے کیا گیا کہ وہ بنیادی تصورات کو چھیڑے بغیر اسے قانون کی زبان میں لکھیں اور نوک پلک سنواریں۔

دو دسمبر ۱۹۷۱ء کو سب حکمران ایک بار پھر دبئی میں جمع ہوئے اور انہوں نے نئے آئین پر اپنے دستخط ثبت کیے۔ ان میں دبئی کے شیخ راشد المکتوم، ابوظہبی کے شیخ زید بن سلطان، ام القوین کے شیخ راشد بن احمد المعلّٰی، شارجہ کے شیخ خالد بن محمد القاسمی، عجمان کے شیخ راشد بن حمید النعیمی اور فجیرہ کے شیخ محمد بن حماد الشرقی شامل تھے۔ اسی اجلاس میں متحدہ عرب امارات کے پرچم کی منظوری بھی دی گئی۔ اس موقعے پر پرچم کے قریب سب رہنماؤں کی ایک تصویر اتاری گئی تھی جو تمام ریاستوں میں جگہ جگہ آویزاں ہے۔

راس الخیمہ کے حکمران نے اس دستاویز پر دستخط نہیں کیے تھے۔ لیکن ہوا یوں کہ اس واقعے کے چند دنوں بعد کی بات ہے، ایران نے آبنائے ہرمز کے قریب واقع دو جزیروں طنب الکبریٰ اور طنب الصغریٰ اور شارجہ کے ایک جزیرے ابوموسیٰ پر ملکیت کا دعویٰ کر دیا اور اس سلسلے میں فوجی بلکہ بحری نقل وحرکت بھی دیکھنے میں آئی۔ طنب الکبری اور طنب الصغریٰ راس الخیمہ سے چونتیس میل اور ایران سے تینتالیس میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ راس الخیمہ کے شیخ صقر بن محمد القاسمی نے واویلا تو بہت کیا لیکن متحدہ عرب امارات کی طرف سے سرد مہری دیکھنے میں آئی تو انہیں اپنی تنہائی کا احساس ہوا اور ۱۰ فروری ۱۹۷۲ء کو وہ بھی متحدہ عرب امارات میں شامل ہو گئے۔ اتحاد میں برکت، ایران نے خاموشی اختیار کر لی۔

تو یوں متحدہ عرب امارات کی تشکیل ہوئی۔ ابوظہبی کا ذکر تو ہم نے یوں تفصیل سے کیا کہ ہم یہیں وارد ہوئے۔ تفصیل سے سیاحت کا موقع ملا۔ مقامی اور پاکستانی بھائیوں سے ملنے کا موقع ملا۔ لیکن یہاں باقی ریاستوں کا اختصار سے تعارف پیش خدمت۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دبئ۔متحدہ عرب امارات کی دوسری بڑی ریاست، یہاں کے حکمرانوں کے جد امجد بھی قبیلہ بنی یاس کے یاس بن عامر ہی تھے۔۱۸۳۳ء میں اس قبیلے کی ایک شاخ المکتوم کے سردار شیخ مختوم بن بنی المکتوم اپنے قبیلے کی آٹھ سو افراد کو لے کر دبئ آئے اور یہاں آباد ہو گئے۔ دبئ ان دونوں دو حصوں پر مشتمل تھا، ڈیرہ اور بُر دبئ۔ ایک روایت یہ ہے کہ دبئ فارسی کا لفظ ہے اور دو برادر (دو بھائی) کی ایک شکل ہے۔ تیل نکلنے سے پہلے یہاں لوگ ماہی گیری، سمندر سے موتی نکالنے، کشتی رانی اور گلہ بانی کا کام کرتے تھے۔ ڈیرے کے بازار میں زیادہ تر لوگوں کے پاس اپنی دکانیں نہیں تھیں۔ وہ تھڑوں پر بیٹھ کر کام کرتے۔ ان میں ہر طرح کے لوگ ہوتے، ترکھان، لوہار، جولاہے، درزی۔

۱۹۶۶ء میں یہاں تیل نکلا، تین سال بعد پہلا تیل بردار جہاز ایک لاکھ اسی ہزار بیرل تیل لے کر یورپ کو روانہ ہوا۔ اس کے بعد ظاہر ہے یہاں معاشی انقلاب برپا ہوا۔ آج یہ مشرق وسطی کا مہنگا ترین شہر ہے اور پوری دنیا میں مہنگائی کے لحاظ سے بائیسواں شہر۔ پوری ریاست کا رقبہ ۴۱۱۴ مربع کلومیٹر ہے اور رقبے کے لحاظ سے ابوظہبی کے بعد متحدہ عرب امارات کی دوسری بڑی ریاست۔ ۲۰۱۳ء کے ایک جائزے کے مطابق اس کی آبادی اکیس لاکھ سے کچھ زیادہ ہے جس میں مقامی باشندے صرف ۱۷ فیصد ہیں، باقی غیر ملکی۔ غیر ملکیوں میں بڑی تعداد بھارتیوں کی ہے۔ ۵۳ فیصد۔ پاکستانی ۱۳ فیصد، بنگلہ دیشی ۷.۵ فیصد سری لنکا ۱.۵ فیصد اور باقی دوسرے ممالک سے ہیں۔ تیل نکلنے کے بعد معیشت کا انحصار تیل ہی پر تھا۔ ۱۹۹۱ء میں چار لاکھ بیرل سے زیادہ تیل نکلتا تھا لیکن اب تیل کے سوتے خشک ہو رہے ہیں اور تیل سے ہونے والی آمدنی سات فیصد سے کچھ کم ہے۔ اب زیادہ تر انحصار سیاحت اور تعمیراتی کاموں پر ہے۔ تیل سے ہونے والی آمدنی کو استعمال کرتے ہوئے یہاں کے حکمرانوں نے دبئ کو سیاحوں کے لیے ایک جنت بنا دیا ہے۔ دنیا کی بلند ترین عمارت برج الخلیفہ یہیں واقع ہے۔ اس کی بلندی ۸۲۸ میٹر یا ۲۷۱۶ فٹ ہے۔ اس کی ۱۶۰ سے زیادہ منزلیں ہیں جن میں دنیا کی تیز رفتار لفٹیں لگی ہوئی ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۷ نومبر ۲۰۱۳ء کو دبئی نے برازیل، روس اور ترکی کو مات دے کر Expo ۲۰۲۰ کے منعقد کروانے کا مقابلہ جیت لیا۔ اس موقع پر دبئی کے حکمران شیخ محمد بن راشد المکتوم نے برج الخلیفہ کی چھت پر چڑھ کر متحدہ عرب امارات کا پرچم لہرایا اور لوگوں کو مبارکباد دی۔ اس موقع پر زبردست آتش بازی کا مظاہرہ بھی کیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق دبئی حکومت اس نمائش کو منعقد کروانے کے لیے ۷ بلین ڈالر سے زیادہ خرچ کرے گی۔ یہ نمائش ۲۰ اکتوبر ۲۰۲۰ء سے ۱۰ اپریل ۲۰۲۱ء تک جاری رہے گی۔ اس سے تقریباً تین لاکھ افراد کو روزگار میسر آئے گا۔ اس اعلان کے بعد ہی سے دبئی میں پراپرٹی کی قیمتیں بڑھنا شروع ہوگئی ہیں نمائش کے انعقاد تک یہ کئی گنا بڑھ جائیں گی۔ سب سے زیادہ فائدہ ہوٹلوں اور فضائی کمپنیوں کو ہوگا۔ اندازہ ہے کہ پوری دنیا سے ڈھائی کروڑ افراد یہ نمائش دیکھنے اور کاروباری معاملات طے کرنے یہاں آئیں گے۔

دبئی کے شمال میں بیس کلومیٹر کے فاصلے پر شارجہ واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۲۶۰۰ مربع کلو میٹر ہے۔ متحدہ عرب امارات کی تشکیل کے وقت یہاں شیخ خالد بن محمد القاسمی حکمران تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے شیخ ڈاکٹر سلطان بن محمد القاسمی نے حکمرانی سنبھالی۔ عرب امارات کی ریاستوں میں یہ واحد ریاست ہے جہاں شراب پر مکمل پابندی ہے۔ نامحرم عورتوں اور مردوں کا سرعام ملنا منع ہے۔ اور غیر ملکی لوگوں پر بھی یہ پابندی عائد ہے کہ وہ نیم برہنہ یا عریاں لباس میں باہر نہ نکلیں۔ یہاں کے ایک صاحب عبدالرحمٰن بخاتر کو کرکٹ کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ ان کی کوششوں سے شارجہ میں ۱۹۸۰ء میں ایک کرکٹ سٹیڈیم تعمیر کیا گیا۔ ابتداء میں اس میں چند ہزار تماشائیوں کی گنجائش تھی لیکن اس میں مزید توسیع ہوتی رہی۔ اب یہ ایک بہترین سٹیڈیم ہے جس میں ستائیس ہزار تماشائیوں کے بیٹھنے کا انتظام ہے۔ اب تک اس میں دوسو سے زائد ایک روزہ بین الاقوامی میچ ہو چکے ہیں۔

شارجہ کے مزید شمال میں دس کلومیٹر کے فاصلے پر عجمان کی ریاست ہے۔ جس کا رقبہ صرف ۲۶۰ مربع کلومیٹر ہے اور یہ امارات کی سب سے چھوٹی ریاست ہے۔ ۱۹۸۰ء کے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک سروے کے مطابق وہاں کی آبادی ۳۶۰۰ تھی۔ اس کے مغرب میں خلیج فارس ہے اور باقی تینوں اطراف میں شارجہ کے علاقے ہیں۔ امارات کی تشکیل کے وقت شیخ راشد بن حمید النعیمی حکمران تھے۔ ان کا انتقال ۶ ستمبر ۱۹۸۱ء کو ہوا۔ جب سے ان کے بیٹے حمید بن راشد النعیمی حکمران ہیں۔

عجمان کے شمال میں پندرہ کلومیٹر پر ام القرین کی چھوٹی سی ریاست ہے جس کا رقبہ ۷۵۰ مربع کلومیٹر ہے۔ یہاں کے باشندوں کے جد امجد شیخ ماجد المعلّٰی تھے جنہوں نے ۱۷۷۵ء میں اس ریاست کی بنیاد رکھی۔ متحدہ عرب امارات کی تشکیل کے وقت شیخ راشد بن احمد المعلّٰی حکمران تھے جنہوں نے اتحاد کے چارٹر پر دستخط کیے۔ دو جنوری ۲۰۰۹ء کو ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے شیخ سعود بن راشد المعلّٰی یہاں کے حکمران ہیں۔

اور سب سے شمالی ریاست راس الخیمہ ہے جو ام القوین سے ۵۵ کلومیٹر دور ہے اس کا پرانا نام جلفر تھا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں یہاں القاسمی قبیلے نے پڑاؤ ڈالا اس وقت حسن بن رحمۃ یہاں کا گورنر تھا اور بحری قزاقوں کی پشت پناہی کرتا تھا جس سے برطانوی جہازوں کو مشکلات پیش آتی تھیں۔ ۱۸۱۹ء میں برطانوی بحریہ نے اسے شکست دے کر القاسمی قبیلے کے سلطان بن صقر القاسمی کو حکمران بنادیا۔ انہیں ایران کی حمایت بھی حاصل تھی۔ امارات کی تشکیل کے وقت شیخ صقر بن محمد حکمران تھے جن کا ۲۷ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو انتقال ہوا۔ جب سے ان کے بیٹے شیخ سعود بن صقر القاسمی یہاں کے حکمران ہیں۔ ۱۹۸۰ء کے ایک جائزے کے مطابق یہاں کی آبادی ۷۴۰۰۰ تھی جن میں مقامی باشندے ۳۹۰۰۰ تھے۔ موجودہ آبادی اڑھائی لاکھ کے قریب ہے جن میں اکثریت غیر ملکی باشندوں کی ہے۔ تیل یہاں سے نکلتا نہیں ہے۔ لوہے کی کانیں البتہ موجود ہیں۔ سیمنٹ بنانے والا پتھر بھی موجود ہے۔ ۱۹۷۰ء میں یہاں سیمنٹ کی ایک فیکٹری قائم کی گئی۔

آخری ریاست فجیرہ ہے جو خلیج فارس پر نہیں بلکہ مشرق میں خلیج عمان کے کنارے واقع ہے۔ رقبہ اس کا ۱۱۶۶ مربع کلومیٹر ہے جو متحدہ عرب امارات کے کل رقبے کا بمشکل ڈیڑھ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فیصد بنتا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ امارات کی بلحاظ رقبہ پانچویں بڑی ریاست ہے۔ ۲۰۰۹ء میں یہاں کی آبادی ڈیڑھ لاکھ سے کچھ زائد نفوس پر مشتمل تھی۔ اس ریاست کو باقی ریاستوں کے مقابلے میں یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس کا سارا رقبہ پہاڑی ہے جب کہ باقی ریاستوں کا سارا علاقہ صحرائی ہے سوائے ابوظہبی کے شہر العین کے جہاں ایک عدد پہاڑ جبل الحفیظ واقع ہے۔ پہاڑوں کی وجہ سے فجیرہ میں باقی ریاستوں کی نسبت بارش کی اوسط بھی زیادہ ہے۔ شیخ محمد حماد الشرقی ۱۹۴۲ء سے ۱۸ ستمبر ۱۹۷۵ء تک حکمران رہے اور ان کی رحلت کے بعد ان کے فرزند ارجمند شیخ حماد بن محمد بن حماد الشرقی حکمران ہیں۔ ولی عہد شہزادے شیخ محمد بن حماد کی شادی دبئی کے شیخ محمد بن راشد المکتوم کی بیٹی شیخہ لطیفہ سے ہوئی ہے۔

یہ تھا متحدہ عرب امارات کی سات ریاستوں کا مختصر ذکر۔ مجموعی طور پر یہاں تیل کے ذخائر دنیا میں ساتویں نمبر پر اور گیس کے ذخائر ۱۷ ویں نمبر پر ہیں۔ شیخ زید بن سلطان النہیان کو متحدہ عرب امارات کا علامہ اقبال کہا جا سکتا ہے جس نے اتحاد کا خواب دیکھا اور اس کی تعبیر ممکن کر دکھائی۔ یہ الگ بات کہ ان کی کوشش خلیجی ریاستوں کے اتحاد تک محدود تھیں جبکہ علامہ اقبال محدود قومیتوں کے تصور سے بلند ہو کر نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر، پوری امت مسلمہ کو یکجا دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ بہرحال شیخ زید نے جو کارنامہ انجام دیا، وہ امت مسلمہ کے وسیع تر اتحاد کی طرف ایک اہم پیش رفت ہے کہ چاہے چھوٹا ہی سہی لیکن یورپی یونین کے بعد یہ دنیا کا سب سے بڑا اتحاد ہے۔ جس کی کرنسی ایک ہے اور رکن ممالک میں سفر کے لیے ویزے کی پابندیاں نہیں ہیں۔ اسی اتحاد کی بدولت عربوں میں سے بین الاقوامی معیار کی قیادت ابھری۔ وہ زید بن سلطان جو العین کی گمنام ریتلی گلیوں میں گھومتا تھا، چالیس سال بعد دنیا سے رخصت ہوا تو دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کے صدور اور وزرائے اعظم نے تعزیتی بیانات جاری کیے۔ اقوام متحدہ میں ان کے لیے ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی۔

متحدہ عرب امارات کے نظام حکومت میں ہر امارت کے سربراہ کو اپنی ریاست کے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتظامات چلانے کی مکمل آزادی ہے۔ مشترکہ مفادات کے لیے سپریم ایگزیکٹو کونسل تشکیل دی گئی ہے۔ ساتوں ریاستوں کے سربراہ اس کے رکن ہیں۔ ابوظہبی اور دبئی کو ویٹو کے اختیارات حاصل ہیں۔ صدر اور نائب وزیر اعظم کا عہدہ ابوظہبی کے پاس ہے اور وزارتِ عظمٰی اور نائب صدارت دبئی کے پاس۔ عمومی انتظامات کے لیے فیڈرل نیشنل کونسل قائم کی گئی ہے۔ جس میں ابوظہبی اور دبئی کے آٹھ آٹھ، شارجہ اور راس الخیمہ کے چھ چھ اور باقی تین امارات کے چار چار ارکان شامل ہیں۔ ابتدا میں تمام ارکان امارات کے سربراہوں کے نامزد کردہ تھے۔ ۱۶ ستمبر ۲۰۰۶ء میں پہلی بار اس کونسل کے انتخابات ہوئے۔ چیدہ چیدہ لوگوں کو یہ حق دیا گیا تھا کہ ووٹ کے ذریعے کونسل کے آدھے ارکان وہ منتخب کریں۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایران کی زیارات

ہماری مثال ذوالقرنین کی سی ہے۔ قرآن میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سے سازوسامان سے نوازا تھا۔ وہ تیاری کرتا تھا، کبھی مغرب کی طرف گیا، کبھی مشرق کی طرف اور کبھی شمال کی طرف (سورہ الکہف) ہم بھی یہی کرتے ہیں۔ پیسے جمع کرتے ہیں اور جب کسی سمت کی جانب سفر کے وسائل مہیا ہو جائیں تو رخت سفر باندھ لیتے ہیں۔ مقصد یہ کہ ان مقامات کا مشاہدہ کیا جائے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ ان کی فلمبندی کی جائے اور لوگوں کے لیے قرآن میں دلچسپی کے نئے پہلو اجاگر کیے جائیں۔ تو اس بار ہم نے عراق اور ترکی کا ارادہ کیا۔ ۱۱/۹ کے بعد سے عراق میں تباہی و بربادی کا جو سلسلہ شروع ہوا، اس کی وجہ سے پاکستان سے براہ راست کوئی پرواز بغداد نہیں جاتی تو ہم نے فیصلہ کیا کہ ایران چلتے ہیں، وہاں سے عراق میں داخل ہوں گے اور پھر بغداد سے بذریعہ ہوائی جہاز استنبول۔

جون کی ایک صبح تھی جب ہم اسلام آباد سے کوئٹہ کے لیے روانہ ہوئے۔ سفر میں قرآن حکیم کا ایک چھوٹا نسخہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے اور حسب توفیق کچھ نہ کچھ پڑھتے رہتے ہیں۔ جہاز کی اکانومی کلاس میں سب سے آرام دہ نشست یا تو سب سے آگے ہوتی ہے یا درمیان میں ایمرجنسی کے دروازوں کے قریب کہ نشست کے سامنے کی جگہ کافی کشادہ ہوتی ہے اور پاؤں پسارنے کا موقع مل جاتا ہے۔ عام طور پر یہ نشستیں ایئرلائنز کے چہیتے افراد کو ملتی ہیں یا وی آئی پی کو۔ جانے ہمیں یہ نشست کیسے مل گئی تھی۔ جب ہم تلاوت سے فارغ ہوئے تو بائیں جانب بیٹھے ایک صاحب نے پوچھا:

"آپ کوئٹہ میں رہتے ہیں۔"

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''نہیں۔''

''تو کوئٹہ کس سلسلے میں جا رہے ہیں؟''

ہم نے بتایا کہ کوئٹہ میں ہمیں کوئی کام نہیں۔ وہاں سے بذریعہ بس تفتان جائیں گے وہاں سے ایران، عراق اور ترکی۔ تعارف ہوا تو وہ چونکے:

''آپ وہی کرنل اشفاق ہیں جنہوں نے "Witness to Blunder" لکھی ہے۔''

اثبات میں جواب پا کر انہوں نے مزید سوالات کرنے شروع کر دیئے۔

''یہ کتاب آپ نے لکھی کیسے؟ فوج نے یہ معلومات فراہم کی ہیں آپ کو؟''

ہم نے بتایا کہ فوج تو شروع میں معلومات دینے کو تیار نہیں تھی۔ ہم نے ابتدا دسویں کور کے ہیڈ کوارٹر سے کی تھی جہاں ایک کرنل نے ہمیں اپریشن روم میں لے جا کر طوطا مینا کی کہانیاں سنائی تھیں۔ ہم نے ان کی شان میں کچھ نازیبا کلمات بھی کہے۔ انہوں نے ایک قہقہہ لگایا اور بولے: ''ہمیں ہدایت تھی کہ مکمل معلومات فراہم نہ کی جائیں۔''

اب چونکنے کی باری ہماری تھی۔ حیرت سے پوچھا ''آپ؟''

بولے: ''میں اس وقت ٹین کور ہیڈ کوارٹر میں جی ون اپریشن تھا اور میں نے ہی آپ کو بریفنگ دی تھی۔''

''اور آج کل کیا ہیں، کیا کرتے ہیں۔''

بولے: ''میں میجر جنرل ہوں۔ میجر جنرل آغا محمد فاروق۔ سکول آف انفنٹری اینڈ ٹیکٹکس کا کمانڈنٹ ہوں۔''

ہمیں شرمندگی محسوس ہوئی لیکن انہوں نے ہمارے ریمارکس کو نظر انداز کر دیا بلکہ پوچھا کہ کوئٹہ میں کہاں ٹھہریں گے۔ ہم نے بتایا کہ وہاں جا کر کوئی جگہ ڈھونڈیں گے تو انہوں نے کہا کہ آپ میرے مہمان بن کر رہیں اور جو کام بھی ہیں بتائیں۔ کوئٹہ اترے تو ان کے پروٹوکول افسر موجود تھے۔ انہوں نے ہمارے سامان کا ٹیگ بھی ان کے حوالے کیا اور اپنی جیپ میں بٹھا کر چھاؤنی کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ اپنے دفتر کے سامنے اتر گئے۔ ان کے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

افسر ہمیں ایک آفیسرز میس کے ایک کشادہ مہمان خانے ''ہینتھر لاج'' میں لے گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد پروٹوکل آفیسر میجر یٰسین تشریف لائے اور پوچھا کہ کوئی کام ہو تو بتائیں۔ ہم نے انہیں چھ ہزار روپے دیئے اور کہا کہ اس رقم سے ایرانی کرنسی لے آئیں اور اس کمپنی کا نام بتایا جس میں ہماری نشست محفوظ تھی لیکن بس کے پیچھے تھی۔ ہم نے انہیں کہا کہ وہ کوئی بہتر نشست دلوا دیں۔ جب تک ہم کھانا کھا کر فارغ ہوئے وہ کرنسی تبدیل کروا لائے۔ چھ ہزار پاکستانی روپوں کے سات لاکھ تیس ہزار ایرانی ریال (یا تہتر ہزار تومان) ملے تھے۔ یعنی ایک روپے کے ۱۲۱ ریال۔ ہم نے کچھ دیر آرام کیا اور کیمروں کی بیٹریاں چارج کر لیں۔ ساڑھے تین بجے ایک این سی او ایک گاڑی لے کر آیا اور اس نے ہمیں ایرانی سرحد کی طرف جانے والی بس میں بٹھا دیا۔ میجر یٰسین نے ہمیں ڈرائیور کے قریب ایک وی آئی پی نشست دلوا دی تھی۔ اس طرح ہمارے سفر کا آغاز بڑے خوشگوار انداز میں ہوا۔ شکریہ جنرل آغا۔

بس روانہ ہوئی تو ہم نے اپنے قریب بیٹھے صاحب سے تعارف حاصل کیا اور ان سے تفتان کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ علی سجاد اس سے پہلے تین بار زیارتوں کے لیے ایران جا چکے تھے اور سفر میں پیش آنے والے معاملات سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ اپنی بہن سمیت خاندان کے سات افراد کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ راستے میں جگہ جگہ فرنٹیر کانسٹیبلری کی چوکیاں تھیں۔ ایف سی کے جوان بس میں سوار ہو کر سرسری سا جائزہ لیتے اور بس کو جانے کی اجازت دے دیتے۔ کبھی کوئی جوان حکم دیتا کہ سب لوگ اپنے اپنے شناختی کارڈ ہاتھ میں لے کر بلند کریں۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ہم نے بے خیالی میں سول کارڈ کی بجائے فوج کا شناختی کارڈ بلند کر دیا۔ جوان نے قریب آ کر غور سے کارڈ دیکھا اور نیچے اتر گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک جونیئر کمیشنڈ آفیسر بس میں آئے اور ہمارے قریب آ کر بولے۔

''سر! آپ کہاں بس میں سفر کر رہے ہیں۔ آپ اتریں، ہمیں خدمت کا موقع دیں صبح آپ کو کسی گاڑی سے تفتان بھجوا دیں گے۔''

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم نے شکریے کے ساتھ معذرت کی اور ان کے اصرار کے باوجود راہ کھوٹی نہ کی۔
جونیر کمیشنڈ آفیسر سے مکالمے کے بعد مسافروں میں ہماری عزت بڑھ گئی۔علی سجاد نے تفصیلی تعارف حاصل کیا اور اصرار کیا کہ ہم ان کے ساتھ ہی رہیں۔صبح چار بجے کے قریب ہم تفتان پہنچ گئے۔علی نے بتایا کہ بارڈر ساڑھے آٹھ بجے تک کھلتا ہے۔ابھی جو وقت باقی ہے اس میں ناشتہ کر کے آرام کرتے ہیں۔تجویز معقول تھی۔ہم نے صاد کیا۔ایک ہوٹل میں گئے۔انڈوں پراٹھوں کا ناشتہ کیا اور جس کو جہاں جگہ ملی، لیٹ گیا۔ہم ایک الگ کمرے میں تھے۔اس دوران علی سجاد کسی ویگن والے سے بات کر آئے کہ وہ ہمیں میر جاوا پہنچا آئے۔

میر جاوا پاکستانی سرحدوں سے ملحق، علاقے کے لحاظ سے ایران کے سب سے بڑے صوبے سیستان اور بلوچستان کا دارالحکومت ہے۔اس کے چالیس کلومیٹر شمال میں پاکستان، افغانستان اور ایران کی سرحدیں ملتی ہیں۔ایک زمانے میں پاکستان اور ایران کے درمیان تجارت کے لیے ٹرین سروس شروع ہوئی تھی جو ۳۳ گھنٹوں میں کوئٹہ سے زاہدان پہنچتی تھی۔ہر مہینے کی یکم اور پندرہ تاریخ کو کوئٹہ سے زاہدان اور دو دن بعد زاہدان سے کوئٹہ کے لیے روانہ ہوتی تھی۔یہ ٹرین بھی میر جاوا ہی سے پاکستان سے ایران میں داخل ہوتی ہے۔

ویگن ڈرائیور بلائے ناگہانی کی طرح ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہی نازل ہوگیا اور شور مچانے لگا کہ جلدی چلو ورنہ رش بڑھ جائے گا اور آپ کو لمبی لمبی قطاروں میں لگنا پڑے گا۔اس کا شور شرابا کسی کام نہ آیا کہ مستورات نے کمرے سے نکلنے میں کافی دیر لگائی اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔میر جاوا میں سرحد پار کرنے والوں کی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔کھلے آسمان تلے، کوئی سایہ نہ سائبان، جھلتی دھوپ میں کھڑا ہونا مشکل تھا۔ہم نے ایف سی کے ایک نان کمیشنڈ آفیسر سے اپنا تعارف کروایا، اور سرحد پار کروانے میں مدد چاہی۔وہ بڑی عزت سے پیش آیا اور اس نے ہمیں قطاروں میں کھڑے ہونے کی زحمت سے بچاتے ہوئے، ضروری کارروائی کے بعد سرحد پار کروا دی۔پاکستان کے برعکس ایرانی جانب مسافروں کے استقبال کا بڑا معقول بندوبست تھا۔ائیر کنڈیشنڈ، صاف ستھرا بڑا سا ہال، جگہ جگہ نشستیں لگی ہوئی۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹھنڈے پانی کی مشینیں بھی۔ قطاریں یہاں بھی لگی ہوئی تھیں لیکن دھکم، پیل نہیں تھی کہ سکیورٹی کے اہلکاروں نے بڑی مستعدی سے لوگوں کو قطار میں کھڑا کیا ہوا تھا۔ ہم نے امیگریشن کے ایک افسر کو اپنا تعارف کروایا اور اس نے ہمارا پاسپورٹ لے کر اس پر داخلے کی مہر لگوا دی۔ علی سجاد بھی جلد ہی اپنے کاغذات پر مہریں لگوانے میں کامیاب ہوگئے۔

ہماری اگلی منزل زاہدان تھی۔ میر جاوا میں کوئی بس دکھائی نہیں پڑتی تھی اور ٹیکسی ڈرائیور من مانا کرایہ وصول کر رہے تھے۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور نے ہم سے پچاس ہزار ریال وصول کیے۔ زاہدان سے علی سجاد نے قم جانا تھا جب کہ ہم نے اپنا شیڈول ایسے بنایا تھا کہ زاہدان سے پہلے مشہد جائیں گے اور وہاں سے تہران؛ پھر قم۔ چنانچہ ہم نے علی سجاد اور ان کے اہل خانہ کو الوداع کہا اور ایک بس کے ذریعے مشہد روانہ ہوگئے۔ بیس ہزار ریال کی ٹکٹ تھی۔ بس میں ایک پاکستانی سے ملاقات ہوئی جو گلگت کا رہنے والا تھا اور مشہد میں دینی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ ایران کے مختلف شہروں میں خاص طور پر مشہد اور قم میں پاکستان کے شیعہ گھرانوں کے فرزند تعلیم حاصل کرتے ہیں جنہیں حکومت ایران کی طرف سے وظیفے ملتے ہیں اور ان کے قیام وطعام کے اخراجات بھی حکومت برداشت کرتی ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ پاکستان لوٹتے ہیں اور امام بارگاہوں یا شیعہ مدارس میں دینی فرائض انجام دیتے ہیں یا پڑھاتے ہیں۔ ایک اور پاکستانی شہباز حسین سے ملاقات ہوئی جس کا تعلق گوجر خان سے تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ سیکنڈ ہینڈ کاروں کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہے۔ اس نے پہلے تو یہ بتایا کہ ایران میں اس کا کوئی دوست ہے جس نے اس کے لیے کسی ملازمت کا بندوبست کیا ہے، پھر بتایا کہ اس کی منزل ترکی ہے۔ ہمیں اس کے بیانات میں تضاد نظر آیا تو ہم محتاط ہوگئے کہ ہمارے پاس پاکستانی روپے بھی تھے لاکھوں میں ایرانی اور عراقی کرنسی اور ڈالر جو ہم نے ترکی میں تبدیل کروانے تھے۔ ہم نے جب دو دن اس کے ساتھ گزار لیے تو اس نے اپنا پورا منصوبہ بتایا۔ وہ ایران تک تو زائر کی شکل میں باقاعدہ ویزہ لے کر سفر کر رہا تھا۔ ایران سے اس نے چوری چھپے ترکی کے دارالحکومت استنبول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانا تھا اور وہاں سے اٹلی۔ اس کے لیے اس نے اچھی خاصی رقم ادا کی تھی۔ ہر شہر میں رابطے کے لیے اس کے پاس ٹیلیفون نمبر تھے اور مختلف افراد کے نام ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ تہران سے اسے سامان والے کسی ٹرک میں چھپا دیا گیا تھا۔ دو تین دن وہ بھوکا پیاسا رہا۔ اسے استنبول میں اتارا گیا۔ استنبول میں وہ ترکی پولیس کے ہاتھوں پکڑا گیا جنہوں نے کچھ دن اسے جیل میں رکھا پھر ہتھکڑیاں لگا کر پی آئی اے کے ذریعے پاکستان بھجوا دیا۔ یہ ایک شہباز کی نہیں، بہت سے پاکستانیوں کی کہانی ہے جنہیں دور کے ڈھول سہانے نظر آتے ہیں اور وہ اپنے ملک میں محنت کرنے کی بجائے اپنی جمع پونجی انسانی سمگلروں کے ہاتھوں لٹا بیٹھتے ہیں۔

تو شہباز ہم سے چکنی چپڑی باتوں میں مصروف تھا۔ وہ پہلے بھی دو تین بار ایران آ چکا تھا۔ اور تھوڑی بہت فارسی بول لیتا تھا۔ راستے میں کسی جگہ بس رکی تو وہ ہمیں اور اسحٰق کو ایک ہوٹل میں لے گیا۔ کھانا کھلایا۔ ہم ادائیگی کرنے لگے تو اس نے تجویز دی کہ پیسے اسے خرچ کرنے دیئے جائیں سفر کے آخر میں حساب کتاب کر کے ہر شخص اپنے اپنے حصے کے پیسے ادا کر دے۔

صبح نو بجے کے قریب ہم مشہد پہنچ گئے۔ اڈے سے حضرت امام رضا کے روضے پر جانے کے لیے ٹیکسی لی۔ ڈرائیور نے ہر ایک سے دس ہزار ریال لیے۔ وہاں پہنچ کر حساب کتاب کیا۔ ہم نے شہباز کو ادائیگی کر دی۔ وہاں سے اسحٰق صاحب چپکے سے رفو چکر ہو گئے اور ہم شہباز کی معیت میں رہ گئے۔ وہ ہمیں ایک حمام پر لے گیا۔ ہم نے غسل کیا۔ تازہ دم ہوئے اور پھر روضے کی طرف آئے۔

شیعہ حضرات جن بارہ اماموں کو مانتے ہیں، حضرت امام رضا ان میں، آٹھویں امام ہیں ان کے والد حضرت امام موسیٰ کاظم ساتویں امام تھے۔ وہ مدینے میں پیدا ہوئے تھے۔ ۳۵ برس انہوں نے اپنے والد سے دینی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں حضرت امام رضا کو اپنا جانشین اور آٹھواں امام مقرر کر دیا تھا۔ شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ عباسی حکمرانوں نے شیعوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے۔ جب مامون الرشید خلیفہ بنا تو اس

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تہران ۔ شارع خسرو پر نصب ایران کی پرانی زندگی کی جھلکیاں

تہران ۔ شارع خسرو پر نصب ایران کی پرانی زندگی کی جھلکیاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاک ایران سرحد کے قریب تفتان ریلوے سٹیشن

مشہد۔ حضرت امام رضا کا روضہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قم۔ مزار حضرت فاطمہؑ ''معصومہ قم''

مزار معصومہ قمؑ زیارت کا ایک منظر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مزار آیت اللہ خمینیؒ

آیت اللہ خمینیؒ کا مکان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصفہان میں چہل ستون باغ

اصفہان ۔ نصف جہاں نقشِ جہاں گرد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تہران ۔ میدان انقلاب

منار جانبان ہلتے ہوئے مینار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے حضرت امام رضا کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کی تاکہ ایران کی شیعہ آبادی اس کی مطیع وفرمانبردار ہو جائے۔ اس نے حضرت امام رضا کو مدینے سے خراسان بلایا اور ان سے کہا کہ وہ خلافت سے دستبردار ہونا چاہتا ہے، وہ خلافت سنبھال لیں۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ تب اس نے پیشکش کی کہ وہ ان کے بعد خلافت سنبھالنے کی ذمہ داری قبول کر لیں، وہ انہیں اپنا جانشین نامزد کیے دیتا ہے۔ کافی بحث وتمحیص کے بعد حضرت امام رضا اس کی بات مان گئے۔ یہ بات چاروں طرف پھیل گئی اور حضرت امام رضا کی عزت میں اور اضافہ ہو گیا۔ لیکن ان کی زندگی کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا اور وہ تعلیم وتدریس میں مشغول رہے۔ مامون الرشید نے جب یہ حالات دیکھے تو ایک دن انہیں دعوت پر بلایا اور انہیں زہر بھرے انگور کھلا دیے جس سے وہ شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۵۵ برس تھی۔ انہیں مشہد میں دفن کیا گیا۔ بلا شبہ ان کا روضہ کشادگی اور وسعت کے لحاظ سے ایران میں موجود دوسرے روضوں کے مقابلے میں سب سے بڑا ہے۔

مشہد سے ہمیں تہران جانا تھا۔ سفر چونکہ طویل تھا اس لیے ریل سے جانے کا فیصلہ کیا۔ ٹیکسی لے کر ''ایستگاہ قطار آہن'' پہنچے۔ یہ ریلوے سٹیشن کا فارسی ترجمہ ہے۔ ہم ایک ٹیلیفون بوتھ پر بڑے بیٹے سعد سے فون ملانے کی کوشش کر رہے تھے جب شہباز نے پیش کش کی کہ وہ ٹرین کے اوقات معلوم کر کے ٹکٹ لے کر آتا ہے۔ پتہ چلا وہ چھ ہزار ریال میں سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ لایا ہے۔ ہم نے کہا بھی کہ سفر طویل ہے، درجہ اول کے ٹکٹ لینے چاہئیں تھے۔ اس نے بتایا کہ درجہ اول کا ٹکٹ تین گنا مہنگا تھا یعنی اٹھارہ ہزار ریال کا۔ اس نے ہمیں تسلی دی کہ ایران میں ہر کلاس ایئرکنڈیشنڈ ہوتی ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ روانگی کا وقت بارہ بجے دوپہر تھا۔ ہم نے راستے کے لیے کچھ ٹھنڈے مشروبات اور پھل وغیرہ خریدے اور مقررہ وقت پر پلیٹ فارم پر آ گئے۔ ٹرین ٹھیک وقت پر روانہ ہو گئی۔ ایئرکنڈیشن کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ صبر کر کے بیٹھے رہے۔

ہمسفروں میں ایک زلف تراش یعنی باربر تھا اور ایک دھیمے لہجے میں بولنے والا سب

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انجینئر۔ باہمی تعارف کے بعد لطیفوں کا دور چلا۔ زلف تراش نے جب بتایا کہ وہ کنوارا ہے تو سب انجینئر نے فقرہ کسا،

زن نہ داری غم نہ داری

یعنی اگر تیری بیوی نہیں ہے تو تجھے کوئی غم نہیں ہے۔

بولا مجھے اور بہت سے غم ہیں۔ ''مثلاً؟'' پوچھا گیا۔

بولا، ''کئی گنجے بھی بال کٹوانے آ جاتے ہیں، مجھے ڈبل محنت کرنی پڑتی ہے۔''

''ڈبل محنت کیسے؟''

پہلے بال ڈھونڈنے پڑتے ہیں، پھر انہیں کاٹتا ہوں۔''

ہماری ٹرین نے شمال میں ایک قوس کی شکل میں سفر کرنا تھا اور پھر جنوب مغرب کی سمت میں تہران کی طرف روانہ ہونا تھا۔ قوس کے جنوب میں اور تہران کی سمت جاتی ہوئی ٹرین کے بائیں جانب دشت کویر تھا جو دنیا کا ۲۳واں بڑا صحرا ہے۔ اسے کویر نمک بھی کہتے ہیں کیونکہ یہاں نمک کے ذخائر بھی ہیں اور ریت میں بھی نمک ملا ہوتا ہے۔ اس کے جنوب میں دشت لوط ہے۔ یہ صحرا دنیا کا گرم ترین علاقہ تصور کیا جاتا ہے کیونکہ گرمیوں میں یہاں درجہ حرارت ۶۵ سے ۷۰ درجے سینٹی گریڈ رہتا ہے۔ دریا کوئی ہے نہیں۔ اس صحرا کے کناروں پر واقع پہاڑوں پر بارش ہوتی ہے تو کچھ پانی اس صحرا کی طرف بہہ نکلتا ہے لیکن نمکین ریت میں گم ہو جاتا ہے۔ سبزے یا ہریالی کا نام ونشان بھی نہیں ہے لیکن حیرت ہے اس کے باوجود یہاں خال خال آبادی بھی پائی جاتی ہے، پرندے بھی ہیں، ہرن بھی اور دیگر جانور بھی۔ یقیناً اللہ سب سے بڑا پالنہار ہے۔ اس علاقے کو کچھ لوگ ''گندم بریاں'' بھی کہتے ہیں جس کا مطلب ہے بھنی ہوئی گندم جب ٹرین چلی تو دشت کویر کی طرف سے گرم ہوا کے جھونکے آتے تھے۔ لیکن شام ہوئی تو ہوا قدرے ٹھنڈی ہوگئی۔ ٹرین کی ڈائننگ کار کی طرف سے قیمتاً کھانا مہیا کیا گیا۔ ہم نے چاول اور چکن کا انتخاب کیا۔ کھانے کے بعد سونے کی کوشش کی۔ سوتے جاگتے وقت گزر گیا اور صبح چار بجے ہم تہران پہنچ گئے۔ ٹرین سے اترے تو دیکھا کہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتظار گاہوں میں ائیر کنڈیشن پوری رفتار سے چل رہے ہیں۔ اور جہاں تہاں لوگ سوئے پڑے ہیں۔ خوابناک ماحول تھا۔ شہباز نے تجویز دی کہ ابھی تو باہر کوئی پبلک ٹرانسپورٹ ملے گی بھی نہیں۔ کیوں نہ کچھ دیر یہاں آرام کیا جائے۔ ہم نے اتفاق کیا، اپنے سوٹ کیس کو تکیہ بنایا اور ایک بنچ پر پڑ کر سو گئے۔ دو تین گھنٹے کی نیند نے تازہ دم کر دیا۔ باہر آئے تو بسیں چل رہی تھیں۔ ایک بس میں بیٹھ کر ''تو پخانے'' آ گئے۔ بقول شہباز یہاں سستے ہوٹل مل سکتے تھے۔ ایک ہوٹل ملا ''مہمان پزیر موسوی'' اس نے دو افراد کے ایک لاکھ ستر ہزار ریال وصول کیے۔ سامان ٹھکانے لگا کر باہر نکلنے لگے تو شہباز نے اپنے اصل منصوبے سے آگاہ کیا۔ اس نے بتایا کہ یہاں سے اسے یونان میں کسی صاحب سے رابطہ کرنا ہے، وہ تہران میں کسی شخص کا فون نمبر بتائے گا اور وہ صاحب شہباز کو ترکی کے راستے اٹلی بھجوائیں گے۔ ہم نے شہباز کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ غیر قانونی حرکتوں میں ملوث ہونے کی بجائے واپس چلا جائے لیکن اس پر اٹلی پہنچنے کی دھن سوار تھی۔ اس نے یونان ٹیلیفون کیا جس نے اسے تہران میں محمود نامی ایک شخص سے رابطہ کرنے کو کہا۔ اس نے کہا بھی کہ وہ آدھ گھنٹے میں اسے آ کر لے جائے گا لیکن شہباز نے اسے دوسرے دن صبح دس بجے آنے کو کہا۔ ہمارا ماتھا ٹھنکا کہ یہ مزید چوبیس گھنٹے ہم سے کیوں چپکا رہنا چاہتا ہے۔ ہم اور محتاط ہو گئے۔

ہوٹل سے میٹرو سٹیشن گئے۔ پتہ چلا کہ یہاں تین طرح کے ٹکٹ میسر ہیں۔ یکطرفہ، دو طرفہ اور دس منزلوں کے لیے ایک ٹکٹ۔ یہ دس منزلوں والا ٹکٹ چودہ ہزار ریال کا ملا جس سے باقی ٹکٹوں کی نسبت چالیس فیصد بچت ہوتی تھی۔ سب سے پہلے ہم میدانِ آزادی گئے۔ یہاں چوک میں بڑے بڑے مجسمے بنے ہوئے ہیں۔ ایک تنومند شخص ایک اژدھے کو مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہاں سے ہم امام خمینی کے مزار پر گئے۔

جدید دور کی اسلامی تحریکوں میں آیت اللہ خمینی کا نام تابندہ ستارے کی طرح چمکتا ہے۔ وہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۲ء میں ایک گاؤں خمین میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے خمینی کہلاتے ہیں۔ اصل نام روح اللہ تھا۔ انہیں والد کا پیار نہیں ملا۔ وہ پانچ مہینے کے تھے جب ان کے والد

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شہید کر دیے گئے۔ والدہ اور پھوپھی نے ان کی پرورش کی۔ وہ پندرہ برس کے تھے جب وہ دونوں بھی انتقال کر گئیں۔ انہوں نے دینی تربیت حاصل کی اور تعلیم وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ ان دنوں رضا شاہ پہلوی کی حکومت تھی جو امریکہ کے بہت قریب تھا اور اس نے ملک میں سیکولرازم کو رواج دے رکھا تھا۔ انہوں نے ۱۹۶۲ء میں شہنشاہ کے خلاف تحریک کا آغاز کیا۔ اگلے سال فوج، پولیس اور عوام کی بڑی تعداد نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ پکڑ دھکڑ کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ امام خمینی کو پہلے تو قید کیا گیا۔ پھر ۱۹۶۴ء میں جلاوطن کر دیا گیا۔ وہ کافی عرصہ عراق میں رہے اور وہیں سے بادشاہ کے خلاف تحریک کی رہنمائی کرتے رہے۔ ۱۹۷۹ء میں رضا شاہ پہلوی کا تختہ الٹ دیا گیا۔ فوج کے کچھ افسروں نے اسے ایک جہاز میں بٹھا کر امریکہ بھجوا دیا۔ اس وقت امام خمینی فرانس میں تھے۔ دو ہفتے بعد ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو وہ ایران واپس آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی اپنے ایک ساتھی مہدی بزرگان کو وزیراعظم مقرر کیا اور ملک میں اسلامی انقلاب کے لیے اقدامات شروع کر دیے۔

ان کے دور میں تین اہم واقعات ہوئے۔ امریکہ نے شہنشاہ ایران کو پناہ دی تھی اور ایران کا مطالبہ تھا کہ شہنشاہ کو ایران کے حوالے کیا جائے۔ امریکہ کے رویے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ایرانی طلبہ نے ۴ نومبر ۱۹۷۹ء کو تہران میں امریکی سفارت خانے پر قبضہ کر لیا اور ان کے اہلکاروں کو یرغمال بنا لیا۔ اس سے امریکہ اور ایران کے تعلقات میں کشیدگی کا ایک طویل دور شروع ہوا جو ۴۴۴ دن تک جاری رہا۔

دوسرا اہم واقعہ، عراق ایران جنگ تھی۔ عراق نے جنوبی سرحد پر واقع شط العرب پر قبضہ کر لیا جو صدر صدام حسین کے بقول عراق کا علاقہ تھا۔ یہ جنگ ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کو شروع ہوئی اور آٹھ سال تک جاری رہی۔ مسلمان ممالک کی تنظیم او آئی سی یہ جنگ رکوانے میں کوئی کردار ادا نہ کر سکی۔ انہوں نے اس وقت پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ دونوں ملکوں کے قائدین سے مل کر ان میں صلح کروانے کی کوشش کریں۔ وہ جنگ کے دوران ہی ایران اور عراق گئے بھی لیکن کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اقوام متحدہ کی کوششوں سے اگست ۱۹۸۸ء میں یہ جنگ ختم ہوئی۔ اس جنگ نے ظاہر ہے دونوں ملکوں کی معیشت کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ ایرانیوں نے تیزی سے سنبھلنے کی کوشش کی ہے اور اب وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔

تیسرا واقعہ سلمان رشدی کے خلاف امام خمینی کا فتویٰ تھا۔ سلمان رشدی نے اپنی کتاب ''شیطانی آیات'' (Satanic Verses) میں اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی تھی جس پر امام خمینی نے اسے واجب القتل قرار دے دیا تھا۔ جس پر مغربی پریس نے ایک طوفان اٹھا دیا اور اسے شخصی آزادی اور اظہار رائے کے خلاف منفی اقدام قرار دیا۔ ۳ جون ۱۹۸۹ء کو امام خمینی کا انتقال ہوا۔ انہیں بہشت زہرہ قبرستان میں دفن کیا گیا۔ وہاں ان کا ایک قول ایک دیوار پر لکھا ہوا ہے جس کا ترجمہ ہے:

''میرا دل مطمئن اور ضمیر شاد ہے کہ میں نے اپنے بہن بھائیوں کی جو خدمت کی ہے اس کی وجہ سے میں اپنے رب کی طرف خوش خوش جا رہا ہوں۔''

روح خدا بخدا پیوست،

امام خمینی کے مزار سے واپسی پر ہم نے کھانا کھایا۔ کچھ دیر آرام کیا اور پھر جہاں گردی کے لیے نکل گئے۔ ایرانی سیر سپاٹے کو جہاں گردی ہی کہتے ہیں۔

دوسری صبح ہمیں ایک مسئلہ حل کرنا تھا۔ ٹریول ایجنٹ نے بغداد سے استنبول کے لیے جہاز کی ٹکٹ ای میل کر دی تھی جو ہم ابھی تک ڈاؤن لوڈ نہیں کر سکے تھے۔ دوسرے کچھ مزید کرنسی بھی تبدیل کروانی تھی۔ ہم نے شہباز کو یہ مسئلہ بتایا۔ ناشتے کے بعد وہ ہمیں ایک ایسی جگہ لے گیا جو لاہور کی برانڈرتھ روڈ سے ملتی جلتی تھی۔ کافی دیر کی مٹر گشت کے باوجود بھی کوئی سائبر کیفے نظر آیا نہ کرنسی تبدیل کرنے کی کوئی صورت۔ ہم نے شہباز کو کہا کہ کسی پوش علاقے کی طرف چلے۔ ابھی ہم اسی ان بن میں تھے کہ کدھر جائیں کدھر نہ جائیں کہ ایک ادھیڑ عمر کا شخص نظر آیا جو اخبارات خرید کر شاید گھر کی طرف جا رہا تھا اور راہ چلتے ہوئے اخبار پڑھ رہا تھا۔ ہم نے اس سے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ اس نے جیب سے قلم نکالا اور کاغذ پر نقشہ بنا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر ایک جگہ کی نشاندہی کی کہ پہلے اس سڑک پر پہنچو، وہاں سے موٹر سائیکل تمہیں فردوسی روڈ پر لے جائیں گے۔ دونوں مسئلے وہیں حل ہو جائیں گے۔ ہم ان کی بتائی ہوئی جگہ پہنچے۔ پتہ چلا کہ موٹر سائیکل پبلک ٹرانسپورٹ کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں۔ ایک موٹر سائیکل پر دو سواریاں بٹھائی جا سکتی ہیں۔ ایک نشست ڈرائیور کے دائیں جانب ہوتی ہے اور ایک اس کے پیچھے۔ کچھ لوگوں نے اضافی نشست نہیں لگائی ہوتی تو وہ ایک ہی سواری بٹھاتے ہیں۔ تو ہم دو موٹر سائیکلوں پر فردوسی روڈ پہنچے۔ وہاں ایک سائبر کیفے مل گیا۔ ای میل کھول کر ٹکٹ کا پرنٹ لیا۔ اس کے دس ہزار ریال ادا کرنے پڑے کرنسی بھی تبدیل ہوگئی۔ میٹرو سے واپس آئے۔ شہباز نے محمود کو فون کیا۔ اس نے کہا کہ وہ میٹرو کے فلاں سٹیشن پر اسے لینے آئے گا۔ وہاں پہنچ کر ہم نے اسے الوداع کہا اور خود قم کے لیے روانہ ہوگئے۔ بس نے جہاں اتارا وہاں سے محترمہ فاطمہ معصومہ قم کا حرم کافی دور تھا۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور نے بیس ہزار ریال میں وہاں لے جانے کی پیشکش کی۔ اسی دوران ہم نے دیکھا کہ ایک شیعہ عالم اور ان کے ساتھ دو اور حضرات ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہے ہیں۔ ہم نے ان کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت چاہی۔ ہمارے قریب بیٹھے ہوئے صاحب ایک ڈاکٹر نکلے جو شیراز کے رہنے والے تھے۔ عراق میں کام کرتے تھے۔ انہوں نے بڑی مفید باتیں بتائیں اور شیراز آنے کی دعوت دی۔ ہم نے ان کا فون نمبر لے لیا اور کہا کہ وقت ملا تو ضرور آئیں گے۔

جیسے ڈاکٹر صاحب نے بتایا تھا ہم نے پہلے امانت خانہ تلاش کیا بڑا بیگ وہاں رکھوایا اور کیمرے والا بیگ لے کر حرم میں داخل ہوگئے۔

حضرت فاطمہ جو ''معصومہ قم'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ شیعہ حضرات کے ساتویں امام حضرت امام موسیٰ کاظم کی بیٹی اور آٹھویں امام حضرت امام رضا (مشہد) کی بہن تھیں۔ وہ حضرت امام رضا کے پچیس سال بعد یکم ذوالقعد ۱۸۳ ہجری کو مدینے میں پیدا ہوئیں۔ دونوں بہن بھائی میں بڑا پیار تھا۔ جب خلیفہ مامون الرشید نے حضرت امام رضا کو خراسان بلایا تو ان سے رہا نہ گیا اور وہ بھی خراسان روانہ ہوگئیں۔ راستے میں ان کی طبیعت خراب

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگئی۔ سید گھرانے کا ایک معتقد موسیٰ ابن خزرج انہیں قم لے آیا اور ان کی بڑی خاطر تواضع کی لیکن ان کی طبیعت نہ سنبھل سکی اور ۱۰ ربیع الثانی ۲۰۱ ہجری میں انتقال کر گئیں، اس وقت ان کی عمر ۱۸ برس تھی۔ گرچہ انہیں امامت کا درجہ حاصل نہیں لیکن انہیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے مزار پر حضرت امام رضا کا یہ قول لکھا ہوا ہے کہ جو معصومہ کے روضے کی زیارت کرے گا، جنت کا مستحق ہوگا، حضرت امام صادق اور حضرت امام موسیٰ کاظم سے بھی اس طرح کے اقوال منسوب ہیں۔

شیعہ علماء کا کہنا ہے کہ حج اور عمرہ فرائض میں داخل ہے لیکن اس طرح کے اقوال سے شیعہ حضرات میں زیارات پر جانا اولین ترجیح بن چکی ہے۔ کوئٹہ سے ہمارے ہم سفر علی سجاد چار مرتبہ زیارات کے لیے آئے تھے لیکن ایک مرتبہ بھی حج یا عمرے کے لیے نہیں گئے۔ پڑھے لکھے لوگوں کا بھی یہی حال ہے۔ کراچی میں کور ہیڈکوارٹر میں متعین پاک فضائیہ کے ایک ونگ کمانڈر نے بڑے فخریہ لہجے میں بتایا تھا کہ مولیٰ علی کی مہربانی سے وہ تمام زیارات پر گئے ہیں۔ انہوں نے حج کیا تھا نہ عمرہ...... اب یہ ذمہ داری شیعہ علماء کی ہے کہ وہ لوگوں کو صراط مستقیم دکھائیں اور حج، عمرے اور روضہ حبیب ﷺ کی اہمیت سے آگاہ کریں۔

روضے کے اردگرد دلکری کے چوکھٹوں پر سونے سے خوبصورت تحریریں کندہ ہیں۔ ماحول بہت خوبصورت ہے۔ ہم جب روضے پر حاضر ہوئے تو بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ ہم نے قرآن شریف نکالا اور تلاوت کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد کسی نے ہمارا پاؤں پکڑ کر ہلایا۔ مڑ کر دیکھا تو چوغے میں ملبوس ایک شیعہ عالم ہمیں اپنے سامنے سے ہٹ جانے کا اشارہ کر رہے تھے۔ ان کے پہلو میں جگہ خالی ہو چکی تھی، ہم وہاں بیٹھ گئے۔ روضے کے اردگرد جگہ جگہ مختلف زبانوں میں یہ ہدایت تحریر تھی کہ روضے کی تصویر کشی منع ہے اور اس ہدایت کے تحت ہمارا بھی کیمرے استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ ہمارے پہلو میں بیٹھے ہوئے عالم نے ایک کیمرہ نکالا اور چپکے چپکے روضے کی تصویریں بنانے لگے، جب ایک شیعہ عالم ان ہدایات کی پاسداری نہیں کر رہے تھے تو ہمیں کیمروں کے

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استعمال سے کون روک سکتا تھا۔ ہم نے فلم بھی بنائی اور تصویریں بھی اتاریں۔

حضرت معصومہ کے حرم کے اردگرد بازار ہیں، جہاں دن رات چہل پہل رہتی ہے۔ کئی مدارس بھی ہیں جہاں ایران کے علاوہ پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک کے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ قریب ہی حضرت امام خمینی کا مکان ہے۔ تین سو گز پر تعمیر کردہ تین کمروں کا سادہ سا مکان جس میں ایک کمرہ لائبریری کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور باقی دو رہائش اور مہمان خانے کے طور پر۔ اب یہ اسلامی تعلیمات اور دارالفتویٰ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

شب گزاری کے لیے ہم نے ہوٹلوں کا رخ کیا تو پتہ چلا کہ ایک رات کا کرایہ پچیس ہزار تومان یعنی ڈھائی لاکھ ریال تھا۔ اتفاق سے ایک پاکستانی مل گیا جس نے ایک سرائے کا رستہ بتایا ''مہمان پذیر پاکستانین'' شبیر حیدر اس کے انچارج تھے۔ انہوں نے پندرہ ہزار ریال میں ایک بستر فراہم کر دیا۔ رات ہم نے وہیں گزاری۔ صبح ہم نے امانت خانے سے اپنا سوٹ کیس نکلوایا اور ٹیکسی سٹینڈ پر آ گئے۔ ایک ٹیکسی والے کو بتایا کہ ہم بسوں کے اڈے پر جانا چاہتے ہیں۔ اس نے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اتنے میں ایک خاتون آئی، اس نے اسے بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کو کہا، وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئی۔ ہم بہت گھبرائے کہ اسلامی انقلاب کے بعد بھی مرد اور عورت اکٹھے کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ اتنے میں ایک اور لڑکی آئی اور خاتون کے برابر میں بیٹھ گئی۔ جب ٹیکسی کی سواریاں پوری ہو گئیں اور ڈرائیور روانہ ہوا تو ہچکولوں کے ساتھ ہمارے ساتھ بیٹھی ہوئی خاتون ہم سے چپک چپک جاتی تھی۔ ہم کھڑکی کی طرف سمٹتے جاتے تھے۔ اس خاتون نے ہم سے پوچھا ''از چرا می آئی؟'' (کہاں سے آئے ہو)

''از پاکستان''

''بڑی خوشی ہوئی۔''

اور بھی سوالات کیے۔ اسے جب پتہ چلا کہ ہم ایران میں تنہا گھوم رہے ہیں تو بڑی حیران ہوئی۔ بسوں کے اڈے پر جب اترے تو اس نے بتایا کہ یہاں سے صرف تہران کے لیے بسیں چلتی ہیں۔ اصفہان کے لیے کہیں اور سے چلتی ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہمیں گائیڈ کرو تو

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بولی ''آپ شریف آدمی لگتے ہو۔ میرا جی چاہتا ہے کہ کچھ وقت آپ کے ساتھ گزاروں۔ ایسا کرو کہ میرے ساتھ تہران چلو۔ میرا تھوڑی دیر کا کام ہے۔ اس کے بعد میں تہران کی سیر کراؤں گی۔ کھانا اکٹھے کھائیں گے اور شام تک لوٹ آئیں گے۔''

''آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں شریف آدمی ہوں؟''

''یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔ آپ میرے ساتھ چلو تو سہی۔''

ہم اپنی راہ کھوٹی کرنے کو تیار نہ تھے۔ تب اس نے اپنے پرس سے قلم اور کاغذ نکالا اپنا نام لکھا ''سودابے'' فون نمبر اور ای میل کا پتہ لکھا اور وعدہ لیا کہ دوسرے دن شام کو فلاں جگہ مجھے ملنا۔ پھر وہ ٹیکسی میں مجھے اصفہان کے اڈے پر چھوڑ کر آئی۔ اس نے ہدایت کی کہ ٹیکسی پر جانا مناسب رہے گا۔ ہم نے ایک ٹیکسی والے سے بات کی۔ اس نے دس ہزار تومان سے بات شروع کی اور بحث وتکرار کے بعد ہشت ہزار (آٹھ ہزار) تک اتر آیا۔ ہم بیٹھنے کے لیے بڑھے ہی تھے کہ ایک اور ٹیکسی والے نے انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے شش (چھ) پکارا۔ اس نے گالیوں کا طومار باندھ دیا اور ہمارا بڑا بیگ ڈگی میں رکھتے ہوئے بولا کہ چلو آپ چھ ہزار دینا لیکن میرے ساتھ آؤ۔ ایک نوجوان جوڑا بھی ہمارے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ پتہ چلا کہ لڑکی کی والدہ اصفہان کے کسی ہسپتال میں داخل تھی۔ اور دونوں میاں بیوی ان کی تیمارداری کے لیے جا رہے تھے۔ سودابے نے چلتے ہوئے پانی کی ایک بوتل اور سٹرابری کا ایک ڈبہ ہمیں تھما دیا تھا۔ وہ ہم نے اس میاں بیوی کو پیش کیا جو انہوں نے قبول کر لیا۔ آگے اصفہان تقریباً چار سو کلومیٹر کا سفر تھا۔

اصفہان: نصف جہاں

ٹیکسی والے نے ہمیں اصفہان کے بس اڈے پر اتار دیا۔ ہم ایک بنچ پر بیٹھ کر اصفہان دیکھنے کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔ پتہ کیا کہ یہاں کوئی امانت خانہ ہے جہاں بڑا بیگ جمع کرایا جا سکے۔ کوئی نہ تھا۔ میلی شلوار قمیص میں ایک پریشان حال پاکستانی نظر آیا۔ ہم نے اسے پاس بیٹھنے کی دعوت دی اور پوچھا کہ وہ کیوں پریشان ہے۔ پتہ چلا کہ موصوف ملازمت

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ تعلیم تھی نہ کوئی فن۔ دو مہینے خوار ہو کر اب واپس جانا چاہتے تھے۔ لیکن ویزے کی مدت ختم ہو چکی تھی۔ خدشہ تھا کہ پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تو جیل کی ہوا کھانی پڑے گی۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور اسے زاہدان بھجوانے کی کوشش کر رہا تھا جہاں کسی سمگلر نے اسے سرحد پار کروانی تھی۔ تھوڑی دیر میں وہ ٹیکسی ڈرائیور آ گیا اور اس نے ان صاحب کو زاہدان جانے والی بس میں بٹھا دیا۔ پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوا۔ ہم نے بتایا کہ مسافر ہیں اور اصفہان کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے بغیر کچھ کہے سنے ہمارا بیگ ڈگی میں رکھا اور نقش جہاں گرد کی طرف چل پڑا۔ ہم نے اصرار کیا کہ وہ ہم سے کرایے کے بارے میں حتمی بات کرے۔ وہ نقش جہاں گرد پہنچ کر ہمیں کتابوں کی ایک دکان پر لے گیا۔ صاحب دکان انگریزی اور عربی زبان بول سکتا تھا۔ وہاں اس نے دس ہزار تومان کا مطالبہ کیا۔ ہم نے آٹھ ہزار پر اصرار کیا۔ صاحب دکان نے ہم سے پوچھا کہ ہم کہاں کہاں جانا چاہتے تھے، ہم نے مختصر سی فہرست گنوائی تو وہ مسکراتے ہوئے بولا کہ اتنی جگہوں کے لیے یہ دس ہزار ٹھیک مانگ رہا ہے لیکن آپ آٹھ ہزار پر ڈٹے رہو، یہ مان جائے گا۔ اس نے اسے پاکستان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ مہمان ہیں ان کا خیال کرو، بالآخر وہ مان گیا۔

ہم نے اصفہان دیکھنے کا فیصلہ یوں کیا تھا کہ اسلام آباد میں جب ویزہ لینے ایرانی سفارت جانے پہنچے تو وہاں قابل دید مقامات کے پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ ایک پوسٹر پر لکھا تھا ''اصفہان، نصف جہاں'' یہ تہران اور مشہد کے بعد ایران کا تیسرا بڑا شہر ہے۔ آبادی اٹھارہ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ کہتے ہیں کہ کبھی یہ دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا۔ مختلف ادوار میں یہ دو مرتبہ ایران کا دارالحکومت رہ چکا ہے۔

نقش جہاں گرد مستطیل شکل کا ایک کھلا میدان ہے جس کے درمیان ایک بہت بڑا تالاب ہے۔ پانی شفاف۔ ہر وقت فوارے چلتے رہتے ہیں۔ چاروں جانب عمارتیں ہیں جن میں یکساں قسم کی محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ ایک جانب امام بارگاہ ہے جس کی چھتیں بھی منقش ہیں اور دیواریں بھی۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نقش جہاں گرد کے بعد اکبر نے ہمیں دو پل دکھائے۔ ایک پل خوجہ اور ایک پل سی وسہ۔ یعنی ۳۳ کا پل۔ دریا کا پانی ۳۳ دروازوں سے گزر کر پار گرتا ہے۔ دونوں پل انجینئرنگ اور خوبصورتی کے شہکار ہیں لیکن ان سے بھی زیادہ خوبصورت چہل ستون ہے۔ یہ ایک پارک ہے جس میں داخلے کے راستے پر بیس ستون ہیں لیکن قریبی تالاب میں جب ان ستونوں کا عکس پڑتا ہے تو بیس ستون وہاں نظر آتے ہیں۔ اس طرح اس کا نام چہل ستون پڑ گیا۔ یہ شاہ عباس ثانی نے بنوایا تھا۔ غیر ملکی سفیروں اور مہمانوں کا استقبال یہیں کیا جاتا تھا۔ برصغیر کے مغل بادشاہ ہمایوں کا استقبال بھی یہیں کیا گیا تھا۔

اصفہان میں ایک اور قابل دید مقام ''منار جانان'' ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ تو دو جانب کے مینار ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ ہلتے ہوئے میناروں کے نام سے مشہور ہے۔ جب ہم یہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ یہ ہر ایک گھنٹے کے بعد ہلتے ہیں۔ ہمیں بڑی حیرانی ہوئی کہ آخر ہر گھنٹے کے بعد ایسا کیا ہوتا ہے کہ مینار ہلنے لگتے ہیں۔ کوئی زلزلے کی لہر ہے جو باقاعدگی سے اس کے نیچے سے گزرتی ہے، قریب میں کوئی آتش فشاں پہاڑ ہے جس کی طرف سے کوئی لاوا ان کے نیچے سے بہتا گزرتا ہے۔ قریب ہی ایک پرانے آتش کدے کے آثار تھے۔ ہم وہ دیکھنے چلے گئے۔ یہ آتش کدہ ساتویں صدی میں تعمیر کیا گیا تھا جب ایرانی آگ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ ایک بلند پہاڑی پر واقع تھا جہاں سے اس کی آگ اردگرد، دور دور تک نظر آتی تھی۔ اور دیکھنے والوں پر ایک سحر طاری رہتا تھا۔ آتشکدہ دیکھ کر واپس آئے، پانچ ہزار تومان کا ٹکٹ خریدا۔ بتائے گئے وقت پر ایک اہلکار ایک مینار کے اندر داخل ہوا اور اس نے ایک ہینڈل جو مینار کی دیوار میں پیوست تھا، زور زور سے ہلانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں نہ صرف یہ مینار لرزنے لگا بلکہ دوسرا مینار بھی ہلنے لگا۔ شاید یہ کوئی عجوبہ ہو کہ ہلتے ہوئے میناروں کے باوجود، یہ عمارت اپنی جگہ کیسے کھڑی ہے لیکن ہمیں تو یہ فریب دہی کی واردات ہی لگی اور ٹکٹ کی رقم ضائع محسوس ہوئی۔

اکبر نے ہمیں بسوں کے اڈے پر اتارا۔ ہم تہران کی بس میں بیٹھ گئے۔ ساتھ والی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نشست پر بیٹھے مسافر سے تعارف ہوا۔ مجتبیٰ خسروی ان کا نام تھا۔ اصفہان کے رہنے والے تھے وہ اپنے گھر والوں سے مل کر واپس تہران جا رہے تھے۔ ان کی بیوی کا فون آیا جو بے تابی سے ان کی منتظر تھی۔ خود ہی بتایا کہ بیوی کا نام معصوم ہمسر تھا اور وہ مثالی بیوی تھی۔ اطاعت گزار، فرمانبردار، بڑے خوش تھے۔ رات گئے قم پہنچے۔ بیگ امانت خانے میں جمع کرایا اور رات مہمان پذیر پاکستانیین میں گزاری۔

دوسرا دن ہم نے حرم کے اردگرد بازاروں اور شہر کی سیر میں گزارا۔ شام کو سودابے سے ملنے کا وقت مقرر تھا۔ ہم ذرا دور نکل گئے تھے۔ واپس آئے تو مقررہ وقت سے دس منٹ اوپر ہو چکے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ قریب آئی اور گھڑی دیکھتے ہوئے بولی ''انتظار وانتظار وانتظار'' ہم نے معذرت کی۔ اس نے فوراً ہی ہمیں ایک ٹیکسی میں بٹھایا اور ڈرائیور کو'' گلستان علوی'' چلنے کو کہا۔ یہ ایک خوبصورت باغ تھا۔ صاف ستھری روشیں، پھولوں کی کیاریاں، صنوبر کے ترشے ہوئے درخت۔ جگہ جگہ بیٹھنے کے لیے لکڑی اور پتھر کے بنچ۔ تفصیلی تعارف ہوا۔ ہم نے شروع ہی میں اسے بتا دیا کہ ہم نے فارسی پڑھی تو ہوئی ہے لیکن کبھی بولنے کا موقع نہیں مل سکا۔ مشق نہ ہونے سے ہمیں بولنے میں دقت پیش آتی تھی جو کچھ کہنا چاہتے، عربی یا انگریزی کے لفظ ذہن میں آتے۔ فارسی کا ذخیرہ ذہن کے دوردراز گوشوں میں سویا ہوا تھا۔ جسے بڑی مشکل سے جھنجھوڑ کر جگاتے، تب کہیں ایک آدھ فقرہ ترتیب دے پاتے۔ البتہ اشعار اور محاورے کافی یاد تھے۔ اس کی گفتگو صاف سمجھ میں آتی تھی۔

اس نے بتایا کہ اس نے سوشل سائیسنز میں ایم ایس سی کیا ہوا ہے۔ فائنل ائیر میں تھی جب شادی ہوگئی۔ شوہر کرمان شاہ میں ملازمت کرتا تھا۔ شادی کے بعد اس نے مطالبہ کیا کہ پڑھنا لکھنا کرو برطرف اور کرمان شاہ آجاؤ۔ کافی بحث وتمحیص کے بعد اس نے تعلیم مکمل کرنے کی اجازت دی۔ تین سال کے بعد کسی حادثے میں اس کا انتقال ہوگیا۔ ایک سال تک تو وہ غم اندوہ میں ڈوبی رہی، پھر اس نے مالی معاملات میں مشاورت (Financial Advisor) کا دفتر کھولا اور خواتین کو کاروبار شروع کرنے، بنک سے قرضے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لینے اور اسی طرح کے معاملات میں رہنمائی کرنے کا کام شروع کیا۔ اب وہ مطمئن تھی لیکن مضطرب۔ اس کا کہنا تھا کہ جب تک وہ بیوگی کے عالم میں گھر بیٹھی رہی، اسے کسی نے نہیں پوچھا۔ جب اس کا کاروبار چمکنا شروع ہوا تو کئی بھنورے اس کے اردگرد منڈلاتے تھے اور شادی کے خواہاں تھے لیکن وہ انہیں لالچی اور خودغرض سمجھ کر مسترد کرتی رہی تھی۔ وہ ہم سے مشورہ چاہتی تھی کہ ہجوم عاشقاں میں سے کسی مخلص ساتھی کا انتخاب کیوں کر کروں۔

ہم نے پوچھا کہ اس نے مشاورت کے لیے ہمارا انتخاب کیوں کیا تھا اور تھوڑی دیر کے سفر میں اسے کیسے معلوم ہوگیا تھا کہ ہم شریف آدمی ہیں۔ بولی کہ کوئی ایرانی میرے ساتھ بیٹھا ہوتا تو سفر کے اختتام تک وہ میری پسلیاں توڑ چکا ہوتا لیکن آپ بار بار سمٹتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ بدن نہ چھوئیں۔ میں نے جانا کہ آپ شریف آدمی ہیں، جی چاہا کہ آپ کے ساتھ کچھ وقت گزاروں مجھے یقین تھا کہ آپ مجھے ہاتھ نہیں لگائیں گے۔

''اور اگر میں ہاتھ لگانا چاہوں تو؟''

وہ ہنس پڑی، عبایہ کھولا اور ہماری طرف بڑھتی ہوئی بولی ''مجھے برا نہیں لگے گا۔''

ہم نے معروف ادیب اشفاق احمد کا واقعہ سنایا کہ ان کے بیٹے نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ کیا اپنے افسانوں اور ناولوں میں محبت محبت کی رٹ لگائے رکھتی ہیں۔ ابو نے بھی ایک کتاب لکھ ماری ہے ''ایک محبت سو افسانے۔'' آپ مجھے مختصراً محبت کی تعریف بتائیں۔ بانو قدسیہ اس کا تسلی بخش جواب نہ دے سکیں۔ اشفاق احمد گھر آئے تو ان سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ چلو بابے کے پاس چلتے ہیں۔ گئے، مسئلہ بتایا۔ بولے، ''جب کسی کی اچھی نہ لگنے والی بات بھی اچھی لگے تو یہ محبت ہے۔''

بہت ہنسی اور بولی ''سمجھ گئی، سمجھ گئی۔''

باغ میں داخلے سے پہلے اس نے ایک دکان سے ہمارے لیے جوس اور اپنے لیے خنک پانی کی ایک بوتل خریدی تھی۔ ہمیں پیاس لگ رہی تھی اور جوس ختم کر چکے تھے۔ اس نے پانی کی بوتل ہماری طرف بڑھائی۔ ہم نے ایک دو گھونٹ لے کر بوتل واپس کر دی۔ اس

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے ایک گھونٹ لیا اور بولی "دہانہ شما ایں آب را شیریں کرد" تمہارے ہونٹوں نے اس پانی کو شیریں کر دیا ہے۔"

ہم نے کہا "تلخ می شود" یہ کڑوا ہو گیا ہے۔

پوچھا کیسے۔ ہم نے کہا "از لمس دہانہ شما" (تمہارے ہونٹوں کے لمس سے۔)

ہنسنے لگی۔ بولی "مجھے یقین ہے کہ آپ کی کتابیں بڑی مقبول ہوں گی۔"

"آپ کو کیسے پتہ لگا۔"

بولی کہ فارسی پر عبور نہ ہونے کے باوجود آپ اتنی اچھی گفتگو کر لیتے ہیں تو اردو میں تو آپ کمال کرتے ہوں گے۔"

"جوہری جوہری را می شناسد" (جوہری جوہری کو پہچانتا ہے) ہم ایک اور فقرہ تراشنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ہنسی اور بولی "میرا انتخاب درست تھا۔ میں اتنے عرصے کے بعد کھل کر ہنسی ہوں اور اداسیاں یوں چھٹ گئی ہیں جیسے سورج نکلنے پر اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔"

اس نے جو مشورہ مانگا تھا، اس کے جواب میں ہم نے اسے تسلی دی اور کہا وہ ذہین بھی تھی اور مردم شناس بھی۔ اسے یقیناً کوئی اچھا جیون ساتھی مل جائے گا۔ وہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور اسی سے مدد مانگتی رہے۔ اللہ یقیناً اس کی مدد کرے گا۔"

رات گئے ہم واپس آئے۔ اس نے ایک ٹیکسی لی۔ راستے میں کرایہ ادا کیا اور ڈرائیور کو ہدایت کی کہ ہمیں حرم اتار دے۔ خود راستے میں کہیں گھر کے قریب اتر گئی۔

رات ہم نے حرم میں گزاری اور صبح سویرے ہمدان جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ سودابے نے بتایا تھا کہ ہمدان کے لیے گاڑیاں بسوں کے بڑے اڈے سے نہیں چلتیں۔ ہمیں پاکستانیوں کا ایک گروپ ملا۔ ہم نے انہیں روک کر پوچھا کہ ہمدان جانے کے لیے بسیں کہاں سے چلتی ہیں۔ ایک شخص نے بڑی رکھائی سے جواب دیا "ہم خود بڑے پریشان ہیں، کسی اور سے پوچھ لو۔"

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی اور تو ہمیں مل ہی جانا تھا لیکن ان کے رویے پر بڑا دکھ ہوا۔ ہمدان کے اڈے پر پہنچے تو وہ سنسان پڑا تھا۔ ابھی سورج بھی نہیں نکلا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ہم ایک بنچ پر لیٹ گئے۔ ایک گھنٹہ آرام کیا ہوگا کہ بسوں کی آمدورفت شروع ہوئی۔ ہمدان کی بس میں بیٹھ گئے۔ گاڑی چلی تو مسافروں میں ڈبے تقسیم کیے گئے جن میں بسکٹ تھے اور کیک راستے میں جگہ جگہ ڈرائیوروں کے لیے ہدایات درج تھیں۔

"بعداز ہر دو ساعت رانندگی، بہ مدت پانزدہ دقیقہ مناسب استراحت کنید"

("ہر دو گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد پندرہ منٹ کے لیے مناسب آرام کریں۔")

"سرعت خودرا کاہید"

(اپنی رفتار کو کنٹرول میں رکھیں۔)

شہروں کے اندر اس طرح کی تحریریں نظر آتی ہیں۔

"لطفاً نظافت را رعایت نمائید"

براہ مہربانی صفائی کا خیال رکھیں۔

"شہر ما، خانہ ما"

(ہمارا شہر ہمارا گھر ہے۔)

فارسی آسان زبان ہے اور بڑی آسانی سے سیکھی جا سکتی ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے اسے دیس نکالا دے دیا ہے۔ حالانکہ ہمارے دینی ورثے کا بڑا حصہ فارسی ہی میں ہے۔ محدث دہلوی شاہ ولی اللہ نے سب سے پہلے قرآن حکیم کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔ یہ قرآن کا پہلا ترجمہ تھا جو کسی غیر ملکی زبان میں کیا گیا۔ بعد میں ان کے بیٹوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے اردو میں ترجمہ کیا۔ علامہ اقبال کا کہنا تھا کہ اردو زبان ان کے خیالات کی طغیانی اور روانی کی متحمل نہیں ہو سکتی چنانچہ ان کی شاعری کا بڑا حصہ فارسی میں ہے۔ ان کے بارہ ہزار اشعار میں سے سات ہزار اشعار فارسی میں ہیں۔ وہ ایران اور شمالی ریاستوں یعنی ترکستان، ازبکستان، قازقستان، کرغیزیہ اور آذربائیجان جہاں فارسی بولی اور سمجھی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے۔ زیادہ مقبول ہیں۔

ہمدان:

نصف النہار کے وقت ہم ہمدان پہنچ گئے۔ یہ ایران اور دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔ مغربی ایران میں کوہ الوند کے قریب واقع ہے۔ سردیوں میں دو مہینے تک برف پڑتی ہے۔ گرمیوں میں موسم خوشگوار رہتا ہے۔ ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد ایران کے پہلے صدر ابوالحسن بنی صدر یہیں کے رہنے والے تھے۔ ہمدان اترے تو ایک ٹیکسی ڈرائیور مل گیا جو تھوڑی بہت انگریزی جانتا تھا۔ طے یہ ہوا کہ وہ ہمدان کی سیر کروائے گا۔ اور چار ہزار ریال فی گھنٹہ لے گا۔ ہم اس کے ساتھ چل تو پڑے لیکن بہت جلد محسوس ہوا کہ غلطی ہوگئی کیونکہ وہ اپنی مرضی سے کبھی کسی میوزم کے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا، کبھی کسی پارک کے سامنے۔ مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت لگے اور اس کے پیسے زیادہ بنیں۔ ہم نے اسے بتایا کہ پہلے وہ ان جگہوں پر چلے جہاں ہم جانا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم بابا طاہر کے مزار پر گئے۔

بابا طاہر ایران کے بلھے شاہ تھے کہ ہر ایرانی انہیں جانتا ہے اور کچھ نہ کچھ اشعار یاد رکھتا ہے۔ پیشہ ان کا لکڑہاری تھا اور کچھ لوگ انہیں بابا طاہر عریاں کے نام سے پکارتے ہیں۔ شاید وہ کپڑوں سے بے نیاز رہتے ہوں۔ فردوسی اور ابن سینا کے ہم عصر تھے۔ ان کا مزار بارہ ستونوں پر مشتمل ہے۔ اردگرد خوبصورت باغ ہے، جس میں پھول لہلاتے ہیں اور بلبلیں چہچہاتی ہیں جیسے بابا طاہر کا کلام گنگنا رہی ہوں۔

دوسری منزل ابوالحسین بوعلی سینا کا مزار تھا۔ وہ ۹۸۰ء میں ازبکستان کے شہر بخارا میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے طب کی تعلیم حاصل کی اور لوگوں کا علاج کرنے لگے لیکن ساتھ ساتھ مطالعہ جاری رکھا۔ اس کے بعد جب انہوں نے لکھنا شروع کیا تو حیرت ہوتی ہے کہ ایک شخص نے اتنی کتابیں کیسے لکھ ڈالیں کہ عام آدمی اپنی زندگی میں ان سب کو پڑھ بھی نہیں سکتا۔ ساڑھے چار سو کتابیں لکھیں جن میں سے چند کتابیں چودہ چودہ جلدوں میں ہیں مثلاً قانون فی الطب (Canon of

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(Medicine) ان کی ساری کتابیں محفوظ نہیں ہیں۔ تقریباً ۲۴۰ محفوظ ہیں اور دنیا کی کئی زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ دنیائے اسلام میں تو ان کی کتابیں پڑھائی ہی جاتی تھیں، انیسویں صدی تک یورپ کی کئی یونیورسٹیوں میں ان کی کتابیں نصاب کا حصہ تھیں۔ انہوں نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ان میں فلکیات، ارضیات، طبیعیات، نفسیات، حساب اور کیمیا گری شامل ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کی زندگی پرسکون تھی، اس لیے انہوں نے اتنی کتابیں لکھیں۔ وہ بائیس سال کے تھے جب والد کا انتقال ہو گیا۔ وہ بخارا سے ایران کے شہر رے میں منتقل ہو گئے۔ وہاں سے نکال دیئے گئے تو ہمدان آ گئے اور باقی زندگی یہیں بسر کی۔ ۵۸ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ۱۹۸۰ء میں روس میں ان کی ہزار سالہ برسی بڑے تزک واحتشام سے منائی گئی جس میں پاکستان سے حکیم محمد سعید سمیت دنیا بھر سے طبیبوں اور دانشوروں کو بلایا گیا تھا۔

گرچہ اپنے مریضوں کا علاج وہ جڑی بوٹیوں سے کرتے تھے لیکن ان کے نظریات اس لحاظ سے ہومیوپیتھی کے نظریے سے ملتے جلتے تھے کہ وہ دواؤں کے تجربات جانوروں پر نہیں بلکہ انسانوں پر کیے جانے کے قائل تھے۔ ان کے مزار پر جو میوزیم قائم ہے، اس میں ان کی کتابوں، مسودات اور اقوال کے علاوہ چند ایسی جڑی بوٹیاں بھی نمائش کے لیے رکھی گئی ہیں جو بوعلی سینا علاج کے لیے استعمال کرتے تھے۔

ہمدان خوبصورت شہر ہے۔ اسے دیکھنے کے لیے کئی دن چاہئیں لیکن ہم بھی تھک گئے تھے اور ہمارے کیمرے بھی کہ ان کی بیٹریاں جواب دے رہی تھیں۔ سو ہم نے جعفر کو کہا کہ وہ ہمیں کسی ہوٹل لے چلے۔ وہ ہمیں ایسے ہوٹلوں میں لے گیا جہاں ایک رات قیام کا کرایہ پندرہ سے بیس ہزار تھا۔ ہمارے اصرار پر وہ ہمیں ایک ایسے ہوٹل میں لے گیا جس کی شرائط عجیب وغریب تھیں۔ متعلقہ کلرک کا کہنا تھا کہ اگر آپ شام پانچ بجے آئیں تو ہم آپ سے تین ہزار ریال لیں گے اور فوراً قیام کرنا چاہیں تو پانچ ہزار۔ تھکن اتنی زیادہ تھی کہ ہم نے دوسری شرط قبول کر لی۔ ہوٹل کے ایک ملازم کی مدد سے ہم نے ایک اور ہوٹل سے کھانا لیا۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کمرے میں آ کر کھایا، بیٹریاں چارج پر لگائیں اور سو گئے۔ سو کر اٹھے اور شہر کی سیر کو نکلنے لگے تو ہوٹل کے ملازم نے ہمارے ساتھ جانا چاہا لیکن سپروائزر نے اسے ڈانٹ پلائی اور وہ بیچارہ منہ بسور کر رہ گیا۔ ہم اکیلے ہی نکل پڑے۔ یہ ہمدان کا مرکزی علاقہ تھا۔ میدانِ استقلال۔ یہاں سے چھ جانب سڑکیں نکلتی تھیں۔ ہم نے ہر سڑک کو تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے اپنے قدموں سے نوازا اور پھر چوک میں واپس آ گئے۔ یہاں لوگوں کا اچھا خاصا ہجوم تھا۔ خاندان کے خاندان مختلف گوشوں میں براجمان تھے۔ وہ گھر سے کھانا ساتھ لائے تھے اور یہاں تناول فرما رہے تھے۔ کچھ لوگ چائے اور قہوے سے دل بہلا رہے تھے۔ ہم نے پھلوں کی دکان سے چیری کیلے لیے اور ہوٹل واپس آ گئے۔ یہی کیلے ہم نے ڈنر میں استعمال کیے اور یہی ناشتے میں۔

دوسری صبح ہم نے نئی منزل کرمان شاہ کی طرف روانہ ہونا تھا۔ ایران میں ٹیکسیوں کے استعمال میں دو اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں۔ اگر آپ کہیں ''یک نفر'' تو وہ ایک سواری کا کرایہ وصول کرتے ہیں اور چار سواریاں مزید بٹھاتے ہیں ''خصوصی تاکسی'' کا مطلب ہے کہ آپ پانچ سواریوں کا کرایہ دیں، بھلے سے آپ ایک ہوں، دو یا تین۔ ایک پولیس والے نے ہمیں منی بس سے جانے کا مشورہ دیا۔ ہماری ساتھ والی نشست پر ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ جب تک آنکھیں بند کیے اپنا سبق دہراتے رہے، ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ ہم نے قرآن شریف بیگ میں بند کیا تو اس نے تلاوت کی قبولیت کی دعا کی۔ ایک ڈبہ نکالا جس میں کیک تھا۔ اس نے ہمیں پیش کیا۔ ہم نے شکریے کے ساتھ انکار کیا لیکن اس نے اصرار کر کے کھلایا۔ گفتگو شروع ہوئی تو اس نے بتایا کہ وہ کرمان شاہ کے قریب ایک گاؤں کی رہنے والی تھی۔ ہمدان یونیورسٹی میں کمپیوٹر سائنس میں ایم ایس سی کر رہی تھی اور ویک اینڈ پر گھر جا رہی تھی۔ اسلامی انقلاب کے بارے میں اس کے کئی تحفظات تھے اور وہ حکومت کی کارکردگی سے بھی مطمئن نہیں تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ کوئی کام رشوت کے بغیر ممکن نہیں۔

کرمان شاہ میں ہم ایک بار پھر ٹیکسی ڈرائیوروں کے نرغے میں پھنس گئے۔ ایک

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈرائیور نے ہمارا بیگ لے لیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے ڈگی میں رکھتا، ہم نے اصرار کیا کہ وہ واضح طور پر کرایہ طے کرے۔ اس نے ۵۰۰۰ تومان کا نوٹ ہمیں دکھایا اور پھر چھ تک گنا "یک، دو، سہ، چہار، پنج، شش" یعنی پانچ ہزار کے چھ نوٹ۔ یہ تو تیس ہزار تومان بنتے تھے۔ ہم نے بیگ چھینا اور چل پڑے۔ دوسرے ڈرائیور جو پہلے اس پر رشک کر رہے تھے کہ اس نے سونے کی چڑیا پھنسا لی، اب اس پر ہنس رہے تھے اور وہ انہیں گالیاں دے رہا تھا۔ ہم نے ایک ٹیکسی میں بطور یک نفر سفر کیا اور قصر شیریں جانے والے اڈے پر پہنچ گئے۔ منی بس کا ٹکٹ پندرہ سو ریال تھا۔ یہ ایران میں ہمارا آخری سفر تھا لیکن بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ کھڑکی کے قریب ایک صاحب یونس فتحی بیٹھے تھے جو کسی یونیورسٹی میں لیکچرار تھے۔ پانچ چھ فوج کے جوان تھے جو وردیوں میں سفر کر رہے تھے اور ڈیوٹی پر سرحد جا رہے تھے۔ جب یونس صاحب اتر گئے تو ہمیں محسوس ہوا کہ کھڑکی سے گرم ہوا کے جھونکے آ رہے ہیں۔ ہم نے شیشہ بند کرنے کی کوشش کی تو وہ ہل کر نہ دیا۔ ہماری بائیں جانب والی نشستوں پر بیٹھی ایک لڑکی نے بڑی ترش روئی سے ہمارے پیچھے بیٹھے ہوئے فوجی جوانوں سے کچھ کہا۔ اس پر ان میں سے دو جوانوں نے شیشہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ ہم صبر کر کے بیٹھے رہے۔ عقبی نشستوں سے ایک لڑکی آگے آئی اور مسکراتے ہوئے پوچھا:

"حال شما چہ طور است" (آپ کا کیا حال ہے؟)

"واللہ کباب سوختہ شدم" (واللہ، جلا ہوا کباب بن گیا ہوں)

وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ اس نے ہمیں نشست سے اٹھایا اور پیچھے جا کر اپنی نشست پر بٹھا دیا۔ وہ کھڑی رہی۔ ہم نے اٹھنا چاہا تو اس نے بتا دیا کہ اس کی منزل آنے والی ہے۔ قصر شیریں سے پچپن کلومیٹر پہلے ایک گاؤں آیا۔ اسلام آباد۔ اسلام آباد۔ وہ وہاں اتر گئی۔ ہم اس نام پر حیران ہوئے۔ فارسی میں تو جگہ جگہ ایسے ہی لکھا تھا لیکن انگریزی کے کچھ بورڈ نظر آئے جن میں اسلام آباد E سے لکھا گیا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے میں ہم قصر شیریں پہنچ گئے۔ یہ محل ساسانی سلطنت کے حکمران خسرو ثانی نے اپنی ہونے والی چہیتی بیوی شیریں کے لیے بنوایا تھا۔ یہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہی شیریں ہے جس کے قصے ہم شیریں فرہاد کے نام سے سنتے ہیں۔ اس قصے کو مشہور اور زبانِ زدِ عام کرنے کا سہرا ایران کے مشہور شاعر نظامی گنجوی کے سر ہے جن کا تیرہویں صدی کے آغاز میں انتقال ہوا۔ انہوں نے ''خسرو شیریں'' کے نام سے ایک طویل نظم لکھی جس میں دو متوازی کہانیاں چلتی ہیں۔ شیریں آرمینیا کی شہزادی تھی۔ ایک طرف خسرو کی محبت ہے، دولت کی فراوانی اور شیریں کے لیے زیادہ سے زیادہ آسائشات کی فراہمی کی تمنا۔ دوسری طرف فرہاد ہے جو خسرو کا ملازم ہے لیکن شیریں کی محبت میں گرفتار۔ شیریں بھی اس کی طرف میلان رکھتی ہے۔ خسرو فرہاد کو کوہ الوند میں سے نہریں نکالنے کا کام سونپتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ کامیابی پر شیریں سے اس کی شادی کر دی جائے گی۔ انجام کربناک ہے، شیریں فرہاد کو ملتی ہے نا خسرو کو، وہ خودکشی کر لیتی ہے۔ نظامی گنجوی کی اس نظم سے مختلف زبانوں میں مختلف قصے تراشے گئے۔ پاکستان میں ظاہر ہے، شیریں اور فرہاد زیادہ مشہور ہے۔

ہم جب قصرِ شیریں اترے تو محل دیکھنے کی تمنا تو تھی لیکن پتہ چلا کہ ''ہنوز سرحد دور است'' ہمیں خدشہ تھا ایسا نہ ہو کہ جب تک ہم سرحد پر پہنچیں، امیگریشن کے دفاتر بند ہو جائیں اور ہمیں واپس آنا پڑے۔ اس لیے ہم نے محل دیکھنے کا ارادہ ترک کیا اور کسی ٹیکسی کے متلاشی ہوئے جو ہمیں ''میدانِ خسروی'' چھوڑ آئے۔ پُرفریب دہی کی کوششوں سے پالا پڑا لیکن حسبِ معمول ہم ان سے بچ نکلے اور سرحد پر پہنچ گئے۔ امیگریشن کے دفاتر ایک بہت بڑے ہال میں واقع تھے۔ ایک طویل قطار لگی ہوئی تھی اور صرف۔۔ایک خاتون شیشے کے ایک کیبن میں بیٹھی کام کر رہی تھی۔ جب خدا خدا کر کے ہماری باری آئی تو اس نے پاسپورٹ کھول کر بمشکل ایک نظر دیکھا اور فارسی میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے ہمیں واپس کر دیا۔ اس سے پہلے کہ ہم اس سے پوچھتے کہ ہمارے پاسپورٹ میں کیا خرابی ہے، وہ ہم سے پیچھے والی ایک خاتون کا پاسپورٹ وصول کر چکی تھی اور اپنے پیچھے رکھی ہوئی ایک مشین میں ڈال رہی تھی۔ یعنی ہمارے پاسپورٹ کو اس نے اس قابل بھی نہ سمجھا تھا کہ مشین میں ڈال کر اس کا درست ہونا یا جعلی ہونا چیک کرتی۔ ہم ابھی حیران پریشان ہی کھڑے تھے کہ بغلی کیبن سے ایک

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نوجوان افسر ہمارے قریب آیا، اس نے پاسپورٹ دیکھا اور نرمی سے بتایا کہ ایران سے خروج کی مہر لگوانے سے پہلے آپ سرحد پر جائیں اور عراقی حکام سے لکھوا کر لائیں کہ آپ انہیں قابل قبول ہیں۔

''ہمیں عراقی حکومت نے ویزہ دیا ہے اور اس کی مہر ہمارے پاسپورٹ پر موجود ہے۔ اس کے بعد ہمیں عراقی حکام کی کس منظوری کی ضرورت ہے؟''

ہماری بات ختم ہونے سے پہلے ہی وہ افسر اپنے کیبن میں جا چکا تھا۔ تب ایک پاکستانی نے بتایا کہ وہ جو کچھ کہہ گیا ہے، درست ہے۔ آپ وہ کریں جو اس نے کہا ہے۔ اس قطار میں کھڑے ہوئے سب لوگ اس مرحلے سے گزر چکے ہیں آپ کو کس نے کہا تھا کہ آپ پہلے اس قطار میں کھڑے ہوں۔

مرتے کیا نہ کرتے۔ باہر نکلے۔ سخت دھوپ پڑ رہی تھی۔ کوئی سایہ، نہ سائبان، دونوں ملکوں کی سرحدوں کے درمیان جو غیر مملوکہ علاقہ (No Man's Land) تھا اس میں خاردار تاروں کے درمیان ایک ہجوم جمع تھا۔ جن میں برقع پوش عورتیں بھی تھیں اور معصوم بچے۔ کچھ لوگ ایران سے عراق جا رہے تھے اور کچھ ابھی سرحد عبور کر کے آئے تھے۔ ایک دو اہلکار لوگوں کو قطار میں کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہم نے ایک اہلکار کو اپنا مسئلہ بتایا۔ اس نے ایک لڑکے کو آواز دی جو حلیے سے کوئی مزدور دکھائی دیتا تھا، ہمارا پاسپورٹ اسے تھمایا اور اسے کچھ کہا۔ وہ پاسپورٹ لے کر تیزی سے سرحد کی جانب گیا اور پھاٹک کے چھوٹے دروازے سے گزر کر غائب ہوگیا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ ہم ہکا بکا کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ ہمارے پاس پاسپورٹ کی کوئی رسید، نہ کوئی اور ثبوت۔ ہم خاردار تاروں کے درمیان ٹہلتے ٹہلتے پسینے سے شرابور ہوگئے۔ وہ اہلکار بھی غائب ہوگیا تھا۔ کسی اور اہلکار کو بتایا کہ ایسے ایسے ہمارا پاسپورٹ عراقی حکام کے پاس گیا ہے، کب تک آئے گا؟ وہ لاپرواہی سے بولا کہ آ جائے گا، انتظار کریں۔ جب انتظار کر کر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو ہم نے ٹرمپ کارڈ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے ملٹری کارڈ نکالا اور سرحد کے پھاٹک کی طرف

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑھنے لگے۔ وہاں ایک بندوق بردار فوجی کھڑا تھا۔ اس نے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا اور چیخ چیخ کر واپس جانے کو کہا لیکن ہم ہاتھ میں کارڈ تھامے اس کی طرف بڑھتے رہے۔ ہم نے قریب جا کر اپنا تعارف کروایا اور مسئلہ بتایا۔ اس نے غور سے ہمارا کارڈ گھورنا شروع کیا۔ کبھی کارڈ کو دیکھتا تھا، کبھی ہمیں۔ ہم نے پوچھا: ''کیوں تصویر ہم سے نہیں ملتی؟''

بولا: ''ملتی ہے لیکن آپ تصویر کی نسبت نوجوان نظر آتے ہو؟''

''یہ تو اچھی بات ہے لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ ہم بوڑھے ہونے سے پہلے سرحد عبور کر لیں۔''

وہ ہلکے سے مسکرایا جیسے مسکراہٹ پر احسان کر رہا ہو، حالانکہ اس پر تو قہقہہ لگانے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ لگتا تھا کہ بھری دوپہر کی جھلستی دھوپ میں کھڑے کھڑے تھک گیا تھا۔ اس نے ہمیں ایک ''نخلستان'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انتظار کرنے کو کہا اور خود پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔ چھوٹا دروازہ کھول کر اس نے کسی سے بات چیت کی۔ وہ جسے ''نخلستان'' کہہ رہا تھا دو تین درختوں کا جھنڈ تھا جس میں پہلے ہی کافی پناہ گزیں جمع تھے۔ ہمیں بھی پاؤں دھرنے کی جگہ مل گئی۔

رب جانے یہ اس کے ''مذاکرات'' کا نتیجہ تھا یا معمول کے مطابق کارروائی مکمل ہو چکی تھی۔ ایک شخص کافی سارے پاسپورٹ لے کر سرحدی پھاٹک سے نمودار ہوا اور نام پکارتے ہوئے پاسپورٹ لوگوں میں بانٹنے لگا۔ ہم اس کے قریب گئے تو رنگ برنگے پاسپورٹوں میں ہمارا سبز پاسپورٹ الگ ہی نظر آ رہا تھا۔ تسلی ہوئی۔ پاسپورٹ ملتے ہی ہم ایرانی امیگریشن دفاتر کی طرف بھاگے۔ وہاں پھر ایک لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ یہاں اسی شخص سے ملاقات ہوئی جس سے ہم نے قم میں ہمدان جانے والی بسوں کے اڈے کے بارے میں پوچھا تھا اور اس نے بڑی سرد مہری سے جواب دیا تھا کہ ہم خود ہی پریشان ہیں، کسی اور سے پوچھ لو۔ وہ بھی ہمیں پہچان گیا۔ اور خود ہی اپنے رویے پر معذرت کرنے لگا۔ اس نے بتایا کہ وہ شیعہ زائرین کی ایک جماعت لے کر جھنگ سے آیا ہے۔ اس میں اس کے خاندان کے افراد بھی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شامل تھے لیکن قم کے بازاروں میں اس کی بیوی، والدہ اور بہن شاپنگ میں مصروف تھی کہ دو ایرانی لڑکے موٹر سائیکل پر آئے اور اس کی بہن کے ہاتھوں سے پرس چھین کر فرار ہو گئے۔ پرس میں ان تینوں کے پاسپورٹ بھی تھے۔ اب وہ پاسپورٹ کے بغیر سفر تو کر نہیں سکتی تھیں کہ جگہ جگہ اور خاص طور پر عراق میں قدم قدم پر جانچ پڑتال ہوتی ہے تو وہ اپنی بیوی، والدہ اور بہن کو قم ہی میں چھوڑ آیا تھا اور کسی کے ذمے یہ کام لگا کر آیا تھا کہ وہ تہران جا کر پاکستانی سفارت خانے سے ان کے پاسپورٹ بنوائے۔ انتہائی المناک داستان تھی۔ یہ خود اس کارواں کے سالار تھے، حسن شاہ اور پوری قطار انہی کے کارواں پر مشتمل تھی۔ ہم نے اپنا بیگ اس کے حوالے کیا اور بتایا کہ ہم ذرا ٹک شاپ سے کچھ کھا پی آئیں، وہ بیگ کا خیال رکھے۔

ٹک شاپ جانے سے پہلے ہم نے اپنی مالی حالت کا جائزہ لیا۔ ایرانی کرنسی میں ہمارے پاس ساڑھے چار ہزار تو مان بچے تھے، تھکن اور بھوک کا یہ عالم تھا کہ سوچا پوری رقم دکاندار کے حوالے کر دیتے ہیں کہ اس میں جو کچھ ممکن ہے، ہمیں دے دے لیکن پھر سوچا یہ خطیر رقم ہے۔ پینتالیس ہزار ریال۔ جو بچ سکے بچا لیں آگے کام آئے گی کہ عام طور پر سرحدوں کی دونوں جانب دونوں ملکوں کی کرنسی چلتی ہے۔ یہ فیصلہ درست ثابت ہوا۔ ہم نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور راستے کے لیے پھلوں کے جوس لے لیے۔ واپس آئے تو دیکھا زائرین کی پوری قطار غائب تھی اور ہمارا بیگ امیگریشن آفس کی کھڑکی کے قریب پڑا تھا۔ ہم کھڑکی کے قریب گئے اور اپنا پاسپورٹ پیش کیا۔ اس نے پاسپورٹ کا معائنہ کرتے ہوئے پوچھا ''چہ کاری کنی؟'' (کیا کام کرتے ہو؟) بتایا فوج میں ہیں۔ وہ احترام سے پیش آئی اور خروج کی مہر لگا کر پاسپورٹ واپس کرتے ہوئے بولی ''خدا حافظ، خدا نگہدار''

ہم نے پاسپورٹ لیا اور ایک ہال میں آ کر بیٹھ گئے۔ یہ آخری جائے پناہ تھی جو ایئر کنڈیشنڈ تھی، آرام دہ تھی۔ باہر کی حالت زار ہم دیکھ آئے تھے۔ ہم نے کچھ دیر آرام کیا اور پھر اللہ کا نام لے کر باہر نکل آئے۔ اس وقت شام کے ساڑھے چھ بجے تھے۔ قصر شیریں سے روانہ ہو کر عراق کی سرحد میں قدم رکھنے میں پانچ گھنٹے لگ گئے تھے۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عراق میں مرحلہ ہائے سخت جاں

عراقی سرحد میں داخلے کے لیے زائرین کی ایک لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ لیکن گیٹ پر مامور فوجی ہاتھ پکڑ کر ہمیں چھوٹے دروازے پر لے گیا۔ اس نے ہمیں سلیوٹ کیا اور خدانگہدار کہتے ہوئے الوداع کیا۔ ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور عراق میں داخل ہو گئے۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک بیلٹ لگی ہوئی تھی۔ ہم نے اپنا بیگ بیلٹ پر رکھ دیا اور جانچ پڑتال کی مشین کے پار جانے لگے لیکن کچھ غنڈے نما لڑکوں نے ہمیں آگے کی طرف دھکیل دیا۔ آگے خاردار تاروں کے ذریعے تنگ سا راستہ تھا۔ ہم چلتے گئے اور آخری سرے پر پہنچ کر واپس آنے کی کوشش کی تو پھر کچھ لڑکوں نے راستے میں روک لیا اور آگے جانے کو کہا۔ اتنے میں عراقی امیگریشن کا ایک افسر نظر آیا۔ ہم نے اسے انگریزی میں بتایا کہ ہمارا بیگ سکیننگ مشین کے پاس رہ گیا ہے اور یہ لوگ واپس نہیں جانے دیتے اس نے پوچھا: "آپ کے پاس پاسپورٹ ہے؟"

ہم نے دکھایا۔ اس نے پاسپورٹ قبضے میں لیا اور دفاتر کی طرف چل دیا۔ یک نہ شد، دوشد۔ ہم بیگ کے لیے پریشان تھے اور اب پاسپورٹ کے لیے فکرمند۔ وہ ایک کیبن میں گیا، ایک کمپیوٹر کو آن کیا۔ اس پر دو تین دھپے لگائے اور پاسپورٹ کے کوائف درج کر کے، پاسپورٹ پر دخول کی مہر لگا دی۔

واپس آئے تو دیکھا کہ جھنگ سے آنے والے کارواں کی بس، سرحد میں داخل ہو چکی ہے اور کچھ اہلکاروں نے سکیننگ مشین سے اترنے والا سارا سامان بس کی چھت پر منتقل کر دیا تھا۔ ہم بس کے قریب گئے تو کچھ مشٹنڈوں نے ہمیں گھیر لیا کہ نکالو بیس ہزار تومان "کس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

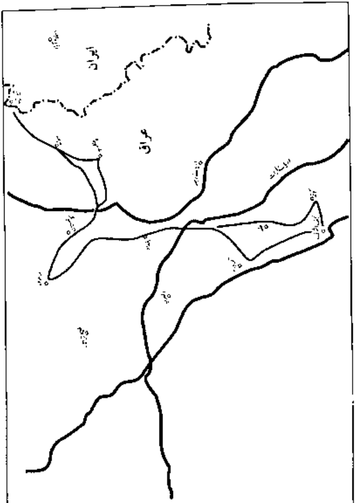

نقشه سفر عراق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

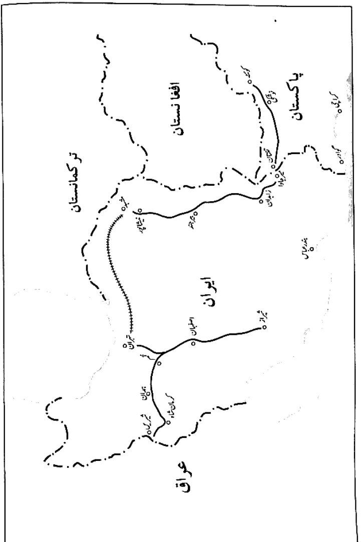

نقشہ سفر ایران

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بات کرے؟"

"یہ ہم نے سامان جو لوڈ کیا ہے بس کی چھت پر۔"

"تو میرا سامان سے کیا تعلق ہے؟"

"تم سالار نہیں ہو؟"

"نہیں۔"

"تو پھر کون ہے؟"

اللہ جانے۔

ہم نے دیکھا کہ سالار دور سیڑھیوں پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔ ہمیں اپنا بیگ بس کی چھت پر نظر آ گیا۔ سوچا چلو بغداد جانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ ایک ٹیکسی نظر آئی۔ ڈرائیور چھت پر مسافروں کا سامان باندھ رہا تھا۔ قریب گئے تو ایک مسافر نے جو ایران میں کسی یونیورسٹی کا طالب علم تھا، بتایا کہ ٹیکسی کے مسافر پورے ہو چکے ہیں۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ یہاں سے بغداد جانے کے لیے کوئی ٹرین، کوئی بس، کوئی بس سروس ہے؟ اس نے بتایا کہ ٹیکسیوں کے علاوہ یہاں کوئی پبلک ٹرانسپورٹ دستیاب نہیں اور ٹیکسیوں والے منہ مانگا کرایہ وصول کرتے ہیں۔ وہ بھی چھ سو ڈالر دے کر نجف جا رہے تھے۔ اس نے مشورہ دیا کہ آپ کسی کارواں سے نتھی ہو جائیں۔

ہم واپس آئے تو دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر کے کسٹم آفیسر نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ وہ پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ بس کی چھت سے سارا سامان اتار کر زمین پر رکھیں۔ میں چیکنگ کیے بغیر ایک انچ آگے نہیں جانے دوں گا۔ کارواں کے لوگ ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ ان کی نظریں سالار پر تھیں کہ وہ اشارہ کرے تو وہ بس میں بیٹھیں۔ ہم سالار کے پاس گئے اور درخواست کی کہ وہ ہمیں بس میں بٹھا لے۔ آگے کہیں جا کر اتار دینا جہاں سے ہمیں کوئی گاڑی وغیرہ مل جائے۔ اس نے بتایا راستے میں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ڈرائیور سے مشورے کے بعد وہ مان گیا۔ سامان چھت سے اتارا گیا اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سامان کی چیکنگ کے بعد زائرین بس میں بیٹھ گئے۔نشستوں کے درمیان ایک سٹول رکھ کر ہمیں وہاں بٹھا دیا گیا۔

۹/۱۱ کے بعد امریکیوں نے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور چاروں طرف تباہی و بربادی کے منظر نظر آتے تھے۔عراق کو تباہ کرنے کے بعد امریکی خدائی ٹھیکیدار بن کر عراق کا انتظام وانصرام سنبھالے ہوئے تھے۔ہم جس بس میں تھے۔ یہ ایک کارواں کا حصہ تھی جو چار بسوں اور ایک ٹیکسی پر مشتمل تھا۔امریکی فوجی اپنی جیپوں میں اسے اپنے حصار میں لے کر چل رہے تھے۔اب ہوا یوں کہ سفر کے شروع ہی میں ہر شخص پیاس سے بلبلا رہا تھا لیکن سرحدی چوکی پر کہیں سے پانی دستیاب نہیں تھا۔امریکی فوجی ہر گھنٹے کے بعد رکتے تھے۔ پندرہ منٹ کے وقفے میں کچھ کھاتے پیتے تھے اور پھر چل پڑتے تھے۔ جہاں ان کی گھڑیوں کے مطابق ایک گھنٹہ پورا ہوتا، وہ رک جاتے۔انہیں اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ دائیں بائیں کوئی بازار ہے یا نہیں جہاں سے بسوں کے مسافر بھی اشیاء خور دونوش خرید سکیں۔ان کے تیسرے سٹاپ پر ہمیں سڑک کے کنارے کچھ دکانیں نظر آئیں۔ہم لپکے اور بس سے اتر کر ایک دکان پر جا پہنچے۔ہم نے جوس کے چار ڈبے لیے۔ایک وہیں کھڑے کھڑے پی لیا۔دو ڈرائیور اور کنڈکٹر کو دیئے اور چوتھا خود نوش فرمالیا۔جان میں جان آئی۔

آدھی رات کے قریب ہم بغداد پہنچے۔ وہاں سے امریکی فوجی رخصت ہو گئے۔اب چارج، ڈرائیور غلام نقی نے سنبھال لیا۔ ہر کلو میٹر پر حفاظتی چوکیاں تھیں۔کوئی افسر چیکنگ کے لیے بس میں سوار ہوتا۔ ڈرائیور کو تھوڑی بہت عربی آتی تھی۔ وہ بتاتا کہ پاکستان کے زائرین ہیں، کاظمین جا رہے ہیں۔ اکثر نے اس وضاحت کو کافی سمجھا، ایک آدھ نے دستاویزات دیکھنے پر اصرار کیا تو انہیں پاسپورٹ تھما دیئے گئے۔ وہ بندے گنتے، پاسپورٹ گنتے اور جانے کی اجازت دے دیتے۔ سات گھنٹے کے سفر کے بعد ہم صبح ڈھائی بجے کاظمین پہنچ گئے۔ سالار نے بس پارنگ ایریا میں کھڑی کی اور زائرین کو بتایا کہ کسی ہوٹل میں جانے کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ آپ لوگ کاظمین کی زیارت کر آئیں، ناشتہ کر لیں۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورج طلوع ہوگا تو آگے چلیں گے۔

کاظمین میں شیعہ حضرات کے ساتویں امام، امام موسیٰ الکاظم اور نویں امام، محمد تقی الجواد کے روضے ہیں۔ کاظمین دریائے دجلہ کے مغرب میں واقع ہے جب کہ دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر اعظمیہ واقع ہے۔ یہاں امام ابوحنیفہ کا مزار ہے اور سنی مسلمانوں کی اکثریت ہے جب کہ کاظمین میں شیعہ حضرات اکثریت میں ہیں۔ دونوں کے درمیان فسادات بھی ہوئے۔ کوئی سنی رہنما قتل ہوا تو ردعمل کے طور پر انہوں نے کاظمین کے روضے جلا دیئے۔ دونوں اماموں کا انتقال آٹھویں صدی کے شروع میں ہوا تھا۔ وہ یہاں دفن ہوئے لیکن روضوں کی شان وشوکت سولہویں صدی کے بعد بڑھنی شروع ہوئی جب حکمرانوں نے روضوں پر سونے کا کام کروایا۔ آج کل کاظمین کے چار مینار دور سے نظر آتے ہیں۔ روضے کے دروازے بند تھے اس لیے ہم نے بازار کا رخ کیا۔ رات کا پچھلا پہر ہونے کے باوجود دکانیں کھلی تھیں۔ ہم نے چکن اور ڈبل روٹی کا ناشتہ کیا۔ فجر کی نماز کاظمین میں پڑھی اور پارکنگ میں واپس آ گئے۔ زائرین سڑک پر چادریں بچھائے محو استراحت تھے۔ ہم بھی اپنے چھوٹے بیگ کا سرہانہ بنا کر ایک کونے میں لیٹ گئے۔

دن چڑھے ہم سامراء کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ شہر، عباسی خلیفہ معتصم باللہ نے دریائے دجلہ کے کناروں پر ۸۳۶ء میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ اتنا خوبصورت تھا کہ لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے سُرَّ مَنْ رَأى (جس نے دیکھا وہ خوش ہوگیا) پھر اس کا نام سامراء ہی پڑ گیا۔ یہاں شیعہ حضرات کے دسویں امام علی الہادی اور حسن عسکری دفن ہیں۔ یہیں ایک مینار بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام الغیب آخری بار یہیں دیکھے گئے تھے۔ سامراء بغداد کے شمال میں تقریباً اسی کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اردگرد سنی مسلمانوں کی اکثریت ہے اس لیے جب کشیدگی بڑھتی ہے تو شیعہ زائرین کی یہاں آمد ورفت بند ہو جاتی ہے۔

سامراء سے ہمیں کربلا جانا تھا جو بغداد کے جنوب مغرب میں ایک سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ راستے میں میسیب سے گزرے جہاں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قاسم اکبر کی زیارت ہے۔ وہ جنگ نروان میں شہید ہوئے تھے۔ قریب ہی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کی زیارات بھی ہیں۔

کربلا پہنچے تو سالار دو تین آدمیوں کے ساتھ ہوٹل کی تلاش میں نکل گئے۔ واپس آ کر انہوں نے خوشخبری سنائی کہ حرم کے قریب ہی ایک ہوٹل مل گیا ہے لیکن وہ پارکنگ سے دو کلومیٹر دور تھا۔ بجائے ٹیکسیاں کرنے کے اس نے تمام زائرین سے کہا کہ اپنا اپنا سامان اٹھائیں اور پیدل چلیں۔ زائرین میں بوڑھے بھی تھے اور ایسی خواتین بھی جن کی گود میں معصوم بچے تھے۔ چونکہ آمد ورفت اور قیام کی ذمہ داری سالار پر تھی، وہ ہر جگہ پیسے بچانے کی کوشش کرتا تھا۔ لوگ لشتم پشتم ہوٹل پہنچے جو آثار قدیمہ کی عمارت نظر آتی تھی لیکن چونکہ کرایہ کم تھا، ۳۰۰۰ عراقی دینار فی کس، سالار نے اسی کا انتخاب کیا۔ ائیر کنڈیشن ٹھیک کام نہیں کر رہے تھے لیکن گزارا کرنا پڑا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا روضہ تو تقریباً اسی جگہ ہے جہاں وہ ۶۱ ہجری میں شہید ہوئے تھے لیکن سالار حضرات باقی صحابہ کی تفصیلات بھی ایسے بیان کرتے ہیں جیسے انہوں نے پورا واقعہ بچشم خود دیکھا ہو۔ ۷ محرم الحرام کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا گیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو ساقی العطاشا کربلا کے لقب سے مشہور ہیں، اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مشک لے کر ایک نہر کی طرف روانہ ہوئے جو میدان کربلا سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہے۔ راستے میں ان پر حملہ ہوا اور ان کا ایک بازو کٹ گیا۔ جہاں ان کا بازو گرا تھا وہاں بھی ایک چھوٹی سی زیارت بنی ہوئی ہے اور تھوڑی دور ایک دوسری زیارت ہے جہاں ان کا دوسرا بازو کٹ گیا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضے کے ساتھ ہی ان کا روضہ بھی ہے۔ کچھ فاصلے پر طلہ زینب ہے جو اصل میں چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ یہاں سے حضرت زینب جنگ کا سارا منظر دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے شمر الجوشن کو یاد دلایا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کے ساتھ جنگ کر رہے تھے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے۔ طلہ زینب کے قریب ہی بنی ہاشم کے خیمے تھے۔ قریب ہی حبیب ابن مظاہر کی زیارت ہے۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کربلا میں قیام کا دوسرا دن ہم نے حضرت امام حسین اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے روضوں پر حاضری میں گزارا اور اردگرد کی زیارات دیکھیں۔ وہ نہر بھی دیکھی جہاں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ پانی لینے جا رہے تھے۔ زائرین کا یہاں تین چار دن رکنے کا پروگرام تھا۔ ہم نے سوچا اس دوران ہم عراق کے شمال میں واقع نینوا کے دارالحکومت موصل ہو آتے ہیں۔

نینوا کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف کے دوران ملتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اہل مکہ نے بہت ستایا اور مان کر نہ دیئے تو آپ نے طائف کا سفر اختیار کیا تھا کہ شاید وہاں کے لوگ دین اسلام قبول کر لیں۔ اہل طائف نے جب پتھر مار مار کر آپ کو زخمی کر دیا تھا اور آپ کی ایڑیوں تک سے خون بہہ رہا تھا تو آپ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ دو قریشی سرداروں عتبہ اور شیبہ کی ملکیت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی دیکھ کر ان کی حمیت جاگی اور انہوں نے اپنے ایک خادم عداس کو کہا کہ وہ حضور کو انگور دے آئے۔ وہ ایک طباق میں انگوروں کا ایک بڑا سا خوشہ رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشے سے ایک انگور توڑا اور رازقِ دو جہاں کو یاد کیا:

بسم الله الرحمن الرحيم .

یہ سن کر عداس سراپا حیرت بن گیا، بولا "خدا کی قسم اس ملک میں تو کوئی یہ کلمہ کہنے والا نہیں ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟"

عداس بولا: "میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا رہنے والا ہوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "مردِ صالح یونس بن متی کی بستی کے رہنے والے ہو؟"

عداس کی حیرت فزوں تر ہوگئی۔ اس نے تعجب کے لہجے میں کہا: "خدا کی قسم! میں نے جب نینویٰ چھوڑا تھا تو اس وقت وہاں دس آدمی بھی یہ جاننے والے نہیں تھے کہ یونس بن متی کون ہیں؟ آپ انہیں کیسے جانتے ہیں؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ میرے بھائی تھے۔ میں بھی نبی ہوں، وہ بھی نبی تھے۔"

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ سنتے ہی عداس جھکا اور فرط عقیدت سے آپ ﷺ کے ہاتھوں، سر اور پاؤں کو چومنے لگا اور کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

تو ہم موصل جانا چاہتے تھے۔

وہاں حضرت یونس علیہ السلام کا مزار بھی ہے اور مشہور اسلامی سپہ سالار نور الدین زنگی بھی یہاں حکمران رہے۔

نور الدین زنگی کے بارے میں یوں مذکور ہے کہ اسے خواب میں رسول خدا کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے اسے کہا کہ میرے روضے کی خبر لو۔ وہ پہلے تو کچھ نہ سمجھا لیکن مسلسل تین دن اس نے خواب دیکھا۔ اسے ان آدمیوں کی شکلیں بھی دکھائی گئیں جو روضہ مبارک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ مدینہ پہنچا اور وہاں قیام کے دوران ہر آنے جانے والے کو غور سے دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے سارے شہر والوں کو دعوت پر بلایا اس نے ہر آنے والے کو غور سے دیکھا لیکن وہ شکلیں نظر نہ آئیں جو اسے خواب میں دکھائی گئی تھیں۔ اس نے پوچھا کہ کوئی ایسا بھی ہے جو دعوت میں آنے سے رہ گیا ہو۔ بتایا گیا کہ ہاں دو آدمی ہیں جو روضہ رسول کے قریب ایک سادہ سے مکان میں رہتے ہیں۔ بڑے عبادت گزار ہیں۔ سارا سارا دن عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ کسی سے ملتے جلتے نہیں۔ حکم ہوا انہیں بھی بلاؤ۔ جب دیکھا تو پہچان لیا کہ وہی آدمی تھے جو خواب میں دیکھے تھے۔ مکان کی تلاشی لی گئی تو پتہ چلا کہ وہ روضہ رسول کی جانب ایک سرنگ کھود رہے تھے اور روضہ رسول تک پہنچ گئے تھے۔ پوچھ گچھ پر انہوں نے اقرار کیا کہ وہ عیسائی تھے۔ اور اپنی قوم کی طرف سے جسم اقدس کو چرانے پر مامور کیے گئے تھے۔ ان کی گردنیں اڑا دی گئیں۔

نور الدین زنگی خود سرنگ میں اترا اور روضہ رسول تک پہنچا۔ آپ ﷺ کے پائے مبارک نظر آ رہے تھے۔ اس نے غمناک آنکھوں سے بوسہ دیا اور پھر چاروں طرف خندق کھدوا کر اس میں پگھلا ہوا سیسہ بھروا دیا۔ زندگی بھر وہ اس بات پر شکر ادا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس خدمت کے لیے چنا۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نور الدین زنگی شام کا حکمران تھا۔ ان دنوں نینوا شام ہی کا حصہ تھا۔ آج کل یہ عراق کا شمالی صوبہ ہے اور موصل اس کا دارالحکومت۔ ہم نے ہوٹل والوں سے اپنا پاسپورٹ لے لیا اور بتایا کہ ہم ایک دو دنوں کے لیے موصل جا رہے ہیں۔ شاید دوسرے ملکوں میں بھی ایسا ہوتا ہو لیکن عراق میں ان دنوں اس بات کا خاص اہتمام تھا کہ کسی بھی ہوٹل میں کوئی مسافر ٹھہرتا یا رخصت ہوتا تو وہ پولیس کو اس کی اطلاع کرتے تھے۔ ہماری آمد زائرین کے ایک گروپ کے ساتھ ہوئی تھی جس میں پچاس افراد شامل تھے اس کی اطلاع پولیس کو دی گئی تو انہوں نے اسے معمول کے مطابق جانا لیکن جب ہم نے اپنا پاسپورٹ لیا اور بتایا کہ ہم موصل جا رہے ہیں تو پولیس حکام چونکے۔ شام کو ایک پولیس اہلکار آیا اور اس نے پاسپورٹ مانگا۔ ہوٹل والوں نے مجھے بلا کر کہا کہ پاسپورٹ اسے دے دیں۔ دے دیا۔ دو گھنٹے کے بعد وہ پھر آیا اور بولا کہ میرے ساتھ چلیں۔ میں نے ہوٹل والوں سے پوچھا بھی کہ کیا معاملہ ہے لیکن انہوں نے کہا کہ فکر نہ کریں، معمول کی کارروائی ہے۔ آپ اس کے ساتھ چلے جائیں۔ سادہ کپڑوں میں ملبوس ہم اس اہلکار کے ساتھ باہر آئے تو ایک بھاری بھرکم موٹر سائیکل کھڑا تھا۔ اس نے موٹر سائیکل سٹارٹ کیا اور ہمیں بیٹھنے کو کہا۔ ہم بیٹھ گئے تو اس نے مڑ کر ہمارا دایاں ہاتھ پکڑا اور نیچے کی طرف جھکا۔ ہم سمجھے کہ یہ پیڈل کی طرف اشارہ کر رہا ہے جہاں پاؤں رکھتے ہیں۔ لیکن پھر چشم زدن میں جو کچھ ہوا، اس نے ہماری سٹی گم کر دی۔ مڈگارڈ کے ساتھ ایک ہتھکڑی لٹک رہی تھی۔ اس نے وہ ہتھکڑی ہماری کلائی پر رکھی اور ایک کلک سے اسے لاک کر دیا۔ ہم پوچھتے ہی رہ گئے کہ یہ کیا کر رہے ہو، کیوں کر رہے ہو، لیکن وہ روانہ ہو چکا تھا۔ ہم خاموش ہو گئے کہ دیکھیں یہ ہمیں کہاں لے جاتا ہے۔ مختلف چوکیوں سے گزرتے ہوئے وہ پولیس ہیڈکوارٹر پہنچا۔ ہماری ہتھکڑی کھولی اور ہمیں ایک افسر کے پاس لے گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ افسر کچھ کہتا، ہم پھٹ پڑے اور پوچھا ''کیا ہمارا پاسپورٹ جعلی ہے۔ ایران اور عراق کی سرحدی چوکیوں پر یہ چیک ہو چکا ہے اور انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''کیا اس پر لگا ہوا ویزہ جعلی ہے؟''

''کیا ہم آپ کے ملک میں غیر قانونی طور پر داخل ہوئے ہیں؟''

''کیا ہم نے عراق کے کسی قانون کی خلاف ورزی کی ہے؟''

اگر ان باتوں میں کوئی بھی بات درست نہیں ہے تو ہمیں ہتھکڑی کیوں پہنائی گئی؟ ہم اسے اپنی توہین سمجھتے ہیں اور اس پر احتجاج کریں گے۔ پریس میں بھی اور دیگر پلیٹ فارمز پر بھی۔

یہ سب باتیں ہم نے انگریزی میں کہیں۔ پھر پوچھا:

هل تعرف لغة الا نجليزية؟

''کیا تم انگریزی زبان سمجھتے ہو؟''

اس نے اوپر سے نیچے کی طرف سر ہلایا جس کا مطلب تھا، نہیں۔ تب ہم نے یہی تقریر عربی میں کی۔ عرب ملکوں میں لوگ انگریزی سے زیادہ مرعوب ہوتے ہیں۔ ہم نے تو انگریزی اور عربی میں تقریر فرمائی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ہمیں بیٹھنے کو کہا۔ پھر بولا

''آپ موصل جا رہے تھے؟''

''ہاں! جا رہے تھے۔ کیا حرج ہے اس میں؟'' ہم نے غصے سے پوچھا۔

تب اس نے نرمی سے بتایا کہ دراصل موصل القاعدہ کا گڑھ ہے۔ وہاں پولیس اور فوج بھی جاتی ہے تو سکیورٹی کا بڑا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان یا افغانستان سے کوئی آئے اور موصل جانا چاہے تو ہمیں تشویش ہوتی ہے کہ یہ کہیں اسامہ بن لادن کا ساتھی تو نہیں۔

''اچھا! تو اسامہ بن لادن یہاں ہے موصل میں؟ آپ لوگوں نے اس کی اطلاع امریکیوں کو نہیں دی؟ انہوں نے اس کی تلاش میں افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، آپ لوگ خاموشی سے ایک اسلامی ملک تباہ ہوتے دیکھتے رہے۔''

نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ اسامہ بن لادن موصل میں ہے۔ میرا مطلب تھا کہ موصل میں القاعدہ بڑی منظم ہے۔ لیکن مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کو ان تفصیلات کا علم نہیں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور آپ اپنی طرف سے معمول کے مطابق وہاں جا رہے تھے۔

ہم نے اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ نینوا میں حضرت یونس بن متی کا مزار ہے نا اور یہی وہ جگہ ہے جہاں نورالدین زنگی حکمران تھا۔

اس نے بتایا کہ ہماری طرف سے آپ کو گرفتار کرنے کی ہدایات نہیں تھیں۔صرف پوچھ گچھ کے لیے آپ کو بلا کر لانے کو کہا تھا۔یہ ہتھکڑی کا استعمال اس نے اپنی صوابدید پر کیا ہے جس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔

''لیکن اس صوابدید پر آپ اسے ڈانٹ تو پلائیں کہ اس کی حرکت سے ہمارے احساسات سخت مجروح ہوئے ہیں۔''

اس نے ہمیں، چائے پلائی اور کہا کہ آپ جا سکتے ہیں۔ہم نے پاسپورٹ مانگا تو اس نے کہا کہ پاسپورٹ آپ کو صبح ملے گا۔آپ دس بجے کے قریب آ جائیں۔پھر اس نے اسی اہلکار کو طلب کیا۔ہلکی پھلکی ڈانٹ پلائی اور کہا کہ جاؤ انہیں ان کے ہوٹل چھوڑ آ ؤ۔ہم نے کہا بھی کہ ہم اس بدتمیز کے ساتھ جانا پسند نہیں کریں گے۔چلیں جائیں گے خود ہی لیکن اس نے کہا کہ رات کا پچھلا پہر ہے، کوئی ٹیکسی وغیرہ بھی نہیں ملے گی اور امن وامان کی صورت حال بھی ایسی نہیں کہ آپ اکیلے باہر نکلیں۔وہ اہلکار ہمیں ہوٹل چھوڑ آیا۔سب لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔کسی کو کچھ خبر نہ تھی کہ ہم پر کیا گزری۔صرف بس کا ڈرائیور جاگ رہا تھا جو دوسرے زائرین کو کہیں چھوڑ کر واپس آیا تھا۔ہمیں اس بات پر تشویش تھی کہ پولیس آفیسر نے ہمارا پاسپورٹ واپس کیوں نہیں کیا۔صبح کیوں بلایا ہے؟ کیا وہ امریکیوں سے مشورہ کرے گا۔صبح کہیں مزید پوچھ گچھ کے لیے امریکیوں کے حوالے نہ کر دے۔یہ خود تو حضرت یونس علیہ السلام یا نورالدین زنگی کے بارے میں جانتا تھا، امریکیوں کو کیا پتہ کہ یہ کون لوگ تھے۔وہ کہیں ہمیں غائب نہ کر دیں۔سوچا کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے کہ اپنے ملک میں تو لوگوں کو پتہ چلے کہ ہم آخری بار کہاں دیکھے گئے اور کہاں پائے گئے تا کہ کوئی گڑبڑ ہو تو انہیں کوئی سرا تو ہاتھ آ سکے۔ہمارے ساتھی زائرین میں زیادہ تر دیہاتی تھے، سادہ لوح، ان سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی خیر کی توقع عبث تھی۔

ہم نے غلام نقی کے فون سے کراچی کے ایک چینل میں اعظم گوندل سے بات کی۔ وہ نیوز ایڈیٹر تھے۔ پہلی کوشش ہی میں ان کا فون مل گیا۔ ہم نے انہیں پوری بات بتائی اور کہا کہ وہ ٹی وی پر یہ خبر چلا دیں کہ ہمیں اسامہ بن لادن کے ساتھی ہونے کے شبے میں گرفتار کیا گیا ہے۔

انہوں نے خبر بنائی اور اپنے سنیئر، فاروق عادل کو دی تو انہوں نے اعتراض اٹھایا کہ یہ اگر گرفتار ہیں تو آپ سے فون پر بات کیسے کی۔ انہوں نے ہمیں دوبارہ فون کیا اور تصدیق چاہی۔ ہم نے تصدیق کی کہ انہوں نے گرفتار تو کیا ہے، آپ خبر چلا دیں تاکہ بات ریکارڈ پر آ جائے۔ انہوں نے خبر چلا دی۔ دوسرے چینلوں نے بھی یہ خبر اٹھا لی اور وہ خبر پٹی کی شکل میں کئی چینلوں پر چلتی رہی۔ صبح کے کچھ اخبارات میں بھی شائع ہوگئی۔

ہماری تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ اللہ جانے انہیں کن ذرائع سے پتہ چلا لیکن جب ہم دوسرے دن پولیس ہیڈکوارٹر گئے اور پولیس چیف سے ملاقات ہوئی تو اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ اسے یہ بات پتہ چل چکی ہے کہ پاکستان میں ٹی وی کے چینلوں اور اخبارات میں ہماری گرفتاری کی خبریں چل رہی ہیں۔ اس نے گفتگو کا آغاز ہی اس طرح کیا "آپ اپنے ملک کے کوئی اہم آدمی ہیں۔"

"ہاں! وہ تو ہم ہیں۔"

وہ ہنسنے لگا اور سلیوٹ کرتے ہوئے بولا، ہم بھی آپ کا احترام کرتے ہیں۔ بس ایک غلط فہمی ہوگئی تھی لیکن اب ہر بات واضح ہوگئی۔ میں آپ سے ناروا سلوک پر معذرت خواہ ہوں۔ یہ رہا آپ کا پاسپورٹ۔ آپ جا سکتے ہیں۔

"کہاں جا سکتا ہوں، موصل یا ہوٹل؟"

وہ مسکرایا اور بولا کہ آپ پر واضح تو کر دیا گیا ہے کہ موصل میں امن وامان کی صورت حال ٹھیک نہیں ہے۔ میرا برادرانہ مشورہ ہے کہ آپ موصل نہ جائیں۔"

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''یہ برادرانہ مشورہ ہے یا حکم؟''

وہ مسکرایا اور بولا: ''آپ یہ مشورہ مان لیں۔ نہ ماننے کی گنجائش نہیں ہے۔''

یوں ہمیں موصل جانے کا پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔

ٹی وی پر خبر چلواتے ہوئے جو بات ہمارے ذہن میں نہیں آئی وہ یہ تھی کہ گھر والوں کو اس خبر کا پتہ چلے گا تو ان پر کیا گزرے گی۔ ظاہر ہے انہوں نے بھی یہ خبر دیکھی اور پریشان ہوگئے۔ بڑا بیٹا سعد تو ملک سے باہر تھا۔ میجر کاشف اور کیپٹن صمد کو تشویش ہوئی۔ انہوں نے متعلقہ چینل سے رابطہ کیا اور پوچھا کہ یہ خبر انہیں کہاں سے ملی ہے۔ رات کی شفٹ کے لوگ جا چکے تھے۔ دن کی شفٹ والوں کو کوئی خبر نہ تھی۔ انہوں نے اسلام آباد میں ہیڈکوارٹر سے رابطہ کرنے کو کہا۔ انہوں نے کہا کہ خبر کراچی سے آئی تھی، وہی کچھ بتا سکیں گے۔ غرض وہ غلام تقی کا فون نمبر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ صمد نے غلام تقی کو فون کیا تو وہ کچھ اور زائرین کو لے کر نجف گیا ہوا تھا۔ اس نے تسلی دی کہ اشفاق صاحب بالکل خیریت سے ہیں اور ہوٹل میں موجود ہیں لیکن صمد نے اصرار کیا کہ وہ واپسی پر مجھ سے بات ضرور کروائیں۔ شام کو ہماری بات ہوئی۔ ہم نے ساری تفصیلات بتائیں اور تسلی دی کہ وہ فکر نہ کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش:

کربلا سے ہمیں نجف جانا تھا جو بغداد کے جنوب میں ۱۶۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ راستے میں ڈسٹرکٹ بابل آتا تھا جہاں سے دائیں طرف کو ایک سڑک نکلتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش کی طرف جاتی ہے۔ یہ معلومات ہم نے نقشے سے حاصل کی تھیں۔ ہم نے زائرین کو یہ بات بتائی اور انہیں قائل کیا کہ ہمیں وہاں ضرور جانا چاہیے۔ انہوں نے ڈرائیور غلام تقی سے بات کی۔ وہ مان تو گیا لیکن اسے پتہ چل گیا کہ یہ ''شرارت'' ہماری ہے۔ اس وقت تو وہ چپ رہا لیکن بعد میں وہ ہم سے چھٹکارا پانے کی فکر میں رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش پر ایک مسجد ہے جس کی پیشانی پر مولد نبی ابراہیم علیہ السلام لکھا ہوا ہے۔ مسجد کے اندر سے نیچے کو ایک زینہ اترتا ہے جو عین اس جگہ لے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ وہاں ایک جالی لگی ہوئی ہے جس کے اندر ایک ہموار پتھر رکھا ہوا ہے۔ مسجد کے مجاور نے بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد آیا نے انہیں نہلا دھلا کر اسی پتھر پر لٹایا تھا۔ یہ ایک سادہ سی مسجد ہے جس پر سفیدی ہو رہی تھی۔ ایسا کوئی تزک و احتشام نہیں تھا جو عراق میں زیارات پر نظر آتا ہے۔ زائرین کے پروگرام میں یہاں آنا شامل نہیں تھا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ابوالانبیاء ہیں۔ ہر نماز کے درود میں بھی ان کا ذکر ہوتا ہے۔

مسجد سے تھوڑی دور نمرود کے قلعے کے آثار ہیں اور وہ جگہ بھی جہاں سے حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکا گیا تھا۔ ایک دکاندار نے بتایا کہ نمرود نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ آگ کا الاؤ دہکانے کے لیے ایندھن فراہم کریں۔ چھ مہینے تک یہ ایندھن جمع کیا جاتا رہا۔ پھر جب آگ جلائی گئی تو اس کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ کوئی اس کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ نمرود کے قلعے کے قریب ایک پہاڑی پر غلیل نما دو ستون بنائے اور وہاں سے ایک منجنیق کے ذریعے آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا۔

ایک روایت ہے کہ جب آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جانے لگا تو عرش پر فرشتے تھرا اٹھے۔ جو مقربین فرشتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور کہا کہ تیرے پیارے ابراہیم علیہ السلام کو لوگ آگ میں ڈالنے لگے ہیں۔ ہم ان کی مدد نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ، اس سے پوچھ لو، اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہو تو ضرور مدد کرنا۔ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور پوچھا کہ ہم آپ کی مدد کریں۔ پوچھا کہ خود آئے ہو یا اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ بولے ہم خود آئے ہیں۔ فرمایا واپس چلے جاؤ، مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ میرے حال سے واقف ہے۔ آپ کو آگ میں پھینکا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا:

"یا نار کونی بردا وسلاما"

"اے آگ ٹھنڈی ہو جا، سلامتی والی ٹھنڈی۔"

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک اور روایت یہ ہے کہ نمرود کی بیٹی بھی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سلامت پایا تو پکار اٹھی کہ میں ابراہیم کے رب پر ایمان لائی۔ اسے بھی آگ میں پھینک دیا گیا، وہ بھی زندہ سلامت رہی۔

مولد نبی علیہ السلام ابراہیم پر لنگر تیار ہو رہا تھا۔ دنبے کے گوشت میں پلاؤ کا اہتمام تھا۔ مجاورین نے اصرار کیا کہ آپ لوگ رک جائیں، کھانا کھا کر جانا، انہیں رکنے میں کیا قباحت تھی۔ وہ بڑے شوق سے رک گئے اور کھانا کھا کر ہی چلے۔

راستے میں مدینۃ الکفل میں رکے۔ یہاں ایک مسجد اور مزار ہے۔ یہ مزار حضرت ذوالکفل سے منسوب ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک نبی تھے۔ وہاں موجود کچھ قبروں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت ذوالکفل کے صحابہ تھے۔ ان کے نام بھی درج ہیں حضرت باروخ، یوسف، ربان، یوحنا الدملجی اور حضرت یوشع۔

یہاں نبی اللہ حضرت حزقیال علیہ السلام کا مدفن بھی بتایا جاتا ہے۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جسے مقام خضر علیہ السلام کہا جاتا ہے۔ مسجد کا نام النخیلہ ہے۔ اس کے اردگرد کھجوروں کے درختوں کی وجہ سے شاید یہ نام دیا گیا ہو۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے لیے نکلے تھے تو اس مسجد میں آپ نے نماز پڑھی تھی۔ اسی طرح خوارج کے خلاف جنگ نہروان کے موقع پر بھی آپ یہاں سے گزرے تھے۔

مدینۃ ذوالکفل سے نجف پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ قریب ہی ایک قبرستان ہے جسے دنیا کا سب سے بڑا قبرستان بتایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں ستر ہزار انبیاء دفن ہیں۔ قبرستان کو وادی سلام کہتے ہیں۔ زائرین کا یہاں رک کر فاتحہ پڑھنے کا ارادہ تھا لیکن ڈرائیور کو جلدی تھی وہ وہاں نہیں رکا اور نجف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روضے کے باہر اس نے بس پارک کر دی۔ سالار ایک ہوٹل تلاش کر کے آیا اور اس نے حکم سنایا کہ بس کی چھت سے سامان اتارنے کی ضرورت نہیں۔ ایک رات کی تو بات ہے، صبح ہم نے روانہ ہو جانا ہے، ایسے ہی گزارا کریں۔

ہم چونکہ دانتوں کا برش اور ٹوتھ پیسٹ اپنے چھوٹے بیگ میں ساتھ رکھتے تھے، ہمیں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

حسب معمول سالار نے جو ہوٹل تلاش کیا وہ سستا تھا، جس میں سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ایک ایک کمرے میں چار، چار، پانچ، پانچ زائرین ٹھہرائے گئے۔ سالار، نائب سالار اور ہمارے لیے کوئی جگہ نہ بچی۔ ہوٹل والے نے ۵۰ زائرین کے تیس ہزار عراقی دینار طلب کیے اور یہ بھی کہا کہ سب لوگوں کے پاسپورٹوں کی رنگین فوٹو کاپی مہیا کی جائے۔ ۲۵ ہزار کا یہ خرچہ تھا۔ سالار نے ہم سے ۳۰ ہزار دینار لے کر ہوٹل والے کو دیے۔ ہم نے نائب سالار شکیل کو ساتھ لیا اور باہر نکل گئے۔ پہلے کھانا کھایا اور پھر روضے پر حاضری دی۔

روضے کی تاریخ بھی اسرار میں لپٹی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلانہ حملے سے جاں بحق ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ کی میت ایک اونٹ پر رکھ کر اسے صحرا کی طرف ہنکا دیا گیا۔ وہ اونٹ نجف میں آ کر ٹھہرا اور لوگوں نے آپ کی میت وہیں دفن کر دی۔ کافی عرصے تک یہ بات اردگرد کے لوگوں کے سینوں میں دفن رہی۔ خدشہ اس بات کا تھا کہ اموی عباسی خلفاء کو پتہ چلا تو وہ کہیں آپ رضی اللہ عنہ کی میت کی بے حرمتی نہ کریں۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید ایک بار ہرنوں کے شکار پر نکلا ہوا تھا۔ ہرن آپ رضی اللہ عنہ کی قبر کے قریب آ کر دبک گئے۔ ہارون الرشید کے کتے وہاں پہنچے تو دور ہی رک گئے۔ ہارون الرشید کو تعجب ہوا۔ اس نے اردگرد کے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے۔ کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔ اس نے وہاں ایک چبوترہ تعمیر کروایا۔ بعد میں آنے والوں نے اس میں مزید اضافے کیے، خاص طور پر بوہری فرقے کے رہنما سید برہان الدین نے۔ آج یہ ایک باوقار اور شاندار روضہ ہے۔

افغانستان کے شمال میں ایک شہر ہے، مزار شریف۔ یہ بھی ایک روضے کے نام پر ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے۔ یہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ کوفے سے جب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جسم مبارک اونٹ پر رکھ کر اسے صحرا کی طرف ہنکا دیا تھا تو وہ یہاں آ کر رکا تھا اور یہ مزار حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رات کا کچھ حصہ ہم نے حرم میں گزارا، کچھ ہوٹل کے برآمدوں میں کہ کمروں میں کوئی جگہ نہ تھی۔ ڈرائیور غلام نقی صبح سویرے آدھمکا اور اس نے شور مچا مچا کر لوگوں کو اٹھایا۔

مسجد کوفہ، نجف سے زیادہ دور نہیں تھی۔ راستے میں ہمیں کچھ زائرین نے بتایا کہ ڈرائیور آپ کے خلاف باتیں بنا رہا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ یہ آئی ایس آئی کا ایجنٹ ہے، کبھی کہتا ہے کہ حکومت کا جاسوس ہے۔ کوفے پہنچ کر اس نے صاف لفظوں میں کہا کہ آپ بس کو چھوڑ دیں اور اپنا بندوبست خود کریں۔ ہمارے عراق میں قیام کے دن ویسے بھی پورے ہو چکے تھے۔ بس ایک دن باقی تھا، اس کے بعد ہم نے ترکی کے لیے روانہ ہو جانا تھا۔ ہم نے نائب سالار شکیل کو یاد دلایا کہ نجف اشرف میں جو ہوٹل والے کو ادائیگی کی گئی تھی وہ ہمیں واپس کی جائے۔ اس نے دو ہزار ہمیں ادا کیے اور وعدہ کیا کہ باقی وہ پاکستان میں آ کر ادا کر دیں گے۔ سات ہزار دینار شکیل کے ذمے تھے جو کربلا میں خریداری کے وقت ہم نے ادا کیے تھے۔ یہ ساری رقم آج تک ان حضرات کے ذمے واجب الادا ہے جن کا کوئی پتہ ہمارے پاس ہے نہ رابطے کا کوئی اور ذریعہ۔ بہرحال ہم نے بتا دیا کہ مسجد کوفہ دیکھ کر ہم بس چھوڑ دیں گے۔

شہر کوفہ ۱۷ہجری میں آباد کیا گیا تھا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو عراق کی فتح کے لیے بھیجا تھا۔ جنگ قادسیہ کے بعد اسلامی فوج میں مختلف نسلوں اور قبیلوں کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ابتدائی طور پر تو ان کے کیمپ دریائے فرات کے کنارے قائم کیے گئے تھے لیکن جیسا کہ معمول ہے جہاں فوج قیام کرتی ہے اس کے اردگرد شہری بستیاں بھی بسنے لگتی ہیں کہ انہیں خرید و فروخت کے لیے اچھی بھلی منڈی مل جاتی ہے تو یوں کوفہ بھی بسنا شروع ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۳۶ ہجری میں اسے دارالخلافہ کا درجہ دیا اور مدینے سے یہاں منتقل ہو گئے کہ فتوحات کی وجہ سے اسلامی سلطنت میں جو توسیع ہو رہی تھی، اسے یہاں سے بہتر انداز میں کنٹرول کیا جا سکتا تھا۔

مسجد کوفہ کے قریب ہی ایک گھر ہے جس میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ رہائش پذیر تھے۔

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس میں کئی کمرے ہیں۔ اندر سے دیواریں کچی ہیں اور انہیں اصلی حالت ہی میں محفوظ رکھا گیا ہے۔ ایک کمرے میں آٹا پیسنے کی ایک چکی، مصالحہ وغیرہ کوٹنے کا ہاون دستہ اور مٹی کے دیگر برتن رکھے ہوئے ہیں۔ اس سادہ سے گھر میں وہ عظیم ہستی رہتی تھی جس نے کہا تھا "عرفت ربی بفسخ العزائم" "میں نے اپنے رب کو پہچانا اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے۔" یہ بات انہی کو زیبا تھی۔ وہی یہ بات کر سکتے تھے۔ یہ بات اتنی سادہ نہیں ہے جتنی نظر آتی ہے۔ اس میں بڑی حکمت ہے۔ راز کی بات ہے۔ اس میں ایک بہت بڑا دعویٰ پوشیدہ ہے جو عاجزی میں ملفوف ہے۔ رب کی بڑائی مانی گئی ہے۔ اس کی عظمت کو تسلیم کیا گیا ہے، اس کی کبریائی کے سامنے سر جھکایا گیا ہے۔ یہ بات انہی کو زیبا تھی۔ وہی یہ بات کر سکتے تھے۔ وہ علم کا خزانہ تھے۔ کہتے تھے پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے۔ میں زمینی راستوں سے زیادہ آسمانی راستوں سے واقف ہوں۔ جو دریاؤں کو کوزے میں بند کرنے کا ہنر جانتے تھے۔ کسی نے پوچھا "وہ کون سے جانور ہیں جو انڈے دیتے ہیں اور وہ کون سے جو بچے دیتے ہیں۔"

فرمایا: "جن کے کان اندر کی طرف ہوں وہ انڈے دیتے ہیں اور جن کے کان باہر ہوں وہ بچے دیتے ہیں۔"

ایک مرتبہ چار آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بولے، ہمیں آپ سے ایک سوال کرنا ہے لیکن اس کا جواب ہمیں الگ الگ دیجیے گا۔ آپ نے فرمایا، پوچھو کیا پوچھنا ہے۔ ان لوگوں نے پوچھا: "علم بہتر ہے کہ دولت؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چاروں کو الگ الگ جواب دیا۔

"علم بہتر ہے کیونکہ دولت خرچ کرنے سے کم ہوتی ہے، علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔"

"علم بہتر ہے کیونکہ دولت کی تم حفاظت کرتے ہو اور علم تمہاری حفاظت کرتا ہے۔"

"علم بہتر ہے کیونکہ علم والے کے دوست زیادہ ہوتے ہیں اور دولت والے کے دشمن زیادہ ہوتے ہیں۔"

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روضہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

مسجد کوفہ کے پہلو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مکان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابراہیمؑ کی جائے پیدائش پر واقع مسجد کا بیرونی منظر

روضہ ہائے کاظمینؑ بوقت شب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علم بہتر ہے کیونکہ علم نبیوں کا ورثہ ہے اور مال فرعون، نمرود اور قارون کا ورثہ ہے۔''
ایک دفعہ فرمایا: ''کوشش کرو کہ تم دنیا میں رہو، دنیا تم میں نہ رہے۔ کیونکہ کشتی جب تک پانی میں رہتی ہے، تیرتی رہتی ہے لیکن اگر پانی کشتی میں آ جائے تو ڈوب جاتی ہے۔''
یوں کچھ دیر ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مہمان رہے اور ان کے اقوال زریں کو یاد کرتے ہوئے باہر آئے۔ اردگرد حضرت مسلم بن عقیل، ھانی بن عروہ اور مختار ثقفی کے مزار ہیں۔ وہاں فاتحہ پڑھ کر ہم مسجد کوفہ میں داخل ہو گئے۔

مسجد کوفہ بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے اندر ایک مقام ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کا سیلاب یہیں سے شروع ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مقام جہاں بیٹھ کر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنا سفینہ بنایا تھا، اسی مسجد کے صحن میں ہے۔ مختلف جگہوں پر تختیاں نصب ہیں جن پر مختلف نبیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ بتایا یہ جاتا ہے کہ ان نبیوں نے ان مقامات پر نماز پڑھی تھی۔ ان میں مقام آدم، مقام نوح، مقام ابراہیم علیہم السلام اور مقام نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔ مقام جبرائیل علیہ السلام بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے سفر پر روانہ ہوئے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام انہیں لے کر پہلے یہاں آئے تھے اور دونوں نے اس مسجد میں دو رکعات نماز ادا کی تھی۔ قرآن میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں تو یوں مذکور ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا....﴾

''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ.....''

مسجد کوفہ سے نکل کر ہم نے نائب سالار شکیل کو ساتھ لیا اور پارکنگ میں آ ئے۔ بس کی چھت سے اپنا بیگ اتارا اور شکیل کو خدا حافظ کہہ کر اپنی راہ لی۔ سڑک پر آئے تو ٹریفک کے ایک سپاہی سے پوچھا، بغداد کیسے پہنچا جا سکتا ہے، اس نے مہنگا طریقہ بتایا کہ ٹیکسی لے لو،

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چار پانچ ہزار عراقی دینار میں گیراج بغداد پہنچا دے گی، وہاں سے بغداد کی بس مل جائے گی۔ قریب ہی ایک نوجوان طالب علم نظر آیا۔ اس سے رہنمائی چاہی۔ کھٹ سے ایک ویگن آئی۔ وہ خود بھی اس میں بیٹھ گیا اور ہمیں بھی ساتھ بٹھا لیا۔ ویگن والے نے ہم سے ڈھائی سو دینار لیے اور گیراج بغداد پہنچا دیا۔ یہاں سے بسیں اور منی بسیں بغداد کے لیے چلتی ہیں۔ ہم نے ایک منی بس کا انتخاب کیا جو ایئر کنڈیشنڈ تھی۔ بغداد کا کرایہ سات ہزار دینار۔ گرمی بڑی سخت تھی۔ ڈرائیور ایک جگہ رکا۔ لوگوں نے مشروبات لیے۔ ہم نے بھی شراب البرتقال (مالٹے کے جوس) کا انتخاب کیا لیکن جب سفر شروع ہوا تو تھوڑی دیر کے بعد ہی پھر پیاس لگنے لگی۔ ہمارے قریب بیٹھے ہوئے شخص نے خنک پانی کی ایک بوتل ہمیں پیش کی جو ہم نے شکریے کے ساتھ قبول کر لی۔ چار گھنٹے کا سفر تھا۔ جب بغداد کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ جگہ جگہ سبیلیں لگی ہوئی تھیں جہاں سے دودھ، پانی، مشروبات اور کھانے پینے کی چیزیں مسافروں کو پیش کی جا رہی تھیں۔ ہمارا ڈرائیور بھی ایک جگہ رک گیا۔ لوگوں نے پسند کے مشروبات لیے اور اور کھانے پینے کی چیزیں بھی۔ پتہ چلا کہ کاظمین میں دونوں اماموں کا سالانہ عرس ہے اور اس موقع پر اردگرد کے علاقوں میں زائرین کی ضیافت کا ایسا ہی اہتمام ہوتا ہے۔

جب ہم بغداد کے قریب پہنچے تو ڈرائیور نے ہمیں ایک پل پر اتار دیا۔ آگے ٹریفک کا راستہ بند تھا۔ ڈرائیور نے بتایا کہ عرس کی وجہ سے چاروں طرف ٹریفک بند ہے۔ یہاں سے آگے پیدل جانا ہوگا۔ ایک دنیا تھی جو کاظمین کی طرف جا رہی تھی۔ لوگوں کا ایک سیلاب تھا جو ایک ہی طرف بہہ رہا تھا۔ ہم بھی اس ریلے میں شامل ہو گئے۔ چلتے رہے۔ چلتے رہے۔ دو گھنٹے چلے ہوں گے کہ کاظمین قریب آیا۔ یہاں ہر بیس میٹر کے بعد فوجیوں اور پولیس والوں کی چوکیاں تھیں جو آنے والوں کی تلاشی لے رہے تھے۔ ہر جگہ مطالبہ ہوتا کہ بیگ کھولو۔ تین چار تلاشیوں کے بعد ہم نے احتجاج بھی کیا کہ اتنی بار تلاشی لی گئی ہے لیکن بے سود۔ ہمیں کوئی بیس مرتبہ بیگ کھولنا اور بند کرنا پڑا۔ تھکن کے مارے برا عالم، اس پر بار بار بیگ کھولنا اور بند کرنا سخت مشقت کا کام لگتا تھا۔ بالآخر ایک چوک میں پہنچے۔ پتہ چلا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں سے بسوں کی شٹل سروس چل رہی ہے جو آپ کو کاظمین کے روضے کے قریب لے جائے گی۔ ایک بس آئی جس میں زیادہ تر ایرانی سوار ہوگئے۔ ہم نے بھی جگہ بنانے کی کوشش کی لیکن عورتیں چیخ اٹھیں، "غیر ایرانی، غیر ایرانی" ان کے مردوں نے سختی سے ہمیں اترنے کو کہا۔ اتر آئے۔ ایک پولیس والے سے مدد چاہی جس نے ہمیں بعد میں آنے والی ایک بس میں سوار کرا دیا۔ بس روانہ ہوئی تو ہم نے سکھ کا سانس لیا۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ہم اپنی منزل سے دور ہو رہے ہیں اور واپسی کا پورا سفر پیدل طے کرنا پڑے گا۔

بس نے روضے سے کچھ فاصلے پر اتار دیا۔ اب جو ہم نے ہوٹلوں میں پتہ کرنا شروع کیا تو سخت مایوسی ہوئی۔ کسی ہوٹل میں کوئی جگہ نہ تھی۔ ایک غریبانہ سا ہوٹل نظر آیا۔ دوسری منزل پر تھا، نیچے دکانیں تھیں۔ ہم بیگ گھسیٹتے ہوئے خدا خدا کر کے اوپر پہنچے تو پتہ چلا کہ ان کے ہاں تو چھت کے پنکھے تک نہیں ہیں۔ انہوں نے ہمیں بڑی خوش اخلاقی سے خوش آمدید کہا اور بولے کہ یہ تو غریبوں کا مسکن ہے۔ آپ کے چہرے سے لگ رہا ہے کہ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ آپ کو یہاں کیا آرام ملے گا، آپ کوئی اور بہتر جگہ ڈھونڈ لیں، مل جائے تو بہتر ورنہ ہمارے ہاں آ جائیں۔ ہم حاضر ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہمارا بیگ تو نیچے پہنچا دو۔ کئی لوگ مدد کو لپکے۔ ہم نے پھر چلنا شروع کر دیا۔ ایک دو ہوٹلوں میں پتہ کیا۔ کوئی جگہ نہ تھی۔ بالآخر ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ شہر کی طرف ہی چلتے ہیں۔ یہاں بھی جگہ جگہ سبیلیں لگی ہوئی تھیں۔ ہم جگہ جگہ سے کوئی نہ کوئی مشروب لے لیتے کہ پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ ہم کوئی دس بارہ کلومیٹر چل چکے ہوں گے۔ پیروں میں چھالے پڑ چکے تھے۔ پنڈلیوں میں درد، کمر میں دکھن، آنکھوں میں بے خوابی اور تھکن کا خمار، ذہن پر غبار۔ ایک ایک قدم بھاری تھا۔ ایک قدم اٹھاتے تو دوسرا قدم اٹھانے کی سکت نہ پاتے۔ جی چاہتا تھا کہ بیٹھ جائیں۔ قوت ارادی تھی جو ہمیں لیے جاتی تھی۔ بالآخر ہم اسی پل کے قریب پہنچ گئے جہاں ویگن نے اتارا تھا۔ وہاں ایک سپاہی سے ہم نے کہا کہ وہ ہمیں بغداد شہر جانے والی کسی گاڑی میں بٹھا دے۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک ویگن روکی اور اسے کہا کہ انہیں شہر کے قریب اتار دینا۔ اس

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے ہمیں بٹھا لیا اور شہر کے قریب اتار کر بولا کہ سیدھے چلے جاؤ۔ ہم کچھ دور چلے تو فوج کا ایک لفٹین نظر آیا۔ ہم نے اس سے کسی ہوٹل کا پتہ پوچھا، بجائے ہوٹل کا پتہ بتانے کے اس نے پہلے ہمارے بیگ کی تلاشی لی، پھر پاسپورٹ طلب کیا۔ پھر بولا، آپ اکیلے کیوں پھر رہے ہیں، اپنے کارواں کے ساتھ کیوں نہیں ہیں۔"

بات یہ تھی کہ پاکستان سے جو زائرین، ایران، عراق یا شام زیارات کے لیے جاتے ہیں وہ زیادہ تر گروپ کی شکل میں سفر کرتے ہیں اور ان کے ویزے بھی باجماعت ہی لگتے ہیں، الگ فہرست پر۔ جو آدمی اپنے پاسپورٹ پر الگ ویزہ لگوانا چاہے، اس کی فیس زیادہ ہوتی ہے اور اگر وہ چاہے تو الگ بھی سفر کر سکتا ہے۔ ہم نے الگ ویزہ لگوایا ہوا تھا، لیکن اس کارواں کی فہرست بھی ہمارے پاس تھی جن کے ساتھ ہمارا ویزہ لگا تھا۔ وہ فہرست اسے دکھائی تو اس کا اصرار بڑھ گیا کہ آپ کارواں کے ساتھ کیوں نہیں ہیں۔ ہم نے بتایا کہ ایک دن کے بعد ہمیں استنبول روانہ ہونا ہے اور ہم نے یہاں بس ایک دو راتیں گزارنی ہیں۔ اس دوران وہاں ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ وہ قریبی گلی میں ہونے والے کسی جھگڑے کی شکایت کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ لفٹین ان کے ساتھ چلے۔ لفٹین کی توجہ بٹ گئی۔ ہم نے بآواز بلند پوچھا کہ کسی کو انگریزی آتی ہے۔ کوٹ پتلون میں ملبوس ایک شخص آگے بڑھا۔ ہم نے اسے ای میل سے ڈاؤن لوڈ کی ہوئی ٹکٹ دکھائی۔ اس نے شاید اس سے پہلے الیکٹرانک ٹکٹ نہیں دیکھی تھی۔ بولا کہ ٹکٹ تو ایسی نہیں ہوتی، ہم نے کہا کہ آپ پڑھے لکھے آدمی ہو، یہ پڑھو، اس میں فلائٹ کا نمبر اور وقت لکھا ہوا ہے کہ نہیں۔ اس نے تصدیق کی تو ہم نے اسے کہا کہ لفٹین کو سمجھاؤ۔ اس نے اسے بتایا کہ میں نے سارے کاغذات دیکھ لیے ہیں، ٹھیک ہیں، انہیں جانے دو۔ لفٹین نے ہمیں جانے کا اشارہ کیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ چل دیا۔ ایک نوجوان سا لڑکا اس سارے ہنگامے کے دوران ہمارا بیگ سنبھالے ہوئے تھا، لفٹین کا اشارہ پاتے ہی اس نے ہمارا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے روانہ ہو گیا۔ قریب ہی ایک ہوٹل تھا۔ وہ تیزی سے اوپر چڑھا۔ ہوٹل والے نے سوال جواب کرنے کی کوشش کی تو اس

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اسے ڈانٹ پلائی کہ ان سے پہلے ہی بڑے سوال جواب ہو چکے ہیں، بس انہیں کوئی کمرہ دو۔ اس نے خود ہی مہمانوں کا رجسٹر اٹھایا، اس میں پاسپورٹ کی مدد سے ہمارے کوائف درج کیے اور چابی لے کر ہمیں ایک کمرے میں لے گیا۔ پھر بولا کہ یہ علاقہ بڑا خطرناک ہے۔ آپ نے باہر نہیں نکلنا۔ رات ہو چکی تھی۔ ہم نے اسے بتایا کہ سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔ اس نے ہمیں ہوٹل ہی میں رکنے کو کہا اور بولا کہ وہ کھانا لے کر آتا ہے۔ یہ علاقہ علاوی کہلاتا تھا۔ دکانیں سرشام بند ہو جاتی تھیں لیکن وہ ڈھونڈھ کر لوبیے کا سالن اور روٹیاں لے آیا۔ پانی کی ایک خنک بوتل بھی۔ اس کا نام علی تھا۔ ہم نے شکریہ ادا کیا اور اسے کھانے کی ادائیگی کرنا بھول گئے۔ اس نے بھی یاد نہیں دلایا اور اللہ حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔

صبح اٹھے تو ناشتے کی فکر ہوئی، ہوٹل سے نیچے آئے۔ کچھ دور ہی چلے ہوں گے کہ علی نظر پڑا۔ اس نے ہمیں دیکھا تو لپک کر پاس آیا اور تشویش بھرے لہجے میں پوچھا کہ ہم ہوٹل سے باہر کیوں آئے ہیں۔ ہم نے بتایا کہ ناشتہ کرنا ہے۔ وہ ہمیں لے کر ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ وہاں لکڑی کا ایک بنچ پڑا تھا اس نے ہمیں وہاں بٹھایا اور بولا کہ آپ یہیں رہیں، میں ناشتہ لے کر آتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں وہ انڈوں کا آملیٹ، ڈبل روٹی کے توس، ٹھنڈے پانی کی ایک بوتل اور چائے کے دو کپ لے آیا، اس نے ہمیں ناشتہ کروایا، خود چائے پی اور ہم سے گفتگو کرتا رہا۔ ہم نے گزشتہ رات کے کھانے اور ناشتے کے پیسے دینے چاہے تو اس نے صاف انکار کر دیا اور بولا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ آپ کو پہلے ہی بڑی زحمت ہوئی ہے۔ اس پر میں معذرت خواہ ہوں۔

ناشتہ کر کے ہم واپس ہوٹل آئے۔ ہمیں معلوم تھا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مزار یہیں کہیں واقع ہے۔ ہم نے غسل کیا، کپڑے تبدیل کیے لیکن جب باہر جانے لگے تو ٹانگوں نے جسم کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا۔ بستر پر گر گئے۔ محسوس ہوا کہ جسم کو مزید آرام کی ضرورت ہے۔ لیٹے رہے، گہری نیند نے ہمیں آلیا۔ جب آنکھ کھلی تو دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ اب ہم تازہ دم محسوس کر رہے تھے۔ سڑک کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھول کر باہر کا جائزہ لینے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لگے کہ اچانک بائیں جانب سے گولیوں کی تڑتڑ سنائی دی۔ کل والا لفٹین بھی سڑک پر موجود تھا اور فوجیوں کو مختلف جگہوں پر پوزیشن لینے کو کہہ رہا تھا۔ ہم نے اس صورت حال میں باہر نکلنا مناسب نہ سمجھا اور کمرے میں آ کر لیٹ گئے۔ کافی دیر تک دونوں طرف سے گولیاں چلنے کی آوازیں آتی رہیں۔ ہماری پھر آنکھ لگ گئی۔ اب جو آنکھ کھلی تو مزید دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ ہمیں تشویش ہوئی کہ کہیں امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر حاضری سے محروم ہی نہ رہ جائیں۔ باہر کا جائزہ لیا۔ حالات پرسکون نظر آئے۔ ہم نیچے آئے تو دور وہی لفٹین ایک سٹول پر بیٹھا نظر آیا۔ ہم فوراً ایک گلی میں مڑ گئے اور مختلف گلیوں سے ایک لمبا چکر کاٹ کر جس سڑک پر نکلے تو وہاں ایک آرمرڈ گاڑی کھڑی تھی جس میں کچھ فوجی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم ان کے قریب گئے۔ اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر جانا چاہتے ہیں۔ وہ بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ ایک فوجی نے ہمیں پانچ ہزار دینار میں ایک ٹیکسی کروا دی۔ اس نے ہمیں اعظمیہ کے قریب اتار دیا اور بتایا کہ آگے گاڑیوں کا راستہ بند ہے۔ پیدل جانا پڑے گا۔ یہاں بھی جانچ پڑتال کا سلسلہ جاری تھا۔ مسجد ابوحنیفہ میں داخل ہونے سے پہلے پانچ مرتبہ ہم تلاشی کے مراحل سے گزرے۔ یہ تلاشی آسان تھی کہ ہمارے پاس بیگ نہیں تھا۔ مسجد میں داخل ہوئے تو لڑکیوں کا ایک گروپ امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے آیا ہوا تھا۔ ایک صاحب داخلی دروازے کا تالا کھول رہے تھے۔ اس نے ہمیں بھی آنے کا اشارہ کیا۔

امام ابوحنیفہؒ کا اصل نام نعمان بن ثابت تھا۔ کنیت ابوحنیفہ تھی جس سے زیادہ مشہور ہیں۔ ۸۰ ہجری میں کوفے میں پیدا ہوئے۔ فارسی النسل تھے کہ ان کے دادا ایران میں کسی علاقے کے حاکم رہے۔ مفسر قرآن شیخ جلال الدین سیوطی نے بخاری اور مسلم میں مذکور ایک حدیث کا ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''اگر ایمان ثریا ستارے کے قریب بھی ہوگا تو اہل فارس میں سے ایک شخص اسے ضرور حاصل کر لے گا۔''

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ جلال الدین کا کہنا ہے کہ یہ بشارت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں تھی، آپ نے ابتدائی ایام میں ضروری علم کی تحصیل کے بعد تجارت شروع کی لیکن آپ کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے علم حدیث کی معروف شخصیت شیخ عامر شعبی ؒ نے آپ کو تجارت چھوڑ کر مزید علمی کمال حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے ان کی بات مان لی اور علم حدیث، علم کلام اور علم فقہ کی طرف توجہ فرمائی اور ایسا کمال پیدا کیا کہ علمی و عملی دنیا میں امام اعظم کہلائے۔ آپ کا نام مسجد نبوی میں روضے کی دائیں جانب کے ستونوں کے اوپر لکھا ہوا ہے باقی تین اماموں کے نام بھی موجود ہیں۔

آپ کے علمی کمال کو دیکھتے ہوئے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے آپ کو چیف جسٹس کا عہدہ پیش کیا لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ اصرار کے باوجود جب آپ انکار کرتے رہے تو اس نے آپ کو قید کر دیا اور بعد میں زہر دلوا دیا۔ آپ کو جب زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں وفات پا گئے۔ تقریباً پچاس ہزار افراد نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ بغداد کے خیزران قبرستان میں دفن کیے گئے۔ ۳۷۵ہجری میں اس قبرستان کے قریب ایک بڑی مسجد ''جامع الامام الاعظم'' تعمیر کی گئی جو خوبصورتی کا شہکار ہے۔ مغرب کی نماز میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ ہم ٹھہرے رہے، مغرب کی نماز میں یہ جان کر تعجب ہوا کہ لوگ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین بلند آواز سے کہتے ہیں کہ جب کہ امام ابوحنیفہ آمین بالخفی یعنی دل میں آمین کہنے کے قائل تھے، پتہ چلا کہ یہاں زیادہ تر لوگ شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہم واپس آئے تو دکانیں بند ہو رہی تھیں۔ پانچ سو دینار میں ہم نے کھانا لیا اور کمرے میں آ گئے۔ جو ڈرائیور ہمیں اعظمیہ سے لے کر آیا تھا اس کا نام ابوصادق تھا۔ ہم نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ صبح سویرے ہمیں ائیرپورٹ چھوڑ آئے۔ اس کے لیے بیس ہزار دینار طے ہوئے تھے لیکن صبح جب ہم تیار ہوئے تو اس کا کوئی پتہ نہ تھا۔ ہم سامان لے کر نیچے آ گئے اور کچھ دور پیدل چل کر ایک چوک میں پہنچ گئے جہاں ہمیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ وہ پندرہ ہزار دینار میں ائیرپورٹ جانے پر تیار ہو گیا۔ ائیرپورٹ سے کافی دور اس نے ہمیں اتار دیا کہ

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آگے ایئرپورٹ روڈ پر ایک دیوار کھینچ دی گئی تھی۔ پتہ چلا کہ ایئرپورٹ کی سکیورٹی کا سارا انتظام امریکی فوج نے سنبھال رکھا ہے۔ اور اس کے لیے انہوں نے وسیع اور مختلف النوع انتظامات کیے ہوئے تھے۔ شارع مطار (ایئرپورٹ روڈ) پر جو دیوار کھینچی ہوئی تھی، اس کے پار عام ٹریفک کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ دیوار کے پار کافی ساری ویگنیں کھڑی تھیں جو دس ڈالر میں ایئرپورٹ کے قریب پہنچاتی تھیں بلکہ قریب بھی کہاں، جگہ جگہ جانچ پڑتال کی چوکیاں تھیں۔ پہلی چوکی پر تمام مسافروں کو ویگنوں سے اتار دیا گیا، کہا گیا کہ سامان ویگنوں ہی میں چھوڑ دیں۔ ایک امریکی فوجی ایک کتا لے کر آیا جس نے تمام ویگنوں کو چیک کیا۔ کچھ دور آگے گئے تو کہا گیا کہ سامان اتار کر ایک قطار میں رکھ دیں۔ پھر ایک کتا آیا اور اس نے تمام سامان کو سونگھا۔ آگے جا کر سارا سامان ایک سکینر مشین سے گزارا گیا۔ یوں دیوار سے ایئرپورٹ تک کا دس کلومیٹر کا فاصلہ ہم نے دو گھنٹوں میں طے کیا ہوگا۔ ایئرپورٹ کی عمارت پرسکون تھی۔ ہم نے بورڈنگ کارڈ لیا اور انتظار گاہ میں آ گئے۔ یوں عراق کی مہم جوئی اور ہنگاموں سے بھرے سفر کا اختتام ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

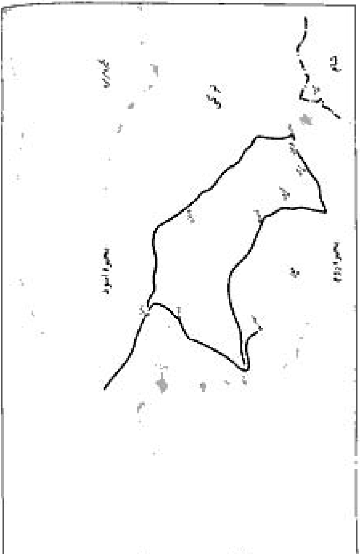

نقشہ سفر ترکی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ومن ترکی نمی دانم

مقام کشتی نوح:

بغداد سے استنبول کے لیے پرواز کرتے ہوئے جہاز پہاڑوں کے ایک سلسلے پر سے گزرا۔ اس سلسلے کا نام اراراط ہے جو آرمینیا کی سطح مرتفع سے شروع ہو کر جنوب میں عراق کے علاقے کردستان تک چلتا ہے۔ اسی اراراط کے پہاڑی سلسلے میں جودی نام کی ایک چوٹی ہے جس پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آ کر ٹھہری تھی۔ یہ انسانی تاریخ کی پہلی کشتی تھی۔ جب حضرت نوح علیہ السلام خشکی پر یہ کشتی بنا رہے تھے تو آپ کی قوم کے نافرمان لوگ آپ کا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ شخص خشکی پر چلانے کے لیے کشتی بنا رہا ہے۔ جہاں یہ کشتی ٹھہری تھی، بائبل میں اس مقام کا نام اراراط بتایا گیا ہے اور قرآن میں جودی۔ کہتے ہیں کہ اردگرد کے علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے پاس ایک طویل عرصے تک اس کشتی کے ٹکڑے محفوظ تھے جنہیں وہ پانی میں گھول گھول کر بیماروں کو پلاتے تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ چونکہ یہ کشتی بابرکت تھی اس لیے اس سے شفا ہوگی۔

ایک بجے دوپہر ہم استنبول اترے۔ یہاں ہمارے میزبان انجینئر اکبر علی تھے۔ ہمارا ان سے براہ راست تعارف نہیں تھا بلکہ راولپنڈی کے ریلوے ہاسپٹل میں سرجن ڈاکٹر اقبال نے ہمیں ان کا فون نمبر دیا تھا اور ان سے بات بھی کر لی تھی لیکن وہ غالباً پرواز کا وقت اور دن بتانا بھول گئے تھے اور ہم ایئرپورٹ پر کھڑے تھے بے یار و مددگار۔ اسی دوران پاکستان سے ایک ثقافتی طائفہ اترا۔ یہ لوگ ہماری وزارت برائے امور نوجوانان کے زیر اہتمام پاکستان کی ثقافت اجاگر کرنے ترکی آئے تھے۔ جن میں ملبوس لڑکوں کے بال بڑھے ہوئے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے اور لڑکیاں بھی ادھورے لباس میں تھیں جن سے پاکستان کی ثقافت نے تو کیا اجاگر ہونا تھا البتہ ان کے جسموں کے خدوخال خاصے نمایاں ہو رہے تھے۔ ہم نے ان کے انچارج سے اپنا تعارف کروایا اور کہا کہ وہ ائیرپورٹ سے ہمیں ساتھ لے چلیں ہم شہر پہنچ کر اپنا بندوبست خود کر لیں گے لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ہم نے کرنسی تبدیل کروائی۔ ۲۰۰ امریکی ڈالروں کے ۲۸۹ ترکی لیرے ملے۔ پھر ۴۵ لیرے کی ایک سم خریدی۔ ڈاکٹر اقبال کو بھی فون کیا اور انجینئر اکبر کو بھی۔ ڈاکٹر اقبال نے بتایا کہ ان کا رابطہ ہو گیا ہے، وہ آرہے ہیں آپ کو لینے۔

انجینئر اکبر علی نے روس میں تعلیم حاصل کی۔ وہاں قیام کے دوران انہوں نے دیکھا کہ قرآن مجید کا روسی زبان میں ترجمہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے شادی بھی وہیں ایک نومسلمہ روسی دوشیزہ سے کی۔ دونوں نے مل کر ترجمہ مکمل کر لیا اور پھر ترکی میں کچھ اہل خیر کے تعاون سے چھپوا بھی لیا۔ اب وہ قرآن کی ان جلدوں کو روس بھجوانے کے سلسلے میں ترکی آئے ہوئے تھے اور چند دنوں کے بعد انہوں نے پاکستان چلے جانا تھا۔

ہم اکیلے پاکستانی تھے جو سامان لیے بیٹھے تھے۔ انجینئر اکبر علی سیدھے ہمارے پاس آئے۔ سامان اٹھائے باہر نکلے اور ایک میٹرو کے ذریعے ان کے گھر پہنچ گئے۔ ترکی میں ہمارا پہلا کام اصحاب کہف کا غار دیکھنا تھا جو ہماری تحقیقات کے مطابق ازمیر کے قریب ایک جگہ ایفسس میں واقع تھا۔ انجینئر اکبر علی جغرافیے سے زیادہ واقف نہیں تھے چنانچہ ہم نے ڈاکٹر رجب سن ترک سے رابطے کا فیصلہ کیا۔ وہ سنٹر آف اسلامک سٹڈیز ریسرچ میں پڑھاتے تھے۔ کچھ دنوں پہلے ہی وہ ہماری یونیورسٹی میں آئے تھے اور ہم نے تعارفی کارڈ کا تبادلہ کیا تھا۔ انہیں فون کیا، وہ بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے دوسرے دن ایک بجے آنے کو کہا۔

پتہ بھی اچھی طرح سمجھا دیا۔ انجینئر اکبر علی نے ہمیں تفصیل سمجھائی کہ ٹرین، بسوں اور میٹرو کا کرایہ ایک جیسا ہے۔ ڈیڑھ لیرا ہے (یعنی تقریباً سو روپے) میں ایک ٹکٹ آتا ہے،

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھلے سے آپ دوسرے سٹاپ پر اتر جائیں یا کہیں دور کے کسی سٹاپ پر اتریں۔ اگر آپ سٹیشن سے باہر نہ جائیں تو اسی ٹکٹ سے واپس بھی آ سکتے ہیں۔

اصحاب کہف کے غار:

دوسرے دن ناشتے کے بعد ہم اپنی پہلی مہم پر روانہ ہوئے۔ پہلے میٹرو میں بیٹھ کر ایمی نونو گئے جو ساحل سمندر پر ایک بندرگاہ ہے اور یورپ کا حصہ ہے۔ یہاں سے ہم نے ایک بحری جہاز میں بحیرہ باسفورس کو عبور کر کے ایشیا کے ساحل کی ایک بندرگاہ ''اسکوڈر'' اترنا تھا۔ ہم وہاں پہنچے تو ڈاکٹر رجب ہمیں لینے آئے ہوئے تھے۔ ایک ٹیکسی میں ہم سنٹر پہنچے۔ اطمینان سے بیٹھے تو ہم نے مدعا بیان کیا۔ وہ بولے ''طرطوس؟''

ہم نے کہا طرطوس نہیں ایفسس، بولے چلیں کھانے کا وقت ہو گیا ہے، وہاں اور بھی پڑھے لکھے لوگ آئیں ہوں گے، ان سے مشورہ کرتے ہیں۔ مختلف شعبوں کے سربراہوں کی الگ میز تھی۔ ڈاکٹر رجب نے بڑے فخر سے ہمارا تعارف کروایا اور بتایا کہ یہ اصحاب کہف پر ریسرچ کے سلسلے میں آئے ہیں۔ سب نے بیک زبان کہا ''طرطوس؟'' ہم نے بتایا کہ ہمارے علم کے مطابق تو یہ غار، ازمیر کے قریب ایفسس میں ہے۔ ایک صاحب ازمیر میں پیدا ہوئے تھے۔ اور وہیں پلے بڑھے تھے۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ انہوں نے تو کبھی نہیں سنا کہ کسی قریبی علاقے میں اصحاب کہف کا غار ہے۔ اتنے میں پی ایچ ڈی کے ایک طالب علم نجم الدین نے جو اپنے اساتذہ کی خدمت میں مصروف تھا، ہم سے پوچھا کہ یہ تفصیلات ہم نے کہاں پڑھی ہیں۔ ہم نے بتایا کہ تفہیم القرآن میں بولا اگر مولانا مودودی نے لکھا ہے تو غلط نہیں ہو سکتا۔

اس نے خوش ہو کر بتایا کہ تفہیم القرآن سمیت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تمام کتابیں ترکی زبان میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ ہمارے سنٹر میں بھی موجود ہیں۔ اس نے بتایا کہ سنٹر نے اسلامی تاریخ اور دیگر علوم کے بارے میں ایک انسائیکلوپیڈیا شائع کیا ہے۔ میں وہ چیک کر کے آتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں وہ واپس آیا اور ہنستے ہوئے بولا ''ہم بھی ٹھیک کہہ رہے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور آپ بھی۔''

''وہ کیسے؟''

اس نے بتایا کہ انسائیکلوپیڈیا کے مطابق صرف ترکی ہی میں تین جگہیں ایسی ہیں جن کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اصحاب کہف کے غار یہی ہیں۔

ا۔ایفسس (نزدازمیر) ۲۔طرطوس ۳۔افشین

ہم انطاکیہ بھی جانا چاہتے تھے جہاں ایک بزرگ کا مزار ہے۔ اس کا ذکر سورۃ یٰسین کے دوسرے رکوع میں ہے۔ ان لوگوں نے بتایا کہ انطاکیہ کا نام بدل چکا ہے۔ اسے اب حاطے کہتے ہیں۔ نجم الدین نے انٹرنیٹ سے ترکی کا ایک نقشہ ڈاؤن لوڈ کیا اور اس پر آنے جانے کے راستوں پر نشان لگا دیئے۔ پھر وہ ہمیں لے کر بازار آیا اور دو تین ایجنسیوں سے ازمیر جانے والی بسوں کا پتہ کیا۔ وہاں سے کوئی بس فوری طور پر روانہ ہونے والی نہیں تھی۔ ہمارا سفر طویل تھا۔ ایک طرف سے پندرہ سوکلومیٹر کے قریب فاصلہ تھا۔ جانے کتنے دن لگ جاتے۔ مناسب سمجھا کہ انجینئر اکبر کے ہاں سے اپنا بیگ اٹھا لیں کیونکہ وہ پاکستان جانے والے تھے۔ نجم الدین نے اسکوڈر کے لیے ہمیں ایک ویگن میں بٹھا دیا اور کرایہ خود ادا کیا۔ وہاں سے ہم بذریعہ جہاز امینونو آئے۔ پھر ٹرام کے ذریعے اکبر صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ انہیں اپنے سفر کی تفصیلات بتائیں اور مشورے کے طالب ہوئے کہ کسی سستے سے ہوٹل کا پتہ بتائیں جہاں واپسی پر ٹھہر سکیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ جس گھر میں رہ رہے ہیں اس کا پورے مہینے کا کرایہ ادا کیا جا چکا ہے اور اگر وہ چلے بھی گئے تو ہم وہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک دوست لقمان سے تعارف کروا دیا کہ جاتے ہوئے گھر کی چابیاں ان کے حوالے کر جائیں۔ اکبر صاحب نے ہمیں کھانا کھلایا اور ازمیر جانے والی بسوں کے اڈے کا راستہ سمجھایا۔ ہم میٹرو اور بسوں کے نظام سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ بآسانی بسوں کے اڈے آٹوگیس پہنچ گئے۔ ازمیر کا ٹکٹ ۴۵ لیرے میں ملا۔ ترکی میں لمبے روٹ پر چلنے والی بسیں بڑی آرام دہ ہوتی ہیں اور ہر کمپنی کے لوگ مسافروں کی خوب خاطر تواضع کرتے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ موسم کی مناسبت سے ٹھنڈے مشروبات، چائے، کافی اور کھانے کے وقت لنچ یا ڈنر بکس۔ مختلف کمپنیوں کا آپس میں مقابلہ رہتا ہے۔ اس لیے کرایے کم اور سہولتیں زیادہ ہیں۔ ٹکٹ پر لکھے ہوئے وقت کے عین مطابق رات گیارہ بج کر اکتیس منٹ پر بس روانہ ہوگئی۔ سارے دن کے تھکے ہوئے تھے، فوراً ہی سو گئے۔ عجیب وغریب قسم کے شور سے آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بس ایک بہت بڑے بحری جہاز میں کھڑی ہے۔ چھ اور بسیں اور درجن کے قریب کاریں بھی تھیں۔ اس طرح کا تجربہ ہمیں یورپ میں مالمو سے جرمنی جاتے ہوئے پہلے بھی ہو چکا تھا۔ دیکھا یہ گیا کہ اس طرح کے مواقع پر مسافر بسوں یا ٹرین میں نہیں بیٹھے رہتے بلکہ جہاز کے عرشے پر نکل آتے ہیں۔ جہاز کے کیفے ٹیریا سے کھاتے پیتے ہیں اور خوب ہلا گلا کرتے ہیں۔ یہاں بھی یہی سماں تھا۔ میوزک کی تھاپ پر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں رقص کر رہے تھے۔ مالمو کی نسبت یہ بحری سفر مختصر تھا۔ بس جہاز سے اتری اور ازمیر کی طرف روانہ ہوگئی۔ نشستیں آرام دہ تھیں۔ ہم گہری نیند سوئے۔ صبح آٹھ بجے کے قریب ازمیر پہنچ گئے۔ اڈے ہی پر ہم نے ناشتہ کیا اور پھر ایفسس جانے کے لیے بسیں ڈھونڈنے لگے۔ پتہ چلا کہ ایفسس کا نام سکڑ کر اب ایفسس رہ گیا ہے اور اس کے لیے پہلے سیلچک جانا پڑے گا۔ آدھ پون گھنٹے کا رستہ تھا۔ وہاں سے ایک منی بس مل گئی جس نے آٹھ لیروں میں ہمیں ایفسس پہنچا دیا۔ وہاں داخلی راستے پر ایک بڑے سے بورڈ پر ایفسس بھی لکھا ہوا تھا۔

شہر ایفسس تقریباً گیارہویں صدی قبل مسیح میں تعمیر ہوا تھا اور بعد میں یہ بت پرستی کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا یہاں چاند دیوی کی پوجا ہوتی تھی جسے ڈائنا یا ڈیانا کہتے تھے۔ ایشیائے کوچک کے لوگ اور رومی سلطنت کے باشندے بھی اسے اپنا معبود مانتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب مسیحی دعوت رومی سلطنت کے مختلف علاقوں میں پہنچنی شروع ہوئی تو اس شہر کے چند نوجوان بھی شرک سے تائب ہو کر خدائے واحد پر ایمان لے آئے۔ اس کے بعد ان کے ساتھ کیا ہوا وہ ہم اردن کے سفر کی تفصیلات میں بیان کر چکے ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایفسس کے داخلی راستے کے دونوں جانب گھنے درختوں کی قطاریں ایستادہ ہیں جن کی شاخیں اوپر جا کر مل جاتی ہیں۔ اس طرح محراب کی شکل بن گئی ہے جس کے نیچے گھنا سایہ رہتا ہے۔ اس راستے سے گزر کر آپ شہر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ آثار بتاتے ہیں کہ یہ اپنے وقت کا بڑا خوشحال شہر ہوگا کہ راستے پختہ ہیں اور دونوں جانب جگہ جگہ فوارے لگے ہوئے ہیں۔ یہیں ایک عمارت کو حضرت مریم علیہا السلام سے منسوب کر کے (House of Mary) کا نام دیا گیا ہے۔ عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ مریم علیہا السلام نے یہاں آ کر عبادت کی تھی۔ دنیا بھر کے عیسائی عقیدت کے طور پر یہاں آتے ہیں۔ امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے بھی یہاں حاضری دی تھی۔ ایک لائبریری کے آثار بھی تھے جو دو منزلہ عمارت تھی۔ زیادہ تر سیاحوں کا ہجوم اس عمارت کے اردگرد تھا۔ اس کے دوستونوں کے درمیان حضرت مریم علیہا السلام کا مجسمہ تھا جس سے لپٹ لپٹ کر اونچے سکرٹ یا نیکروں میں ملبوس لڑکیاں تصویریں بنوا رہی تھیں۔ ہمیں تو یہ بات حضرت مریم علیہا السلام کی تقدیس کے خلاف نظر آئی کہ وہ باحیا پاکباز وپاک صفت خاتون ایسے لباس کا تصور نہ کر سکتی تھی لیکن وہاں کسی کو اس کی فکر نہ تھی۔

یہاں وہ گرجا بھی ہے جہاں ۴۳۱ء میں پوری عیسائی دنیا کے مذہبی پیشواؤں کی ایک کونسل کا اجلاس منعقد ہوا تھا جس میں حضرت مسیح کو خدا کا حصہ ماننے اور حضرت مریم کے ''مادر خدا'' ہونے کا عقیدہ چرچ کا سرکاری عقیدہ قرار پایا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے عیسائی بھی ایک ہی خدا کو مانتے تھے۔ انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات میں حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی شرکت تو بہت پہلے شروع ہوگئی تھی لیکن اسے سرکاری طور پر چرچ کے عقیدے کا اعلان ۴۳۱ء میں اسی چرچ میں ہوا۔

ہم شہر ایفیسس میں گھوم پھر رہے تھے کہ ایک نوجوان سیاح نظر آیا جو سیاحوں کی رہنمائی کی ایک ضخیم سی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ ہم نے اس سے کہا کہ وہ کتاب دیکھ کر بتائے کہ اصحاب کہف کا غار کس طرف ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ غار تو شہر میں نہیں ہے بلکہ شہر سے باہر نکل کر تین کلومیٹر کے فاصلے پر ایک پہاڑی میں واقع ہے۔ اس سے تعارف

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا۔ انٹونیو نام تھا اس کا۔ وہ اٹلی کے کسی شہر کے ایک سکول میں حساب پڑھاتا تھا اور گرمیوں کی چھٹیوں میں سیر سپاٹے کے لیے نکلا ہوا تھا۔ وہ خود بھی غار دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ سو ہم دونوں باہر آئے اور غار کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ غار ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ پہاڑی کے نیچے چاروں طرف سٹال ہیں، دکانیں ہیں، تندور ہیں، ہم اوپر گئے تو دیکھا کہ غار کے چاروں طرف خاردار تاریں لگی ہوئی تھیں اور غار کے اندر جانے کے راستے مسدود تھے۔ ہم نے باہر ہی سے فلم بنائی۔ قرآن میں اصحاب کہف کے غار کی جو نشانی بتائی گئی ہے وہ یہاں نظر آتی ہیں یعنی جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی ایک جانب رہتا ہے اور بائیں جانب سے غروب ہوتا ہے۔ غار کے دہانے کے سامنے سے نہیں گزرتا۔

غار کے قریب ہی ایک درخت دیکھا جس کی شاخوں سے کپڑے کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ پورا درخت ان پٹیوں سے بھرا ہوا تھا۔ پوچھا تو پتہ چلا کہ اردگرد کے لوگ اصحاب کہف کے غار کو بابرکت سمجھتے ہیں اور یہاں آ کر اپنی کسی خواہش کا ذکر کرتے ہوئے اس درخت کی کسی شاخ سے پٹی باندھ دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی خواہش پوری ہو جائے گی۔ گویا جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی نشانی چھوڑی ہے، شیطان نے بھی وہاں کوئی نہ کوئی دوکان لگائی ہے جہاں وہ گمراہی اور ضلالت مفت فراہم کرتا ہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

غار دیکھ کر ہم ایفسس واپس آئے۔ انٹونیو ساتھ تھا۔ بس کے انتظار میں ہم ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ ہم نے قرآن کی بات چھیڑ دی اور بتایا کہ قرآن میں کیسے کیسے معجزے موجود ہیں۔ اس نے بتایا کہ اس کے پاس بائبل کے ساتھ ساتھ قرآن کا ایک نسخہ بھی موجود ہے اور وہ کبھی کبھی ترجمے کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے۔ ہمیں حیرت ہوئی کہ اسے سورۂ فاتحہ عربی میں یاد تھی اور ترجمہ بھی جانتا تھا۔ ہم نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نصیب فرمائے۔ یہاں سے ہماری راہیں جدا تھیں کہ ہم نے ازمیر سے قونیہ جانا تھا، مولانا جلال الدین رومیؒ کا مزار دیکھنے جب کہ وہ کسی ساحل سمندر پر جانا چاہتا تھا، ترکی کے ساحل بڑے صاف ستھرے ہیں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور غیر ملکی سیاحوں کے لیے دلچسپی کے مرکز۔ امن وامان کی صورت حال بہت اچھی ہے ہوٹلوں کی بھر مار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال تین کروڑ سے زائد سیاح یہاں آتے ہیں۔ دنیا بھر کے سیاحتی دلچسپی کے مراکز میں ترکی چھٹے نمبر پر ہے۔ یہی حال ان کی ائیرلائن کا ہے۔ سروس اچھی ہے۔ کروڑوں لوگ بذریعہ جہاز سفر کرتے ہیں اور ان کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔

مولانا جلال الدین رومی کے مزار پر:

ازمیر سے ہم قونیہ کے لیے ایک بس میں سوار ہوئے۔ اس کی نشستیں بھی بڑی آرام دہ تھیں اور سروس بھی اعلیٰ۔ بالکل آغاز میں انہوں نے مسافروں میں آئس کریم تقسیم کی، پھر ہر دو گھنٹے بعد مسافروں کی پسند کے مشروبات اور جوس تقسیم کرتے تھے۔ ہم نے ایک بار سیاہ چیری کا جوس لیا اور ایک بار کافی۔ بہت ہی خوشبودار کافی تھی۔ وقتاً فوقتاً وہ بس میں خوشبو کا سپرے بھی کرتے تھے۔ ہماری ساتھ والی نشست پر ایک فربہ شخص بیٹھا تھا۔ ہم نے نشست پر عشاء کی نماز ادا کی تو اس نے عربی میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی نماز قبول فرمائے۔

آدھی رات کا وقت ہوگا جب بس نے ہمیں قونیہ کے اڈے پر اتارا۔ یہ کافی وسیع وعریض ٹرمینل تھا۔ جگہ جگہ بنچ پڑے ہوئے تھے۔ ہم ایک بنچ پر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر میں ایک مزدور نما شخص آیا اور ترکی میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ اس کے لہجے اور ہاتھ کے اشاروں سے ہم سمجھ گئے کہ وہ ہم سے جگا ٹیکس وصول کرنا چاہتا تھا۔ ترکی ہمیں آتی نہیں تھی۔ اسے کوئی اور زبان نہیں آتی ہوگی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ہم اس سے کس زبان میں بات کرتے سو ہم نے اسے پہلے انگریزی میں ڈانٹ پلائی اور پھر موراوور کے طور پر پنجابی میں ہاتھ کے اشاروں سے دفع دفان ہو جانے کو کہا۔ شاید پنجابی کا اثر تھا، وہ ٹل گیا۔ صبح اذان کی آواز سے آنکھ کھلی۔ ہم ایک قریبی مسجد میں گئے۔ نماز پڑھ کر وہیں پھر سو رہے۔ دن چڑھے اٹھے۔ باہر آکر ایک راہگیر سے مولانا رومی کے مزار کا پتہ پوچھا۔ اس نے بڑے پیار سے ایک ٹرام سٹیشن کی طرف رہنمائی کی اور بتایا کہ فلاں سٹیشن پر اتر جانا، اس کے قریب ہی ہے۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم ٹرام سے متعلقہ سٹیشن پر پہنچ گئے۔ پہلے ایک ٹھیلے سے بند اور چائے کا ناشتہ کیا، پھر مزار پر پہنچ گئے۔ مزار ایک بڑی مسجد کے پہلو میں واقع ہے جو سلطان سلیم ثانی نے ۱۸۶۷ء میں تعمیر کروائی تھی جو اس وقت قونیہ کا گورنر تھا۔ سلیمان اعظم کے بعد وہ سلطنت عثمانیہ کا سربراہ بنا۔ ہم جہاں پہنچے تو میوزیم بند تھا۔ دس بجے کے قریب کھلتا ہے۔ اس کے بالکل بالمقابل ایک قبرستان تھا جس میں دو رویہ خوبصورت درخت لگے ہوئے تھے اور چاروں طرف گھنا سایہ تھا۔ ہم اسی قبرستان میں چلے گئے۔ اتنا خوبصورت اور صاف ستھرا مسلمانوں کا قبرستان ہم نے اس سے پہلے کبھی، کہیں نہیں دیکھا تھا۔ پختہ قبریں تھیں، ہر قبر پر سورۂ فاتحہ پڑھنے کی درخواست لکھی ہوئی تھی۔

میوزیم کھلا تو ہم ٹکٹ لے کر اندر گئے۔ مولانا رومی کی قبر پر سبز رنگ کی ایک چادر پڑی تھی اور اوپر دو بڑی بڑی پگڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ فاتحہ کے بعد ہم نے میوزیم کے باقی حصے دیکھے جس میں مثنوی مولانا روم سمیت ان کی دوسری کتابیں، تحریریں، استعمال شدہ کپڑے، مصلے اور تسبیحات تھیں۔ ایک شوکیس میں رسول اکرم ﷺ کی ریش مبارک کے کچھ بال بھی رکھے ہوئے تھے۔

ان کا پورا نام جلال الدین تھا۔ کچھ لوگ انہیں مولانا جلال الدین بلخی بھی کہتے ہیں کیونکہ پیدا وہ بلخ میں ہوئے تھے جو آج کل افغانستان کا حصہ ہے لیکن ان دنوں تاجکستان کا حصہ تھا۔ تاریخ پیدائش ۳۰ ستمبر ۱۲۰۷ء ہے۔ جب منگولوں نے یورش کی تو ان کے والد پورے خاندان کو لے کر ایران آ گئے۔ یہاں مولانا رومی کی ملاقات عطار نیشاپوری سے ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ یہ دو برس ان کے ساتھ رہے۔ ۱۲۴۴ء میں ان کی ملاقات شمس تبریزی سے ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ مولانا رومی کہیں بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ساتھ ہی دوسری کتابیں بھی رکھی ہوئی تھی۔ ایک درویش کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہوں نے مولانا رومی سے پوچھا ''کیا کر رہے ہو؟'' مولانا نے جواب دیا: ''تم نہیں سمجھ سکو گے۔'' درویش نے کتابیں اٹھا کر ایک قریبی تالاب میں پھینک

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیں۔ مولانا نے لپک کر کتابیں پانی سے نکالیں تو دیکھا وہ بالکل خشک تھیں۔ مولانا نے حیرانی سے پوچھا "یہ کیا ہے۔" "تم نہیں سمجھ سکو گے۔" جواب ملا۔ دونوں میں دوستی ہوگئی اور وہ ایک طویل عرصے تک اکٹھے رہے۔ پھر ایک دن وہ اچانک غائب ہوگئے۔ مولانا رومی نے ان کی جدائی پر کئی نظمیں لکھیں بلکہ ان کا ایک پورا دیوان ہی ان کے نام پر ہے۔ "دیوانِ شمس تبریز" ان کا ایک بڑا کام مثنوی مولانا رومی" ہے جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اصل میں تو یہ فارسی زبان میں قرآن کی تفسیر ہے۔ علامہ اقبال مولانا رومی کو اپنا روحانی استاد مانتے تھے، ان کی شاعری میں جگہ جگہ مولانا رومی کے حوالے ملتے ہیں۔

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف

☆☆☆☆

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

بال جبرئیل میں تو انہوں نے "پیرومرید" کے عنوان سے ایک طویل نظم لکھی ہے جس میں وہ خود مرید ہندی بن کر پیر رومی سے مختلف سوال کرتے ہیں اور ان کے کلام سے چن چن کر پیر رومی کی طرف سے جواب دیتے ہیں۔ مثلاً

مرید ہندی

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب
روح میں باقی ہے اب تک درد و کرب

پیر رومی

دست ہر نا اہل بیمارت کند
سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

"تجھے ہر نااہل (نے غلط علاج کر کے) بیمار کر دیا ہے۔ ماں کی طرف آ کہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیری تیمارداری کرے۔"

مرید ہندی

اب مسلماں میں نہیں وہ رنگ و بو
سرد کیونکر ہو گیا اس کا لہو

پیر رومی

تا دل صاحبدلے نامد بہ درد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

"جب تک کسی مقبول بندے کا دل نہ دکھے، خدا کسی قوم کو رسوا اور ذلیل و خوار نہیں کرتا۔"

مرید ہندی

کس طرح قابو میں آئے آب و گل
کس طرح بیدار ہو سینے میں دل؟

پیرِ رومی

بندہ باش و بر زمیں رو چوں سمند!
چوں جنازہ نے کہ بر گردن برند!

"انسان بنو اور زمین پر گھوڑے کی طرح چلو، جنازے کی طرح نہیں کہ جسے گردنوں پر اٹھایا جاتا ہے۔"

میوزیم کے باغ میں ایک بہت بڑے پورٹریٹ میں علامہ اقبال اور مولانا رومی کو ملتے ہوئے دکھایا گیا ہے جس میں مولانا رومی بڑی شفقت سے علامہ اقبال کو گلے لگا رہے ہیں۔ پتھر کی ایک تختی پر بھی علامہ اقبال کا نام کندہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے یہاں کبھی حاضری دی تھی۔ میوزیم کے اردگرد انتہائی خوبصورت باغ ہے جس میں پھولوں کی کیاریاں ہیں، فوارے ہیں اور صاف ستھری روشیں، کئی لوگ اپنے گھر والوں کے ساتھ آئے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے تھے اور مختلف گوشوں میں دریاں بچھائے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

مولانا رومی کے مزار سے نکل کر ہم واپس ٹرام سٹیشن کی طرف آئے اور بسوں کے اڈے پر اتر گئے۔ طرطوس کے لیے بس پکڑی جو اپنے شیڈول کے مطابق ایک بجے روانہ ہوگئی۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ پانچ چھ گھنٹوں میں طرطوس پہنچ جائے گی جب دن کی کافی روشنی باقی ہوگی تو ہم اصحاب کہف کا غار آج ہی دیکھ لیں گے۔ لیکن سفر ہماری توقعات سے کہیں زیادہ طویل نکلا۔ ایک تو راستہ پہاڑی تھا، بس کی رفتار سست ہوگئی۔ پھر کئی جگہ ٹوٹی پھوٹی بھی تھی۔ جب پہاڑی راستہ ختم ہوا تو بس ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ جانے والی سڑک پر چلنے لگی۔ ساحل سمندر پر بے ہودگی تھی، برہنگی، عریانیت، غسل آفتابی کے نام پر سینکڑوں لوگ ریت پر لیٹے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ ہوٹل بھی نظر آئے لیکن ہم نے سوچا کہ ان مقامات پر جہاں غیر ملکی اور ملکی سیاحوں کا ہجوم ہے، ہوٹل بھی مہنگے ہوں گے۔ اس لیے جب مرسین آیا تو ہم بس سے نہیں اترے بلکہ طرطوس ہی پہنچنے کا فیصلہ کیا جو یہاں سے صرف بیس کلومیٹر دور تھا لیکن جب وہاں پہنچے تو اندھیرا چھا چکا تھا، پچھلی دو راتیں ہم نے بسوں میں ٹرمینل پر یا مسجد میں گزاری تھیں، سوچا کہ آج کی رات تو آرام دہ طریقے سے گزاری جائے۔ ہم ٹیکسی سٹینڈ پر پہنچے۔ وہاں کے انچارج کو عربی آتی تھی۔ اسے بتایا کہ ہم نے صبح اصحاب کہف کا غار دیکھنے جانا ہے، کیا کریں۔ بولا کہ وہ تو یہاں سے کافی دور ہے۔ ٹیکسی لے کر وہاں چلے جاؤ، وہیں کسی ہوٹل میں ٹھہر جانا۔ صبح اٹھ کر غار دیکھ لینا۔ ہمارا ماتھا ٹھنکا۔ ٹیکسی والے دور کی سواریوں کے متلاشی ہوتے ہیں۔ جب یہ خود بتا رہا ہے کہ غار کافی دور ہے تو ایک تو کرایہ زیادہ لگے گا، دوسرے ہوسکتا ہے کہ ہوٹل بہت مہنگا ہو۔ ہم نے اسے کہا کہ وہ ہمیں یہیں کہیں کسی سستے سے ہوٹل میں بھجوا دے۔ اس نے ایک ٹیکسی والے کو ایک ہوٹل کا پتہ بتایا۔ اس نے غصے کے عالم میں ہمیں بٹھایا اور ایک ہوٹل پہنچا دیا۔ جو زیادہ دور نہیں تھا۔ کم فاصلے کی وجہ سے وہ غصے میں تھا۔ ہوٹل میں دو نوجوان لڑکوں نے ہمارا استقبال کیا اور پوچھا کہ اے سی والا کمرہ لیں گے یا بغیر اے سی کا۔ جب ہم نے کہا کہ اے سی والا تو ان کی باچھیں کھل گئیں۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے رات کے تیس لیرے طلب کیے لیکن پچیس پر مان گئے۔ دونوں بھائی تھے۔ چھوٹے بھائی نے ہماری رہنمائی کی بلکہ خود ساتھ لے کر ایک تندور پر گیا اور کھانا خریدنے میں مدد کی۔ رات گہری نیند آئی۔

صبح گھڑیال کی آواز سے آنکھ کھلی، ہمیں حیرت ہوئی کہ آج کل تو گھڑیالوں کا رواج ہی ختم ہو چلا ہے، یہ آواز کہاں سے آئی۔ اس سے پہلے ایسی آواز ہم نے بچپن میں سنی تھی۔ پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس کی عمارت میں جو گھڑیال نصب ہے وہ ہر گھنٹے بعد گھنٹیاں بجا کر وقت کا اعلان کرتا تھا۔ دن کے وقت تو اس کی آواز ٹریفک کے شور میں دب جاتی تھی لیکن رات کو یہ آواز دور دور تک سنائی دیتی تھی۔ یا پھر ایسی آواز ہم نے لندن میں بگ بین کی سنی تھی۔ بی بی سی والے اپنی نشریات میں وقت بتاتے ہوئے اسی گھڑیال کی آواز سناتے ہیں۔ ہم نے بالکونی میں آ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہوٹل کے ساتھ ہی طرطوس کی میونسپل کمیٹی کا دفتر ہے اور یہ گھڑیال اسی عمارت میں نصب ہے۔

مسجد بلال حبشیؓ:

ہم نہا دھو کر تیار ہوئے۔ ناشتے کے لیے باہر آئے تو ایک بورڈ دیکھا جو ''مسجد بلال حبشی'' کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ترکی زبان میں جیم کو انگریزی حرف سی سے لکھتے ہیں تو مسجد Mescit کی طرح لکھی جاتی ہے۔ ہمیں حیرت ہوئی اور تجسس بھی کہ ایسے ہی کسی نے یہ مسجد آپ کے نام منسوب کر دی ہے یا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا کوئی تعلق بھی ہے اس مسجد سے۔ ایک پولیس والے سے مسجد کی طرف رہنمائی چاہی۔ اس نے ہاتھ کے اشاروں سے سمجھایا کہ پہلے دائیں جائیں، پھر بائیں، پھر سیدھا جا کر بائیں مڑنا ہے۔ اس کی گفتگو تو ظاہر ہے سمجھ میں نہیں آئی لیکن ہاتھ کے اشارے ذہن نشین کر لیے۔ تھوڑی دیر میں ہم مسجد کے سامنے کھڑے تھے جس کے باہر پتھر کی ایک تختی پر جلی حروف میں لکھا تھا ''مسجد بلال حبشی''، لیکن داخلی دروازے پر ایک بڑا سا قفل پڑا ہوا تھا۔ ہم نے دائیں بائیں دیکھا تو کچھ بوڑھے لوگ نظر آئے جو بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ ہم ان کے قریب آئے اور ان سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اشاروں میں کہا کہ ہم یہ مسجد دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایک آدمی اہلاً وسہلاً کہتا ہوا اٹھا۔ اس کے پاس چابیوں کا ایک گچھا تھا۔ اس نے مسجد کھول دی۔ ہم اندر داخل ہوئے تو مبہوت رہ گئے۔ مسجد کی ایک جانب قبر بنی ہوئی تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا ''مدفن حضرت بلال حبشیؓ'' ہم نے مسجد کے متولی سے تصدیق چاہی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تو مدینے میں رہتے تھے، حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد شاید کوفہ چلے گئے تھے۔ ان کی قبر یہاں کیسے۔ اس نے بتایا کہ آپ جہاد کے لیے یہاں آئے تھے، یہیں ان کا انتقال ہوا اور یہ قبر انہی کی ہے۔ ہمیں یہ تو معلوم تھا کہ ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ رومیوں کے خلاف جہاد میں جو حصہ لے گا، جنت اس کے لیے واجب ہو جائے گی تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سمیت بہت سے صحابہ اس جہاد میں شرکت کے لیے مدینے سے یہاں آئے تھے۔ وہ یہیں شہید ہوئے اور یہیں دفن ہوئے لیکن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور دوسرے کچھ صحابہ کے مزار استنبول میں ہیں۔ طرطوس وہاں سے تقریباً ایک ہزار کلومیٹر جنوب میں ہے۔ آپ یہاں کیسے اور کیوں آئے۔ اس کا جواب تو نہیں مل سکا۔ ہم نے دو رکعات نفل تحیۃ المسجد پڑھی۔ عقیدت سے فاتحہ پڑھی اور لوٹ آئے۔

ایک ''دہشت گرد'' سے ملاقات:

ناشتے کے بعد ہم ہوٹل سے نکل آئے۔ وہی پولیس مین پھر ملا جس سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی مسجد کا پتہ پوچھا تھا۔ اب ہم نے اصحاب کہف کی سمت دریافت کی۔ اس نے ایک لمبی تقریر کی۔ ہم جو سمجھے وہ یہ تھا کہ غار تو بہت دور ہے البتہ کوئی بس مل جائے گی۔ ہم نے ایک سمت چلنا شروع کر دیا۔ سڑک پر اصحاب کہف کے غار کی سمت رہنمائی کے لیے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ ہم کوئی دو کلومیٹر چلے ہوں گے کہ ہمت جواب دے گئی۔ بغداد میں کئی میل پیدل چلنے سے پیروں میں جو چھالے پڑ چکے تھے، دکھنے لگے تھے اور پنڈلیوں کی سامنے والی ہڈیوں سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ ہم نے آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہم میں ہمت نہیں رہی۔ غیب سے کوئی مدد فرما۔ جیسے کہ دعا سن لی گئی ہو، سامنے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی ایک اور پولیس مین نظر آیا۔ اس سے رہنمائی چاہی تو اس نے قریب ہی ایک بس کی طرف اشارہ کیا جو اسی وقت وہاں آ کر رکی تھی۔ ہم اس میں سوار ہو گئے۔ ڈرائیور کو بتایا کہ اصحاب کہف کے غار جانا چاہتے ہیں، اس نے ایک لمبی تقریر کی جو بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر اس نے بس چلا دی۔ ہم اتنی بات تو سمجھ گئے تھے کہ یہ بس وہاں نہیں جا رہی لیکن جب اس نے ہمیں اتارے بغیر بس چلا دی تھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہمیں کہیں نہ کہیں اتار دے گا۔ ہم ڈرائیور کی بغلی نشست پر بیٹھ گئے۔ اس نے پورے شہر کا چکر لگایا اور پھر ایک سنسان سی جگہ پر پہنچ کر اس نے اشاروں سے بتایا کہ وہ سامنے شاہراہ ہے وہاں سے کچھ مل جائے گا۔ ہم بس سے اتر کر شاہراہ پر آ گئے۔ فوراً ہی ایک ویگن آئی جس کی فرنٹ سیٹ پر کسی یونیورسٹی کی طالبات بیٹھی ہوئی تھیں۔ انگریزی جانتی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہاں سے تو اس غار کے لیے کوئی گاڑی نہیں جاتی۔ آپ شہر واپس جائیں۔ وہاں سے سیاحوں کے لیے خصوصی بسیں چلتی ہیں۔ ہم پریشان ہو کر واپس پلٹے۔ سبزی کی ایک دکان نظر آئی۔ وہاں دو آدمی بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ان سے پوچھا کہ کوئی انگریزی، عربی، فارسی جانتا ہے۔ نوجوان بولا ہاں میں جانتا ہوں۔ ہم نے مدعا بیان کیا تو انہوں نے چائے کی پیشکش کی۔ ہم نے نرمی سے انکار کر دیا۔ چائے پی کر وہ نوجوان دکان کے پیچھے گیا اور ایک پھٹیچر سی موٹر سائیکل نکال کر لایا۔ بولا "تـفـضـل" ہم بیٹھ گئے۔ راستے میں اس سے تعارف ہوا۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ ترک ہے۔ اس نے بڑی نفرت سے انکار کیا اور بڑے اصرار سے بولا "اناکردی کردی" (میں کرد ہوں) حسین نام تھا اس کا۔

عراق اور ترکی میں کردی دہشت گرد کے طور پر مشہور ہیں۔ عرصہ دراز سے انہوں نے اپنے لیے ایک الگ وطن "کردستان" کا مطالبہ کر رکھا ہے جو عراق کے شمالی علاقوں اور ترکی کے مشرقی علاقوں پر مشتمل ہے۔ اس شخص میں وہ ساری نشانیاں تھیں جو کسی دہشت گرد میں ہو سکتی تھیں، سچی بات ہے کہ ایک مرتبہ تو ہماری سٹی گم ہو گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کریں۔ سڑک سنسان تھی اور وہ موٹر سائیکل تیز چلا رہا تھا۔ اگر ہم چھلانگ لگاتے تو کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑی پسلی تڑوا بیٹھتے۔ اگر اسے کہتے کہ ہمیں اتار دو تو جاتے کہاں۔ ہم اسی حیص بیص میں تھے کہ اس نے دور ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کیا جس پر ایک مسجد کے مینار نظر آ رہے تھے۔ اس نے بتایا کہ یہ اصحاب کہف کے غار پر واقع مسجد ہے۔'' ہیں یہ تو ہمیں صحیح جگہ کی طرف لے جا رہا ہے۔'' ہم نے سوچا اور موٹر سائیکل پر بیٹھے بیٹھے ہم نے فلم بنائی۔ پھر دل میں خیال آیا کہ یہ ہم نے کیا کیا۔ اسے معلوم ہوگیا ہے کہ ہمارے پاس ایک قیمتی کیمرہ بھی ہے۔ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے اور اس کے ساتھ بیٹھ گئے تھے جو احتیاط کے تمام تقاضوں کی نفی تھی۔ لیکن ہمارا پورا سفر ہی توکل علی اللہ پر چل رہا تھا۔ منزل پر پہنچ کر اس نے ہم سے پوچھا کہ کتنی دیر لگے گی یہاں۔ ہم نے کہا ڈیڑھ دو گھنٹے لگیں گے۔ اس نے پھر پیشکش کی کہ میں دو گھنٹوں میں واپس آ جاؤں گا۔ اس نے اپنا فون نمبر بھی دیا کہ جلدی فارغ ہو جائیں تو مجھے فون کر دیں۔

طرطوس شہر کے باہر ایک پہاڑی پر واقع اس غار کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قرآن میں اصحاب کہف کے جس غار کا ذکر کیا گیا ہے، وہ یہی غار ہے۔ اسی طرح کا دعویٰ ترکی ہی کے ایک اور شہر افسین کے بارے میں بھی کیا جاتا ہے۔ طرطوس والا یہ غار ایک تہہ خانے کی شکل میں ہے۔ داخلے ہی پر سیڑھیاں ہیں جن کے ذریعے آپ نیچے اترتے ہیں تو تہہ خانے کی پہلی منزل پر پہنچتے ہیں۔ اسی منزل پر ایک کونے میں چھوٹی سی جگہ ہے جس کے اردگرد جالی لگی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اصحاب کہف کو یہاں دفن کیا گیا تھا۔ اس کے عین اوپر غار میں ایک بڑا سا سوراخ ہے جس سے سورج کی شعاعیں تہہ خانے کی اس منزل میں داخل ہوتی ہیں۔ یہاں سے مزید سیڑھیاں ہیں جو آپ کو نچلی منزل میں لے جاتی ہیں۔ یہ مستطیل شکل کا ایک بڑا کمرہ ہے۔ اس غار کے قریب ہی ایک مسجد بھی ہے۔ ایک طرف بڑے بڑے بورڈ لگے ہوئے ہیں جن پر سورہ کہف کی متعلقہ آیات لکھی ہوئی ہیں جن کا انگریزی اور ترکی زبان میں ترجمہ بھی دیا ہوا ہے۔ مسجد بنانے کا مقصد شاید یہی تھا کہ غار کے بارے میں دعویٰ موثر ہو جائے۔ بلاشبہ قرآن میں یہ ذکر ہے کہ اس وقت کے بااختیار لوگوں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استنبول۔ براعظم ایشیا اور براعظم یورپ کو ملانے والا پل

استنبول۔ ایمی نونو بندرگاہ سے بحر باسفورس کا منظر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

افسس میں اصحاب کہف کا غار

افسس کی مرکزی لائبریری کے کھنڈرات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استنبول۔ توپ کاپی میوزیم میں رسول ﷺ کے پائے مبارک کا نقش

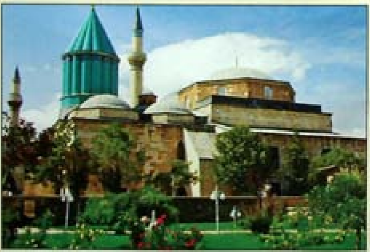

قونیہ۔ (ترکی) مزار مولانا جلال الدین رومیؒ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استنبول۔ مسجد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

مسجد سلطان فاتح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اس غار پر مسجد بنانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن یہ بعثت اسلام سے بہت پہلے کی بات ہے اور ظاہر ہے اس سے مراد یہ مسجد یں نہیں ہوسکتیں جواب مسلمانوں کی بستیوں میں پائی جاتی ہیں۔ ہوا یوں کہ اسی غار کے اردگرد گھومتے ہوئے ہماری ملاقات ایک خاتون سے ہوئی جو استنبول یونیورسٹی میں لیکچرار تھی۔ کویا نام تھا اس کا ہم نے اس سے پوچھا کہ آپ کے ملک میں تین جگہوں کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اصل غار یہ ہے۔ آپ کے نزدیک کون سا غار صحیح ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ ایفسس والا غار صحیح ہے۔ مسجد کے بارے میں اس نے بتایا کہ ایک تو یہ مسجد کسی مسلمان نے بنائی ہے اور حال ہی کی تعمیر کردہ ہے۔ مسجد کی پیشانی پر بنانے والے کا نام اور تعمیر کا سال بھی تحریر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ غار اصل غار نہیں ہے۔ ہم نے اس کا ایک مختصر سا انٹرویو بھی ویڈیو پر ریکارڈ کیا۔ شکریے کے طور پر ہم نے مشروبات کی پیش کش کی لیکن اس نے کہا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں، یہ تو میری ذمہ داری ہے۔ آئیں کیفے ٹیریا پر چلتے ہیں۔ ہم جوس پی رہے تھے جب حسین پھر آ دھمکا اس نے ہمیں دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ کویا نے پوچھا یہ کون ہے۔ ہم نے بتایا کہ اسی کی موٹر سائیکل پر تو ہم آئے ہیں۔ ہنسنے لگی اور بولی "کیا خوب انتخاب ہے۔" ہم نے بتایا کہ انتخاب کا تو موقع ہی نہیں ملا۔ مجبوری تھی اس نے محفوظ سفر کی دعا کرتے ہوئے ہمیں رخصت کیا۔

حسین کے پاس آئے تو پوچھا کہ کیا پروگرام ہے۔ ہم نے بتایا کہ حاطے جائیں گے۔ (پرانا نام انطاکیہ) جہاں حبیب نجار کا مزار ہے۔ اس نے پوچھا کہ مقام دانیال نہیں جائیں گے۔ ہم اس سے لاعلم تھے اس نے بتایا کہ وہ طرطوس کے دوسرے سرے پر واقع ہے۔ اس نے پیشکش کی کہ میں آپ کو وہاں لے چلتا ہوں، پھر آپ کو بس ٹرمینل پر چھوڑ دوں گا۔ ہم پھر اس کی موٹر سائیکل پر بیٹھ گئے۔ راستہ طویل تھا اور راہیں پر پیچ، راستے میں وسوسوں اور اندیشوں نے سر اٹھایا لیکن ہم پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کے جواب میں اسے بھیجا ہے۔ ان شاء اللہ خطرے کی کوئی بات نہیں۔ کوئی ایک گھنٹے میں ہم مقام دانیال پہنچ گئے۔ یہ ایک مسجد تھی جس کی مرمت و توسیع کا کام ہو رہا تھا۔ مقام دانیال کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطلب یہ ہے کہ کسی وقت حضرت دانیال علیہ السلام نے یہاں قیام کیا ہوگا۔

قرآن میں حضرت دانیال کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ بائبل میں رسول کی حیثیت سے ان کا ذکر ہے۔ ایک روایت ہے کہ ایک بادشاہ نے ان سے ناراض ہو کر انہیں ایک ایسی خندق میں پھنکوا دیا تھا جس میں دو بھوکے شیر موجود تھے۔ شیروں نے ان پر حملہ کرنے کی بجائے ان کے پاؤں چاٹنے شروع کر دیے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے یرمیاہ نبی کو حکم دیا کہ وہ دانیال کے لیے کھانا تیار کرے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میں فلسطین میں ہوں اور دانیال بابلون میں۔ میں اسے کھانا کیسے پہنچاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کا بندوبست ہو جائے گا۔ انہوں نے کھانا تیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انہیں متعلقہ خندق تک پہنچا دیا۔ حضرت یرمیاہ نے انہیں آواز دی۔ پوچھا کون؟ فرمایا میں یرمیاہ ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ اس پر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جو کسی بھی حالت میں اپنے بندوں سے غافل نہیں رہتا۔ احادیث میں بھی حضرت دانیال کا ذکر ملتا ہے۔

مقام دانیال سے حسین ہمیں بس ٹرمینل پر لائے اور حاطے (انطاکیہ) کے لیے ٹکٹ خریدنے میں مدد کی۔ حسین نے ہماری خاطر اتنا طویل سفر کیا تھا۔ ترکی میں پٹرول مہنگا تھا۔ ہم نے سوچا کہ اخراجات کی مد میں حسین کو کچھ ادائیگی کر دی جائے۔ ہم نے جب اس سے بات کی تو اس نے پیسے لینے سے صاف انکار کر دیا اور آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولا: اِنَّ اَجْـرِیَ عَـلَـی اللّٰـهِ (''میرا اجر اللہ کے ذمے ہے۔'') ہماری آنکھیں غمناک ہوگئیں۔ یہ فقرہ قرآن میں کئی جگہ وارد ہوا ہے۔ جب اللہ کے رسول اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے تو یہی کہتے کہ یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، اس پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے۔

حبیب نجار کے مزار پر:

طرطوس سے حاطے کا سفر ہماری توقعات سے طویل تر ثابت ہوا۔ ہم تین گھنٹوں میں حاطے پہنچے۔ ٹرمینل پر ایک بنچ پر ایک شخص تنہا اور اداس بیٹھا تھا۔ ہم اس کے پاس گئے۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے انگریزی آتی تھی۔ تعارف ہوا۔ علی بلال طوانی اس کا نام تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی کا انتظار کر رہا تھا۔ جس نے شام پانچ بجے تک آنا تھا۔ ہم نے اس سے حبیب نجار کے مزار کا پتہ کیا۔ وہ ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہوگیا کہ اتنی دیر یہاں بیٹھ کر کیا کروں گا۔ ایک بس میں ہم شہر پہنچے۔ وہ ہمیں لے کر ایک چڑیا گھر میں داخل ہوگیا اور بڑے شوق سے جانور دکھانے لگا۔ ہم کچھ دیر تو اس کا دل رکھنے کو اس کے ساتھ پھرتے رہے پھر ہم نے اسے بتایا کہ ہمیں چڑیا گھر سے کوئی دلچسپی نہیں وہ ہمیں ہماری مطلوبہ منزل پر لے چلے۔ وہ ہمیں حبیب نجار کے مزار پر لے گیا۔ بولا آپ مزار دیکھیں، میں ذرا گھر سے ہوکر آتا ہوں۔

سورۃ یٰسین کے دوسرے رکوع میں یوں مذکور ہوا ہے:

''انہیں مثال کے طور پر اس بستی والوں کا قصہ سناؤ جبکہ اس میں رسول آئے تھے، ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے اور انہوں نے دونوں کو جھٹلا دیا۔ پھر ہم نے تیسرا مدد کے لیے بھیجا اور ان سب نے کہا، ''ہم تمہاری طرف رسول کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں۔'' بستی والوں نے کہا: ''تم کچھ نہیں ہو مگر ہم جیسے انسان اور خدائے رحمٰن نے ہرگز کوئی چیز نازل نہیں کی ہے۔ تم محض جھوٹ بولتے ہو۔'' رسولوں نے کہا: ''ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم ضرور تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ہم پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔'' بستی والے کہنے لگے: ''ہم تو تمہیں اپنے لیے فال بد سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور ہم سے تم بڑی دردناک سزا پاؤ گے۔'' رسولوں نے جواب دیا: ''تمہاری فال بد تو تمہارے اپنے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کیا یہ باتیں تم اس لیے کرتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ تم حد سے گزرے ہوئے لوگ ہو۔ اتنے میں شہر کے دور دراز گوشے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور بولا: ''اے میری قوم کے لوگو! رسولوں کی پیروی اختیار کر لو۔ پیروی کرو ان لوگوں کی جو تم سے کوئی اجر نہیں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چاہتے اور ٹھیک راستے پر ہیں)۔ آخر کیوں نہ میں اس ہستی کی بندگی کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف تمہیں بعد کو پلٹ کر جانا ہے، کیا میں اسے چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لوں؟ حالانکہ اگر خدائے رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی شفاعت میرے کسی کام آ سکتی ہے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا، تم بھی میری بات مان لو۔ (آخر کار ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا) اور اس شخص سے کہا گیا "داخل ہو جا جنت میں" اس نے کہا کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میرے رب نے کس چیز کی بدولت میری مغفرت فرما دی اور مجھے باعزت لوگوں میں داخل فرمایا"

ان آیات میں جن صاحب کا ذکر ہے ان کا نام حبیب بتایا جاتا ہے۔ وہ پیشے کے لحاظ سے ترکھان تھے۔ ترکھان کو عربی میں نجار کہتے ہیں اور یہ مزار حبیب نجار کے نام ہی سے منسوب ہے۔ قدیم مفسرین بالعموم یہی کہتے ہیں کہ اس بستی سے مراد انطاکیہ ہے اور جن رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عیسائیوں کی کسی مستند روایت سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں میں سے کسی کو تبلیغ کے لیے انطاکیہ بھیجا ہو۔ اس کے برعکس بائبل کی کتاب اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صلیب کے چند سال بعد عیسائی مبلغین پہلی مرتبہ وہاں پہنچے تھے اب یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو نہ اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہو نہ اللہ کے رسول نے مامور کیا ہو وہ اگر بطور خود تبلیغ کے لیے نکلے ہوں تو کسی تاویل کی رو سے بھی وہ اللہ کے رسول قرار نہیں پا سکتے۔ علاوہ بریں بائبل کے بیان کی رو سے انطاکیہ پہلا شہر ہے جہاں کثرت سے غیر اسرائیلیوں نے دین مسیح کو قبول کیا اور مسیحی کلیسا کو غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی حالانکہ قرآن جس بستی کا ذکر یہاں کر رہا ہے وہ کوئی ایسی بستی تھی جس نے رسولوں کی دعوت کو رد کر دیا اور بالآخر عذاب الٰہی کا شکار ہوئی۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاریخ میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انطا کیہ پر ایسی کوئی تباہی نازل ہوئی ہو جسے انکار رسالت کی بنا پر عذاب قرار دیا جا سکتا ہو۔

یہ بات تو طے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے درمیان کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوئے۔ عین ممکن ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پہلے پیش آیا ہو کیونکہ انطا کیہ کافی قدیم شہر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ سو سال پہلے بھی یہاں انسانی بستیوں کے آثار بتائے گئے ہیں۔ اسے باقاعدہ بسانے کا عمل بھی سکندر اعظم کی وفات کے بعد تین سو سال قبل مسیح میں شروع ہوا۔

اس کی تاریخی حیثیت کچھ بھی ہو، بہر حال یہ مزار یہاں موجود تھا اور ایک مسجد کے صحن میں واقع تھا۔ اردگرد کی دیواروں پر سورۂ یٰسین کی متعلقہ آیات لکھی ہوئی تھیں۔ مزار تین منزلوں پر مشتمل ہے۔ قبر تو سب سے نچلی منزل پر ہے لیکن اوپر کی منزل پر تعویذ موجود ہے جس پر ترکی روایات کے مطابق چادر پڑی ہوئی تھی اور اس پر پگڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔

ہم مزار سے باہر آئے۔ ایک قریبی ہوٹل میں کھانا کھایا اور ایک بس سٹاپ پر آ کھڑے ہوئے کہ ہمیں بس ٹرمینل پر پہنچنا تھا۔ اچانک ہمارے سامنے سے ایک بس گزری۔ علی طوانی ایک کھڑکی سے باہر لٹکا ہوا تھا اور زور زور سے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ پتہ چلا کہ ہم غلط سمت میں کھڑے ہوئے تھے۔ بس تھوڑی دور جا کر رک گئی۔ ہم بھاگے اور اس میں سوار ہو گئے۔ بس ٹرمینل آ ٹو گھر پہنچے۔ علی بلال طوانی کو دو لڑکیاں ملیں جو کسی یونیورسٹی کی طالبات تھیں۔ ان میں سے ایک کو علی بلال نے چالیس لیرے دیئے۔ پھر ہمیں لے کر کیفے ٹیریا کی طرف چلا۔ شرمندہ شرمندہ سا تھا۔ کیونکہ صبح اس نے ہمیں بتایا تھا کہ اس نے اپنے کسی بھائی کو پیسے دینے ہیں۔ ہم نے بھی کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے ہمیں چائے پلائی۔ استنبول کے لیے ٹکٹ خریدنے میں مدد کی۔ مدد اس طرح کہ بکنگ کلرک لڑکی نے ۶۵ لیرے مانگے تھے لیکن علی بلال نے اس سے لڑ جھگڑ کر یہ ٹکٹ ہمیں پچاس لیرے میں دلوا دیا۔ اللہ جانے کیا ماجرا تھا۔ علی بلال طوانی نے بڑے تپاک سے بوسے دے کر ہمیں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رخصت کیا۔

انطا کیہ سے استنبول کا سفر طویل تھا۔ ہمیں تقریباً ایک ہزار کلومیٹر کی مسافت طے کرنی تھی اور بس نے پوری رات سفر کے بعد استنبول پہنچنا تھا۔ ہمیں یہ فکر بھی تھی کہ بس ہمیں ایشیاء اتارے گی یا یورپ میں۔ اگر ایشیا میں اتارتی تو بحری جہاز کے ذریعے ہمیں یورپ پہنچنا تھا۔ سفر طویل تھا اس لیے مسافروں کی خدمت کے لیے ایک کی بجائے دو لڑکے تھے۔ راستے میں تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ دونوں کالج کے طلبہ ہیں اور ترکی کے معمول کے مطابق گرمیوں کی چھٹیوں میں کام کر رہے تھے۔ ان میں ایک پتلا دبلا تھا، دوسرا گول مٹول، گوری سپید رنگت۔ راستے بھر وہ مسافروں کی خدمت کرتے رہے۔ جب استنبول سو کلومیٹر رہ گیا تو دبلا پتلا لڑکا بس سے اتر گیا۔ اب ساری ذمہ داری ایک ہی لڑکے پر رہ گئی۔ پوری رات جاگنے سے وہ کھملا گیا تھا اور آنکھوں کے اردگرد حلقے بھی پڑ گئے تھے۔ استنبول میں اترتے ہوئے ہم نے اسے بوسہ دیا اور کہا کہ تم اگر میرے بیٹے ہوتے تو میں کبھی تمہیں اتنی مشقت والا کام نہ کرنے دیتا۔ اس نے عقیدت سے ہمارے ہاتھ چومے اور بولا "تشکرے ایدے رم (بہت بہت شکریہ) لیکن آپ کو معلوم نہیں، ترکی میں زندگی گزارنی بڑی مشکل ہے۔"

بس نے ہمیں یورپ ہی میں اتارا تھا۔ ہم نے ٹرام پکڑی اور زیتون برنو پہنچ گئے۔ یہاں ایک پل ہے، اس کے پار انجینئر اکبر علی کا گھر تھا۔ وہاں پہنچے تو عبیداللہ اکبر سے ملاقات ہوئی۔ سیلانی آدمی ہے، سیر وسیاحت کا شوقین۔ اس نے پاکستان کے طول وعرض کو تفصیل سے دیکھا ہے اور ہر علاقے کی تصاویر بنا کر انہیں انٹرنیٹ پر ڈال رکھا ہے۔ ترکی بھی سیاحت کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ ٹریول ایجنٹ نے ان کے ویزے کی میعاد ختم ہونے کے دو دن بعد کی پرواز میں بک کیا تھا اور کہا تھا کہ ترک لوگ ان چھوٹی موٹی باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہم شام کو عبیداللہ کو چھوڑنے گئے تو پتہ چلا کہ انہیں ویزہ زائد المعیاد ہونے پر ۷۰ لیرے ادا کرنے پڑے۔

دوسرے دن انجینئر اکبر نے پاکستان روانہ ہونا تھا۔ ہم ناشتہ کر کے سیر سپاٹے کے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے نکل گئے تاکہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ مل کر سامان پیک کر سکیں۔ ہم فاتح مسجد کی طرف گئے۔ عدنان میندریس چوک، بزم عالم یونیورسٹی اور دیگر اداروں کا طواف کیا۔ دوپہر کو واپس آئے تو وہ پیکنگ مکمل کر چکے تھے۔ انہوں نے کچن میں لے جا کر مجھے بتایا کہ یہ کھانے پینے کی کچھ چیزیں ہیں، چاول، دالیں، ٹماٹر، آلو، پیاز لہسن چائے کی پتی وغیرہ۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ پانی کی پانچ لیٹر کی ایک بوتل، دودھ، ڈبل روٹی، مکھن وغیرہ لے آئیں تو یہ سامان آپ کے قیام کے دوران کفایت کرے گا اور آپ کو ہوٹلوں میں پیسے خرچ نہیں کرنے پڑیں گے۔ کھانے پکانے میں ہمیں جو مہارت حاصل تھی اس کا ذکر ہم جنٹلمین بسم اللہ میں کر چکے ہیں۔ اس مہارت میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا تھا لیکن ہم نے انجینئر اکبر کی ہدایات پر عمل کیا اور کچھ نہ کچھ پکا لیتے۔ انجینئر اکبر شام کو رخصت ہو گئے اور تین بیڈ روم کا یہ کھلا گھر ہمارے حوالے تھا۔

استنبول کی مساجد اور توپ کاپی میوزم:

صبح ہم مسجد فاتح دیکھنے گئے۔ ہر مسجد ترکوں کی اسلامی طرز تعمیر کا شہکار ہے۔ اسے قسطنطنیہ فتح کرنے والے سلطان محمد نے تعمیر کروایا تھا اور انہی کے نام پر یہ مسجد فاتح کہلاتی ہے۔ درمیانی گنبد کا محیط ۲۶ میٹر ہے۔ اس کے اردگرد چار گنبد ہیں۔ کناروں پر چار اونچے مینار اور چاروں طرف چھوٹے چھوٹے گنبدوں کی قطاریں۔ استنبول میں زیادہ تر مسجدیں اسی طرز پر بنائی گئی ہیں۔ بحر باسفورس کے کنارے سے شہر کا نظارہ کریں تو پورا شہر سمندر کے نشیب سے بتدریج بلند ہوتا جاتا ہے۔ گھروں اور دفتری عمارات کے درمیان جا بجا مسجدیں نظر آتی ہیں۔ مسجدوں کی کثرت کی وجہ سے اسے مسجدوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی اس میں آٹھ مدرسے، ایک لائبریری، ہسپتال، کارواں سرائے، مارکیٹ اور غریبوں کو کھانا کھلانے کے لیے لنگر بھی تعمیر کیا گیا تھا۔ زلزلوں کی وجہ سے اس مسجد کو کئی بار نقصان بھی پہنچا لیکن ہر بار اسے پہلے سے بہتر انداز میں تعمیر کیا گیا۔ لاکھوں سیاح اس مسجد کو دیکھنے آتے ہیں۔ غیر ملکی سیاحوں میں خواتین کے لیے عبائے، سکارف، اور جوتوں پر پہننے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے شاپر مہیا کیے جاتے ہیں۔

نیلی مسجد بھی دیکھتے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی اندرونی دیواروں پر نیلے رنگ کی ٹائلیں اور روشندانوں اور کھڑکیوں میں نیلے رنگ کے شیشے استعمال کیے گئے ہیں اس لیے اس کا نام نیلی مسجد پڑ گیا۔ اسے سلطان احمد اول نے ۱۶۰۹ء میں تعمیر کروایا تھا۔ ۳۰ نومبر ۲۰۰۶ء کو عیسائی دنیا کے رہنما پوپ بینڈ کٹ بھی یہ مسجد دیکھنے آئے۔ مسجد میں داخل ہو کر وہ دو منٹ خاموش کھڑے رہے۔ پھر انہوں نے تمام دنیا کے لوگوں کے لیے امن اور سلامتی کی دعا کی۔

مسجدیں دیکھنے کے بعد ہم توپ کاپی محل دیکھنے گئے۔ توپ کا مطلب تو توپ ہی ہے، کاپی ترکی زبان میں دروازے کو کہتے ہیں، مطلب ہوا توپ والا دروازہ۔ پہلے اس محل کا نام توپ کاپی سرائے تھا لیکن بعد میں شاید ایک دروازے پر توپیں رکھی گئی ہوں گی جس سے اس کا موجودہ نام پڑا۔ اسے سلطان محمد ثانی نے ۱۴۵۹ء میں تعمیر کروایا۔ اس کے بعد سلطنت عثمانیہ کے ۶۳۴ سالہ دور میں چار سو سال تک یہ حکمرانوں کی رہائش گاہ اور امور سلطنت کے لیے مرکزی عمارت کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ ۱۹۲۳ء میں خلافت کے خاتمے کے بعد اسے میوزیم کی شکل دے دی گئی۔ اس کی ایک طرف بحر مرمرا ہے اور ایک طرف بحر باسفورس۔ یہ کئی میلوں پر محیط ہے اور پورا میوزیم دیکھنے کے لیے دو تین دن درکار ہیں۔ ہم جب وہاں پہنچے تو ایک داخلی دروازے کی پیشانی پر لکھی فارسی عبارت پڑھ رہے تھے کہ ایک گائیڈ سیاحوں کا ایک گروپ لے کر وہاں پہنچا۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ دروازے کی پیشانی پر لکھی تحریر پڑھ سکتا ہے۔ اس نے معذوری ظاہر کی تو ہم نے وہ عبارت پڑھ کر سنائی جو تعمیر کنندہ اور سن تعمیر سے متعلق تھی۔ وہ بڑا حیران ہوا اور پوچھا کہ کیا ہم اس کا مطلب بھی سمجھتے ہیں۔ ہم نے بتا دیا۔ وہ بولا ہمارے لیے تو یہ اجنبی زبان ہے۔ یہ کتنی بدقسمتی کی بات ہے۔ سلطنت عثمانیہ میں فارسی بولی بھی جاتی تھی اور تحریروں میں بھی استعمال کی جاتی تھی لیکن مصطفےٰ کمال پاشا جسے اتاترک (ترکوں کے باپ) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اس نے عربی، فارسی کو دیس نکالا دے دیا اور خود ترکی زبان کا رسم الخط بھی تبدیل کر دیا۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلے یہ فارسی اور اردو کی طرح دائیں سے بائیں کولکھی جاتی تھی لیکن پھر اسے انگریزی کی طرح بائیں سے دائیں لکھا جانے لگا۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ترک اپنے اسلامی اور ثقافتی ورثے سے کٹ کر رہ گئے اور اب وہ توپ کاپی میوزیم کی عمارت پر لکھی تحریریں تک نہیں پڑھ سکتے جسے وہ بڑے فخر سے دنیا بھر سے آنے والے سیاحوں کو دکھاتے ہیں۔ کمال اتاترک نے صرف یہی ظلم نہیں کیا بلکہ اس نے پورے معاشرے کو مغربی طرز پر ڈھالنے کی کوشش بھی کی۔ کئی برسوں تک اذان پر پابندی رہی۔ ڈاڑھی رکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ سرکاری ملازموں کے لیے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس سنت پر عمل کر سکیں۔ یہاں تک کہ مسجدوں کے امام اور خطیب بھی کلین شیو ہوتے تھے بلکہ آج کل بھی زیادہ تر مسجدوں میں امام کلین شیو ہوتے ہیں۔ حجاب اور سکارف پر پابندی تھی۔ کسی خاتون کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ سکارف لے کر کسی سرکاری تقریب میں شریک ہو سکے۔ اگر انتخابات میں کوئی اسلام پسند پارٹی کامیابی حاصل کرتی بھی تھی تو فوج اس کا تختہ الٹ دیتی تھی۔ عدنان میندریس ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء تک ترکی کے وزیراعظم رہے۔ انہوں نے اذان پر سے پابندی ہٹائی اور مسلم رہنماؤں سے تعلقات استوار کرنے کی بنیاد ڈالی۔ فوج سے یہ برداشت نہ ہو سکا۔ ان کی حکومت برطرف کر دی گئی۔ ان پر اور ان کے ساتھیوں پر ایک فوجی عدالت میں مقدمہ چلا کر سزائے موت سنائی گئی اور دنیا بھر کے رہنماؤں کی رحم کی اپیل کے باوجود انہیں پھانسی دے دی گئی۔ موجودہ حکمران جماعت جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی نے بڑی حکمت سے فوج کے اختیارات کم کر کے انہیں سیاست سے الگ کیا ہے اور بتدریج اسلامی شعار اپنانے کی کوشش کی ہے۔ موجودہ صدر طیب اردگان کی اہلیہ نے پہلی بار ایک سرکاری تقریب میں سکارف اوڑھ کر شرکت کی۔ اب بہت سی خواتین ارکان اسمبلی سکارف استعمال کرتی ہیں۔

ہم توپ کاپی محل کا ذکر کر رہے تھے۔ اس کے بے شمار حصے ہیں۔ حکمران خاندان کی رہائش کے لیے چار سو کمرے تھے جو حرم کہلاتا تھا۔ اس میں کام کرنے والے خواجہ سراؤں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہائش گاہیں الگ تھیں۔ ایک امپیریل ہال تھا جو انتہائی شاندار سنہری جالیوں سے مزین ہے۔ باہر سے آنے والے سفیروں اور مہمانوں کا استقبال یہیں کیا جاتا تھا۔ ایک افطار حجرہ ہے جہاں سے سمندر کا نظارہ کیا جا سکتا ہے اور غروب آفتاب کا منظر بھلا دکھائی دیتا ہے۔ کہتے ہیں رمضان کے مہینے میں افطار کا وقت قریب آنے پر خلیفہ اس حجرے میں آ کر بیٹھ جاتے تھے اور روزہ یہیں افطار کرتے تھے۔ اہم ترین حصہ وہ ہے جہاں مقدس تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں رسول خدا ﷺ کی پگڑی، تلوار، کمان، ایک دانت، ریش مبارک کے بال اور مہر نبوت سے مزین ایک خط شامل ہے۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی پگڑی ہے اور آپ کی بنت عزیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جائے نماز ہے۔ چاروں خلفاء کی تلواریں بھی یہاں رکھی ہوئی ہیں۔ کمرے میں زیادہ روشنی کا اہتمام نہیں ہے بلکہ نیم تاریکی سی رہتی ہے۔

استنبول میں قیام کے آخری دن ہم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک پر گئے۔ کسی نے بتایا کہ وہ ہمارے قیام کی جگہ زیتون برنو سے کافی دور ہے۔ ایک ٹیکسی والے سے بات کی تو اس نے ستر لیرے طلب کیے۔ لیکن اب تک ہم بسوں اور ٹراموں کے نظام سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ سو ہم نے ٹرام سے جانے کا فیصلہ کیا اور ڈیڑھ لیرے میں روضے پر پہنچ گئے۔

آپ کا اصل نام خالد بن زید بن کلیب تھا اور آپ مدینے کے بنو نجار قبیلے کے فرد تھے۔ رسول خدا ﷺ کی مدینے آمد پر آپ ﷺ نے انہی کے ہاں قیام فرمایا اور سات مہینوں تک وہیں رہائش پذیر رہے۔ پھر مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد وہاں آپ کے قیام کے لیے حجرے بن گئے تو آپ وہاں منتقل ہو گئے۔ صحیح مسلم میں قتال روم کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو قسطنطنیہ (استنبول کا پرانا نام) کی جنگ میں حصہ لے گا وہ جنت میں داخل ہوگا، اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں جب یزید بن معاویہ کی سربراہی میں اسلامی لشکر قسطنطنیہ روانہ ہوا تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر اسی برس تھی لیکن شوق شہادت میں انہوں نے جوانوں کی طرح حصہ لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو ان کے جسد خاکی کو کسی گھوڑے کی پیٹھ پر باندھ دیا جائے اور حملہ آور لشکر اس گھوڑے کو جہاں تک آگے لے جا سکتے ہیں، ساتھ لے جائیں تاکہ وہ اپنے انتقال کے بعد بھی جہاد میں شرکت کا اعزاز حاصل کر سکیں۔ یہی ہوا ایک لشکر حملہ کرتے ہوئے قسطنطنیہ کی دیوار تک جا پہنچا اور آپ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔ بعد میں اس پر ایک شاندار روضہ تعمیر کیا گیا جو خوبصورتی اور وقار میں اپنی مثال آپ ہے۔

ہم نے حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے روضے کی زیارت کے دوران دیکھا کہ بہت سے خاندان وہاں آئے ہوئے تھے۔ کچھ خاندانوں کے ساتھ ایک لڑکا تھا جو نئے لباس میں ملبوس تھا۔ اس کے گلے میں پھولوں کے ہار اور کسی کسی کے سر پر تاج بھی۔ اس کے گھر والے اس کے سامنے بچھے بچھے جاتے تھے۔ ہم نے ایک خاندان سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو اس نے بتایا کہ جس بچے کے ختنے ہونے ہوں، اسے نئے کپڑے پہنا کر یہاں لایا جاتا ہے اور اس کی ہر خواہش پوری کی جاتی ہے۔ جانے اس رسم کا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار سے کیا تعلق ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب ہی ایک صاف ستھرا قبرستان ہے جس میں کئی صحابہ کی قبریں ہیں۔ یہ وہی صحابہ تھے جو قسطنطنیہ کی جنگ میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ صرف یہیں نہیں بلکہ یہ قبریں استنبول کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی ہیں جن کی تعداد انتیس کے قریب ہے۔ ان میں حضرت ابوذر غفاری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما شامل ہیں

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سفر نامہ یورپ

ایک دفعہ افغانستان جانا ہوا۔ پاکستان کی سرحد سے شمال مغرب میں تیرہ کلومیٹر کے فاصلے پر اسد آباد ہے جو ضلع کنٹر کے پندرہ ضلعوں میں سے ایک ہے۔ یہ دریائے کنٹر اور دریائے پیچ کے سنگم پر واقع ہے۔ زمین زرخیز ہے اور ہر طرح کی فصلیں ہوتی ہیں لیکن ہمیں جو بات بھلی لگی وہ یہ کہ یہاں سیاہ گلاب ہوتے ہیں جس کی ٹہنیاں بھی خوبصورت ہوتی ہیں، چمکدار، گہرے ارغوانی رنگ کی۔ ہمیں بغداد کے وہ قصے یاد آتے رہے جب کوئی سوداگر تجارت کے لیے پردیس روانہ ہوتا تو بیٹیوں سے پوچھتا کہ ان کے لیے کیا لے کر آؤں؟ کوئی کہتی میرے لیے ہیروں کا ہار لانا، کوئی ریشم کے کپڑوں کی فرمائش کرتی۔ سب سے چھوٹی بیٹی کہتی کہ میرے لیے سیاہ گلاب کا پھول لانا۔ سوداگر اپنے کام ختم کر کے بیٹیوں کی فرمائش والی چیزیں خریدتا لیکن سیاہ گلاب کے پھول کہیں نہ ملتے اور وہ ان کی تلاش میں شہر شہر مارا پھرتا۔

جن دنوں ہم اسد آباد گئے تو روسی فوجوں نے افغانستان پر قبضہ کر رکھا تھا اور اسد آباد میں ان کا ایک مضبوط کیمپ تھا۔ ہمارے سفر کے دوران روس کے جنگی جہازوں نے ہمارے قافلے پر بھی بمباری کی لیکن الحمدللہ کہ ہر طرح خیریت رہی اور بم دائیں بائیں گرتے رہے۔

اس شہر کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ انیسویں صدی میں اسلامی اتحاد کے عظیم نقیب سید جمال الدین افغانی یہاں پیدا ہوئے۔ وہ اب سے تقریباً دو سو سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ۱۸۳۸ء میں۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ سترہ اٹھارہ برس کے تھے جب ہندوستان آئے۔ مذہبی تعلیم یہاں کے دینی مدارس میں حاصل کی۔ یہ وہ وقت تھا جب برطانیہ نے برصغیر کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علاوہ دیگر اسلامی ممالک پر بھی قبضہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے برطانیہ کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا اور اسلامی ممالک کو متحد کرنے کی تحریک شروع کی۔ زبان میں اللہ تعالیٰ نے عجب تاثیر دی تھی۔ جہاں جاتے عوام میں جوش وخروش پیدا کر دیتے۔ ان کی انقلابی تقریریں اور تحریریں حکمرانوں کو ایک آنکھ نہ بھاتیں۔ خود افغانستان سے انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ وہ ہندوستان آئے تو انگریزوں نے انہیں روسی ایجنٹ قرار دے دیا۔ یہاں سے وہ حج کے لیے حجاز تشریف لے گئے۔ وہاں سے مصر پہنچے۔ وہاں سے بھی نکال دیئے گئے۔ تیونس گئے اور وہاں کے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ فرانس سے انہوں نے ایک رسالہ بھی نکالا ''عروۃ الوثقیٰ'' حیرت یہ ہوتی ہے کہ ان دنوں ذرائع مواصلات ناپید تھے۔ مسدود ذرائع کے باوجود وہ آناً فاناً ایک سے دوسرے ملک کیسے پہنچ جاتے تھے۔ غالباً علامہ اقبال نے انہی جیسی شخصیتوں کے بارے میں کہا تھا

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے، اِدھر نکلے

خود علامہ اقبال ملت اسلامیہ کے اتحاد کے علمبردار تھے۔ کہتے ہیں:

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستان کا ہر پیر وجواں بے تاب ہو جائے

☆☆☆

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

☆☆☆

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈھ کر اسلاف کا قلب وجگر

☆☆☆

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

ہمیں تعجب اس بات پر تھا کہ سید جمال الدین افغانی جیسے شعلہ بار مقرر اور علامہ اقبال جیسے عظیم مفکر، فلسفی اور شاعر کی تمام تر کوششوں کے باوجود ملت اسلامیہ میں تو اتحاد پیدا نہ ہو سکا لیکن یورپ کے بیشتر ممالک ایک جھنڈے تلے کیسے جمع ہو گئے کہ انہوں نے اپنی سرحدیں بھی ختم کر دی ہیں۔ ایک ملک کا باشندہ بغیر کسی ویزے یا پاسپورٹ کے یورپی یونین کے ممالک میں آ جا سکتا ہے بلکہ باہر سے آنے والے کسی شخص کے لیے بھی آزادی ہے کہ اگر وہ شینگن ویزے پر یورپی یونین کے کسی ایک ملک میں آ ئے تو یونین کے باقی اٹھائیس ممالک میں بھی گھوم پھر سکتا ہے۔ ہمیں تجسس ہوا کہ ان کا جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال کون ہے جس نے انہیں ایک لڑی میں پرو دیا۔ اس کے لیے ہم نے مطالعہ بھی کیا اور یورپ جانے کا پروگرام بھی بنایا۔

یورپی یونین کی بنیاد جنگ سے خوف ہے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں یورپ نے اتنی بربادی، بھوک اور غربت دیکھی ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے رہنماؤں میں بجا طور پر یہ احساس ابھرا کہ آئندہ جنگوں سے کیسے بچا جائے۔ اس کا احساس تو پہلی جنگ عظیم ہی میں ہو گیا تھا اور ۱۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو لیگ آف نیشنز قائم کی گئی تھی جس کا ہیڈ کوارٹر سوئٹزرلینڈ میں تھا لیکن یہ صرف ۲۶ سال قائم رہ سکی اور جنگ روکنے میں ناکام رہی۔ موجودہ اقوام متحدہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو وجود میں آئی۔ ابتداء میں ۵۱ ممالک اس کے رکن تھے۔ آج کل اقوام متحدہ کے رکن ممالک کی تعداد ۱۹۳ ہے۔

یورپ کے اتحاد کی پہلی تجویز ۱۹۴۶ء میں برطانیہ کے وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل نے پیش کی تھی۔ انہوں نے اس کا نام یونائیٹڈ سٹیٹس آف یورپ تجویز کیا تھا۔ اگر یہ تجویز منظور ہو جاتی تو یو ایس اے کے مقابلے میں یو ایس ای کی تنظیم ہوتی۔ ۱۹۵۰ء میں فرانس کے وزیر خارجہ رابرٹ شومین نے یورپی اتحاد کے لیے زبردست کام کیا۔ ۱۹۵۷ء میں یورپین اکنامک

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کمیونٹی (EEC) کی بنیاد رکھی گئی۔ بالآخر یکم نومبر ۱۹۹۳ء میں یورپی یونین کی بنیاد رکھی گئی جس کا ہیڈکوارٹر بیلجیئم کے دارالحکومت برسلز میں قائم کیا گیا۔ آغاز میں اس کے رکن ممالک کی تعداد صرف چھ تھی جن میں فرانس، بیلجیئم، لکسمبرگ، اٹلی، نیدرلینڈ اور جرمنی شامل تھے۔ آج کل یورپی یونین میں ۲۸ ممالک شامل ہیں۔ یکم جنوری ۱۹۹۹ء میں یکساں کرنسی کی تجویز پیش ہوئی لیکن اس پر عمل درآمد تین سال بعد یعنی یکم جنوری ۲۰۰۲ء سے ممکن ہو سکا۔

ان معلومات کے ساتھ ہم نے اپنی اہلیہ سمیت فرانس کے ویزے کے لیے درخواست داغ دی۔ کچھ دنوں بعد ہمیں فرانسیسی سفارت خانے میں بلایا گیا۔ مختصر سا انٹرویو ہوا اور تمام انگلیوں کے نشانات حاصل کیے گئے۔ شینگن ویزے کی باقی شرائط ہم پہلے ہی پوری کر چکے تھے۔ پھر ایک دن ہم یونیورسٹی ہی میں تھے کہ سفارت خانے سے فون آیا کہ آپ کا ویزہ لگ چکا ہے آ کر پاسپورٹ لے جائیں۔ ہم نے پاسپورٹ لیے۔ ایک ٹریولنگ ایجنٹ کے پاس گئے۔ اتفاق سے ہمیں دوسرے دن کی ٹکٹیں مل گئیں۔ ہم نے وہیں سے گھر فون کر کے اہلیہ کو بتایا کہ ہم دوسرے دن فرانس کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ حسب معمول احتجاج ہوا کہ اتنے لمبے سفر کے لیے اتنی مختصر مہلت۔

دوسرے دن صبح ہم اسلام آباد ایئرپورٹ کے انٹرنیشنل پسینجر لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ اندرون ملک پرواز کے دوران ہم نے بارہا سوچا کہ بین الاقوامی پرواز کے لیے مسافروں کی انتظار گاہ زیادہ خوبصورت اور آرام دہ ہوگی۔ یہ خوش فہمی اس دن دور ہوگئی۔ نشستیں اتنی محدود تھیں کہ بیشتر مسافروں کے لیے بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ زیادہ تر مسافر ٹہل ٹہل کر وقت گزار رہے تھے۔ پرواز کا وقت ہوا تو روانگی کا اعلان ہوا کہ خواتین اور فیملی کے ساتھ سفر کرنے والے حضرات جہاز پر تشریف لے چلیں۔ تمام مسافر بلا امتیاز گیٹ کی طرف لپکے۔ اکثریت مزدور حضرات کی تھی جو ابوظہبی جا رہے تھے۔ میلے کچیلے کپڑوں میں۔ ملبوس، ہاتھوں میں شاپر یا پوٹلیاں اٹھائے یہ کسی طرح بھی بین الاقوامی پرواز کے مسافر نہ لگتے تھے اور اعلان کو نظر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انداز کرتے ہوئے جہاز میں گھسنے کے لیے بے تاب تھے۔ دوسرے اعلان کی نوبت ہی نہیں آئی۔ پہلے اعلان پر کون سا عمل ہو رہا تھا۔ جانے ہم قائداعظم کے بتائے ہوئے اصولوں اتحاد، ایمان، اور ڈسپلن پر عمل کرنا کب سیکھیں گے۔

تقریباً تین گھنٹے کی پرواز کے بعد ہم ابوظہبی پہنچ گئے۔ یہاں ہمیں چھ گھنٹے انتظار کرنا تھا۔ ابوظہبی کا انٹرنیشنل لاؤنج ہے بہت خوبصورت لیکن یہاں نشستیں اس طرح بنائی گئی ہیں کہ آپ بیٹھ تو سکتے ہیں، لیٹ نہیں سکتے۔ انسان چھ گھنٹے بیٹھا تو نہیں رہ سکتا۔ ہم اردگرد کی دکانوں پر ونڈو شاپنگ کرتے رہے۔ یہیں ایک خاتون سے ملاقات ہوئی جو سیالکوٹ سے آئی تھیں اور اپنے دو بچوں سمیت اپنے شوہر کے پاس پیرس جا رہی تھیں۔ طویل انتظار کی وجہ سے بچے تنگ آئے ہوئے تھے اور بار بار ماں سے پوچھتے تھے کہ ہم کب چلیں گے۔ ہماری اہلیہ ان سے گفتگو میں مصروف ہوگئیں اور ہم ان کے بچوں کو بہلانے کے لیے ٹہلانے لگے۔ چھ گھنٹے ختم ہونے کو آئے تو اعلان ہوا کہ ہماری پرواز مزید پینتیس منٹ تاخیر سے روانہ ہوگی۔ یہ پینتیس منٹ بھی گزر گئے۔ جب کوئی اعلان نہ ہوا تو ہم نے پوچھ گچھ شروع کی۔ خدا خدا کر کے متعلقہ ائیرلائن کا عملہ ہاتھ آیا۔ وہ الٹا ہمیں پر ناراض ہونے لگے کہ بورڈنگ تو مکمل ہو چکی ہے، آپ کہاں تھے۔ اس تاخیر کا فائدہ یہ ہوا کہ ائیرلائن کے ایک صاحب نے ہمارے پاسپورٹ تھامے اور جلدی جلدی امیگریشن کی کارروائی مکمل کروا دی۔ ہم جونہی جہاز میں داخل ہوئے، دروازے بند کر دیے گئے اور جہاز چل پڑا۔

ڈیگال ائیرپورٹ پر اترے تو عجیب مشکل پیش آئی۔ وہ خاتون جو ابوظہبی ائیرپورٹ پر ہمارے ساتھ تھیں اور جس کے بچوں کو ہم بہلاتے رہے تھے یوں غائب ہوئیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ شاید انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ہم ان کے پلے نہ پڑ جائیں۔ ہماری بکنگ بیلے ویو ہوٹل میں تھی۔ دو تین افراد سے پتہ پوچھنے کی کوشش کی تو زبان آڑے آئی۔ وہ فرانسیسی بولتے تھے اور انگریزی بالکل نہ سمجھتے تھے۔ دو تین ٹیکسی ڈرائیوروں سے بھی بات کی لیکن بات بنی نہیں۔ مسافروں کی سہولت کے لیے قائم کردہ ایک کاؤنٹر پر ایک خاتون

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصنف شانزے لیزے پر

پیرس۔ (مقام واردات) گارڈی نورڈ ریلوے سٹیشن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیرس ۔ ایفل ٹاور

کوپن ہیگن ۔ اغوا شدہ بچوں کا مجسمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انگریزی سمجھتی تھی۔ اس نے بتایا کہ تھوڑے سے فاصلے پر میٹرو ٹرین کا ایک سٹیشن ہے، آپ وہاں سے میٹرو میں بیٹھ کر گورڈی نور پہنچیں۔ وہاں سے یہ ہوٹل قریب ہی ہے۔ ہم نے چلنا شروع کیا تو راستے میں ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی جو کوئی اردو گانا گاتے ہوئے جا رہا تھا۔ پہلے اس نے اپنا تعارف جسویر کہہ کر کروایا لیکن ہمارے تعارف کے بعد اس نے اپنا نام تنویر بتایا۔ ہم ذہنی طور پر اتنی پریشانی میں مبتلا تھے کہ یہ بات نوٹ نہیں کی۔ اسے بتایا کہ ہوٹل کی تلاش کے ساتھ ساتھ ہم نے کرنسی بھی تبدیل کروانی ہے کیونکہ جلدی میں ہم پاکستان میں یہ کام نہیں کر سکے۔ اس نے ہمیں گارڈ نور کا ٹکٹ دلوایا۔ وہاں ٹکٹ فاصلوں کے حساب سے نہیں، وقت کے حساب سے ملتے ہیں۔

گارڈی نور اتر کر وہ ہمیں لیے ادھر ادھر پھرتا رہا یہاں تک کہ ہمارے ٹکٹ کا وقت ختم ہوگیا۔ اب ہم مختلف سمتوں میں جانے کے لیے جو بیریر لگے ہوئے تھے، انہیں کراس نہیں کر سکتے تھے۔ تب وہ ایک بیریر کے پار گیا کہ اس کے پاس سیزن ٹکٹ تھی۔ کچھ دیر کے بعد آیا اور بولا کہ بمشکل ایک دکان کھلی ملی ہے جہاں پر اچھا ریٹ مل رہا ہے۔ ہم نے ایک لاکھ روپے کے نوٹوں کی گڈی اس کے حوالے کر دی۔ جونہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا، ہمیں احساس ہوا کہ ہم سخت غلطی کر بیٹھے ہیں۔ تب ہمیں یاد آیا کہ اس نے اپنا نام پہلے جسویر بتایا تھا اور پھر تنویر۔ ہمیں معلوم تھا کہ اب اس نے واپس نہیں آنا۔ پھر بھی کچھ دیر انتظار کیا۔ اس دوران ایک فرانسیسی نوجوان سے ملاقات ہوئی جو انگریزی جانتا تھا۔ اس نے پوری کہانی سن کر مشورہ دیا کہ آپ فوری طور پر اپنے ہوٹل جائیں اور پھر سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں کہ کیا کرنا ہے۔ اس کی رہنمائی میں ہم سٹیشن سے باہر آئے اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو ہوٹل کا پتہ سمجھایا اور ہمیں رخصت کر دیا۔

ہوٹل بیلے ویو پہنچے تو آدھی رات بیت چکی تھی۔ استقبالیے پر فلسطین کا ایک نوجوان موجود تھا۔ اسے مختصراً اپنی کتھا سنائی۔ اس نے ہمیں کمرہ دیا اور بولا کہ وہ کرایے میں جتنی کمی کر سکتا ہے کر دے گا۔ ابھی آپ آرام کریں۔ اہلیہ سخت پریشان تھیں اور ان کا کہنا تھا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واپس پاکستان چلیں۔ رات زیادہ بیت جانے کی وجہ سے اس ہوٹل کا کچن بند ہو چکا تھا۔ ہم باہر گئے اور قریب ہی واقع ایک پاکستانی ہوٹل سے کھانا کھا کر واپس آ گئے۔

صبح سو کر اٹھے تو لندن میں سکندر زیدی کو فون کیا۔ انہوں نے پوری بات سن کر تسلی دی اور کہا کہ کوئی بات نہیں، ایسے حادثات ہوتے رہتے ہیں لیکن آپ سفر ملتوی نہ کریں۔ پیسوں کا بندوبست میں کرتا ہوں، آپ نے جو پروگرام بنایا ہے، اس میں کوئی کمی نہ کریں۔ انہوں نے شعیب عباسی کا فون نمبر دیا جن سے ہماری بھی خیر سلا تھی، انہیں فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ پیرس چھوڑ کر بلجئیم شفٹ ہو گئے ہیں اور وہیں رہتے ہیں۔ ہم نے سکندر کو فون کیا۔ انہوں نے کسی اور صاحب سے بات کی۔ ان کا تعلق گجرات سے ہے، شیخ مبشر۔ انہوں نے پیرس کے وسطی علاقے میں ایک ریسٹورنٹ کھول رکھا ہے۔ انہوں نے دوپہر تک آنا تھا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اس دوران شہر کی سیر کرتے ہیں۔

زیر زمین ریلوے سسٹم کو یہاں ٹیوب کہتے ہیں۔ اس نظام سے واقفیت حاصل ہو جائے تو سفر بڑا سستا پڑتا ہے۔ ہم پہلے شانزے لیزے گئے کہ پیرس کا صدر مقام بھی ہے اور شہرت کا حامل بھی۔ اس کے سپیلنگ یعنی ہجے کچھ ہیں اور تلفظ کچھ۔ لکھا یوں جاتا ہے (Champs Elyeese)، پڑھا جاتا ہے شانزے لیزے۔ یہ لفظ الیزین فیلڈز سے لیا گیا ہے۔ یونانی دیو مالائی کہانیوں میں اس سے مراد بہادر سپوتوں کی جنت ہے۔ اصل میں تو یہ ایک شاہراہ ہے تقریباً دو کلو میٹر لمبی اور ستر میٹر چوڑی۔ لا کنکارڈ سے شروع ہوتی ہے اور آرک ڈی ٹریمپف (Arc de Triomph) کے مقام پر ختم ہوتی ہے۔ اردگرد خوبصورت دکانیں ہیں، ہوٹل اور کشادہ پارک۔ ایک پارک کے کونے پر الیزے پیلس واقع ہے جو فرانسیسی صدر کی رہائش گاہ ہے۔

آرک ڈی ٹریمپف کی تعمیر فرانس کے بادشاہ نپولین کے حکم پر ۱۸۰۶ء میں شروع ہوئی تھی لیکن بوناپارٹ کی معزولی پر ۱۸۱۴ء میں روک دی گئی۔ بعد میں اس کی تعمیر ۱۸۳۶ء میں مکمل ہوئی۔ اس کی تعمیر پر اس وقت نوے لاکھ فرانک سے زیادہ اخراجات آئے۔ یہ عمارت

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرانسیسی فوج کی فتح کے جشن میں تعمیر کی گئی تھی اور اس کی دیواروں پر سو سے زائد جنگوں کا ذکر ہے جن میں فرانسیسی فوج نے حصہ لیا۔ ہر جنگ کی قیادت کرنے والے جنرل کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔

ہم شانزے لیزے ہی میں گھوم رہے تھے کہ اچانک بادل امڈ آئے اور درجہ حرارت یکلخت گر گیا۔ یوں لگتا تھا کہ بارش ہوگی۔ لوگ تیز تیز قدم اٹھاتے پناہ گاہوں کی تلاش میں بھاگے۔ ہم نے بھی ٹرین پکڑی اور ایفل ٹاور جا نکلے۔ یہاں سیاحوں کی بھیڑ تھی۔ ایک جانب سیڑھیاں تھیں جن سے لوگ پیدل اوپر جا رہے تھے اور ایک جانب لفٹ۔ دونوں طرف اتنی طویل قطاریں لگی ہوئی تھیں کہ ہماری باری آتے آتے شام ہو جاتی جبکہ ہمیں دو پہر تک ہوٹل واپس پہنچنا تھا جہاں شیخ مبشر نے ہمیں لینے آنا تھا۔ اس لیے ہم نے تصویر کشی کو کافی سمجھا۔

ایفل ٹاور ۱۸۸۹ء میں اس وقت تعمیر کیا گیا جب فرانسیسی، انقلاب فرانس کی صد سالہ سالگرہ منا رہے تھے۔ اس موقع پر ایک بین الاقوامی نمائش منعقد ہونی تھی۔ حکومت نے ٹاور کے ڈیزائن کے لیے تجاویز طلب کیں۔ سو سے زیادہ افراد نے تجاویز دیں لیکن قرعہ فال الیگزینڈر گستاف ایفل کے نام نکلا۔ یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے امریکہ کا مجسمہ آزادی بنا کر انہیں تحفتاً دیا تھا۔ اس ٹاور کو بنانے میں اٹھارہ ہزار لوہے کی پلیٹیں استعمال کی گئیں جنہیں جوڑنے کے لیے ڈھائی لاکھ نٹ بولٹ استعمال کیے گئے۔ استعمال شدہ لوہے کا وزن دس ہزار ٹن کے قریب ہے۔ تعمیر کے وقت اس کی بلندی ایک ہزار فٹ تھی جو ۱۹۲۹ء تک دنیا کی بلند ترین عمارت تھی۔ اس کے ایک طرف برقی زینے ہیں اور دوسری جانب پیدل جانے کے لیے سیڑھیاں ہیں۔ قدمچوں کی تعداد ۱۶۶۵ ہے۔ اسے دو سال، دو مہینوں اور پانچ دنوں میں تعمیر کیا گیا۔ رات کو روشنی کے لیے ٹاور پر اور اس کے اردگرد بیس ہزار ٹیوب لائٹس استعمال کی جاتی ہیں۔ ہر سات سال کے بعد اسے پینٹ کیا جاتا ہے اور پینٹنگ میں ساٹھ ہزار ٹن پینٹ استعمال ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایفل ٹاور کے بالکل سامنے دریائے سین بہتا ہے۔ وہاں پھولوں کی روشوں کے درمیان بنچ پر بیٹھ کر ہم نے ناشتہ کیا جو ڈبل روٹی، مکھن اور پنیر کی شکل میں ہم ساتھ لائے تھے۔ چائے ایک سٹال سے مل گئی، اس دوران بہت سے کبوتر ہمارے اردگرد جمع ہو گئے۔ اہلیہ نے ڈبل روٹی کے ٹکڑے انہیں ڈالنے شروع کیے تو ان کی تعداد بڑھ گئی۔ کافی دیر ہم معصوم کبوتروں کے ساتھ رہے۔ کچھ دیر دریائے سین کے کنارے سیر کرتے رہے اور پھر ٹرین کے ذریعے سینٹ میکائیل کے چرچ آ گئے جو شانزے لیزے کی متوازی ایک سڑک پر واقع ہے۔

مسجدوں کی تعمیر میں تو اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ قبلہ رخ ہوں۔ دنیا میں کہیں بھی مسجد بنائی جائے اس کا رخ خانہ کعبہ کی طرف ہوگا جیسے پاکستان میں مسجدوں کا رخ مغرب کی طرف، جنوبی امریکہ میں مشرق کی طرف، کینیڈا میں جنوب کی طرف اور آسٹریلیا میں شمال مغرب کی طرف ہوگا۔ چرچ کی تعمیر اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کا رخ مشرق کی طرف ہو۔ عام طور پر آپ مغرب کی طرف سے چرچ میں داخل ہوتے ہیں۔ اندر سے آپ چرچ کا جائزہ لیں تو اس کی شکل صلیب کی طرح ہوتی ہے۔ مستطیل شکل کا ایک بڑا ہال سروس یعنی عبادت کے لیے استعمال ہوتا ہے اسے نیو یعنی نافِ کلیسا یا گرجے کا درمیانی حصہ کہتے ہیں۔ یہاں بنچ جیسی نشست گاہیں ہوتی ہیں سامنے کے حصے میں نچلی جانب ایک جالی سی ہوتی ہے جس پر گھٹنے ٹیک کر ابتدائی دعا کی جاتی ہے۔ ان دعاؤں میں خدا کی کبریائی کا اعتراف کیا جاتا ہے اور دعا کی جاتی ہے کہ ہمارے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دے اور عام زندگی میں ہماری رہنمائی فرما۔

ہال کے سامنے کی جانب ایک پٹی شمالاً جنوباً نافِ کلیسا کو کاٹتی ہے جسے گرجے کا عرضی بازو (Transept) کہتے ہیں۔ شمالی حصہ، شمالی بازو اور جنوبی حصہ جنوبی بازو کہلاتا ہے۔ اس عرض بازو سے ہال ایک صلیب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے اوپر کا حصہ صدر کلیسا (Chancel) کہلاتا ہے۔ یہاں وعظ کرنے والے پادری اور مذہبی گیت گانے والے گلوکار

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور موسیقی کی دھنیں بکھیرنے والوں کا طائفہ بیٹھتا ہے۔ اسی جگہ کے ایک کونے میں ممبر (Pulpit) ہوتا ہے جہاں سے پادری وعظ کرتے ہیں۔ اس کے مزید اوپر قربان گاہ (Altar) ہوتی ہے جو مقدس ترین جگہ سمجھی جاتی ہے۔ روایتاً یہاں سے کسی کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ کیتھولک گرجوں میں داخلی دروازوں کے قریب ہی پتھر کا ایک برتن (Font) رکھا ہوتا ہے جو بپتسمہ دینے یعنی اصطباغ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کیتھولک فرقے کے عیسائی، بچے کی پیدائش کے چند دنوں بعد اسے گرجے لے جاتے ہیں اور پادری اس برتن میں پانی بھر کر بچے کے سر پر پانی ڈالتے ہیں۔ اسے اصطباغ کی رسم کہتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اب یہ بچہ عیسائیت میں داخل ہوگیا۔ کیتھولک گرجوں میں خصوصی جالی یا خصوصی نشست بھی ہوتی ہے جہاں لوگ اپنے گناہوں کا اعتراف (Confession) کرتے ہیں۔ جالی کے ایک طرف پادری ہوتے ہیں اور دوسری جانب گناہ کا اعتراف کرنے والا شخص۔ خصوصی نشست بھی اس طرح بنائی جاتی ہے کہ پادری اعتراف کرنے والے شخص کو دیکھ نہ سکے۔ گناہ کا اعتراف کرنے کے عمل کے تین حصے بتائے جاتے ہیں، غلطی کرنے والے کو غلطی پر افسوس ہو، وہ اس کا اعتراف کرے اور کچھ نہ چھپائے اور اس کی تلافی کے طور پر کسی نیک کام کا ارادہ کرے۔ (صدقہ، خیرات) اعتراف کے بعد پادری اس کی معافی قبول کرنے کا اعلان کرتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی سنے، اسے راز رہنا چاہیے اور پادری سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ اعتراف کرنے والے کے راز کسی پر منکشف نہیں کریں گے۔ ویسے بھی گرجے میں کئے جانے والے اعتراف کو قانون کی کسی عدالت میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ پروٹسٹنٹ فرقے کے لوگ گناہوں کے اعتراف کے لیے یہ طریقہ استعمال نہیں کرتے بلکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ بندے کو خدا سے رابطہ کرنے کے لیے کسی درمیانی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سروس کے دوران اپنے دل میں گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور خدا سے معافی کے طالب ہوتے ہیں۔

سینٹ میکائل کا چرچ پیرس کے خوبصورت کلیساؤں میں ایک ہے۔ لوگ بڑے احترام

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے گرجے میں داخل ہوتے تھے اور کلیسا کے احترام میں خاموشی اختیار کرتے تھے۔ گرجے میں داخلے کی کوئی فیس نہیں تھی لیکن جگہ جگہ موم بتیاں رکھی ہوئی تھیں اور لوگوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ یسوع مسیح علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام، سینٹ پیٹر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی اور حواری کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک موم بتی جلائیں۔ ایک موم بتی سات یورو کی تھی۔ گرجے کی کھڑکیوں اور روشندانوں میں رنگ برنگے شیشے استعمال کیے گئے تھے جن پر پھولوں اور کلیوں کی گلکاری کی گئی تھی۔

سینٹ میکائیل کے چرچ سے ہم انصاف محل (Palace de Justice) گئے جو ایک خوبصورت عمارت ہے۔ اس کی محراب اور داخلی دروازوں پر سونے کا پانی استعمال کیا گیا ہے جس سے عمارت بڑی باوقار نظر آتی ہے۔

انصاف محل سے ہم واپس ہوٹل آئے۔ تھوڑی دیر بعد شعیب عباسی کا فون آیا کہ وہ شام چار بجے ہمیں ٹرین سٹیشن گارڈی نور کے باہر ملیں گے اور اپنے ساتھ بسلسلہ جیئیم لے جائیں گے۔ کچھ دیر بعد مبشر پہنچ گئے۔ ہم نے سامان سمیٹا۔ فلسطینی نوجوان سمیر اس وقت موجود نہیں تھا لیکن وہ غالباً استقبالیے پر ہدایات چھوڑ گیا تھا جنہوں نے خاص رعایت کے ساتھ ہم سے ۱۲۹ یورو وصول کیے۔ شیخ مبشر نے سکندر کے کہنے پر ہمیں نوسو یورو دیے جن سے ہم نے ہوٹل کا بل ادا کیا اور ان کی گاڑی میں بیٹھ کر ان کے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہوٹل کا نام چین ہنزا تھا اور یہ پیرس کے وسطی علاقے ڈی بیلے ولی (De Belle Ville) میں واقع تھا جس کا مطلب ہے خوبصورت شہر۔ مبشر نے ہمیں اپنے عملے کے حوالے کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ ہمارا خاص خیال رکھیں، ہم ان کے خاص مہمان ہیں۔ وہ خود تو کسی مہمان کو لینے ائیرپورٹ چلے گئے اور عملے کے افراد نے ہماری خاطر تواضع کی۔ پہلے انناس کے جوس اور زیتون کے تیل میں تلی ہوئی خوش ذائقہ گاجروں کے قتلے پیش کیے پھر پوچھا کہ ہم کیا کھائیں گے۔ شاہد ماہر کک تھا۔ اس نے کہا کہ ہم جو بھی کہیں گے وہ پیش کر دے گا۔ ہم نے سادہ چاول، پالک کے ساگ اور دال کی فرمائش کی۔ جب تک ہم قریب

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی واقع مسجد ابوبکر میں قصر نماز پڑھ کر واپس آئے، اس نے کھانا تیار کر دیا تھا۔ کھانے کے بعد شاہد ہمیں ایک پارک کی سیر کرانے لے گئے جو ایک بلندی پر واقع تھا اور وہاں سے ایفل ٹاور سمیت پورا شہر نظر آ تا تھا۔ وہاں سے ہم ایک سٹور میں گئے جہاں سے اہلیہ نے بچوں کے لیے کپڑے خریدے اور ہم نے پہیوں والا ایک بیگ کہ کندھوں پر لٹکا ہوا بیگ طویل سفر کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔ یہاں سے ہم ریلوے سٹیشن گئے اور پندرہ دنوں کے گلوبل پاس خریدے۔ ایک پاس ۴۶۳ یورو کا تھا جب کہ دس دنوں کے پاس کی قیمت ۵۳۱ یورو تھی۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ زیادہ دن کے سفر کی حوصلہ افزائی ہو۔ لوگ جتنے زیادہ دن سیر سپاٹے کے لیے باہر رہیں گے، خرچ کریں گے اور اس سے بہت سے لوگوں کا فائدہ ہوگا۔ اسی طرح انفرادی ٹکٹ کی بجائے اگر گروپ ٹکٹ خریدے جائیں تو سستے پڑتے ہیں۔ ویک اینڈ پر بھی ٹکٹوں کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔

گلوبل پاس خرید کر ہم سٹیشن کے باہر ٹہلتے رہے۔ بالآخر شعیب عباسی پہنچ گئے۔ پتہ چلا وہ فرانس اور بلجئیم کے ایک سرحدی شہر للّی میں رہتے ہیں۔ انہوں نے ایک فرانسیسی لڑکی سے شادی کر رکھی ہے جو کسی سکول میں پڑھاتی ہے۔ یہ ایک خوشگوار سفر تھا۔ دائیں بائیں خوشنما سبزہ زار اور درختوں کی قطاریں، ہموار سڑک۔ راستے میں تھوڑی دیر کے لیے ہم ایک سٹور پر رکے جہاں سے چائے پی۔ للّی پہنچے تو شعیب نے ہمیں ٹھہرانے کے لیے کوئی ہوٹل تلاش کرنا شروع کیا۔ ہمیں حیرت ہوئی کہ کسی ہوٹل ہی میں ٹھہرانا تھا تو ہمیں پیرس سے لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہمارے پاس گلوب پاس تھے اور ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ دن بھر سیر کریں گے اور رات کو کسی ٹرین میں بیٹھ جائیں گے اور پوری رات سفر میں گزاریں گے۔ لیکن ہم نے کہا کچھ نہیں۔ خاموشی کی زبان میں ہم سمجھ گئے کہ یا تو گھر چھوٹا ہوگا اور یا پھر فرانسیسی بیگم اتنی کشادہ دل نہیں ہوگی کہ شعیب کے مہمانوں کی شب بسری اسے گوارا ہو۔ مسئلہ یہ تھا کہ گرمیوں کا موسم تھا جس میں سیاحوں کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے۔ پانچ چھ ہوٹل دیکھے، کہیں کوئی جگہ نہیں تھی۔ بالآخر ایک ہوٹل ملا جس میں کوئی مہمان بکنگ کرانے کے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باوجود تشریف نہیں لایا تھا۔ اس طرح ہمیں وہاں جگہ مل گئی۔ شعیب نے رات کے قیام کا بل پہلے ہی ادا کر دیا جس میں ناشتہ بھی شامل تھا۔

صبح تاخیر سے آنکھ کھلی۔ گرم پانی میسر تھا۔ نہا دھو کر ناشتے کے لیے نیچے آئے ہوٹل کی مالکن نے مسکراہٹوں سے ہمارا استقبال کیا اور ناشتے کے لیے سجی میز کی طرف اشارہ کیا۔ میز بہت سی چیزوں سے بھری ہوئی تھی۔ ہم نے جوس لیے، مکھن کے ساتھ کروئی سینٹ اور چائے۔ ناشتے کے دوران ہی شعیب پہنچ گئے۔ جب تک ہم نے اپنے پاس موجود رقم اور آئندہ سفر میں ہونے والے اخراجات کا حساب کتاب لگا لیا تھا۔ ہم نے احتیاطاً دو سو یورو شعیب سے بھی ادھار لیے۔ للّی کی سیر کرانے کے بعد انہوں نے ایک سٹیشن مینن پر ہمیں اتار دیا۔ گلوبل پاس کے ساتھ ہی ہمیں ایک نقشہ بھی مل گیا تھا جس پر ہم بآسانی سفر کی تفصیلات طے کر سکتے تھے۔ مینن ایک برانچ لائن تھی۔ یہاں سے مین لائن پہنچنے کے لیے ہمیں کورٹرک (Kortrijk) پہنچنا تھا۔ گلوب پاس کے ذریعے ہم یورپ کے اٹھائیس ملکوں میں تقریباً دو لاکھ چالیس ہزار کلومیٹر سفر کر سکتے تھے۔ بذریعہ ٹرین، بس یا فیری۔ ہم نے اللہ کا نام لے کر سفر کی ابتدا کی اور کورٹرک جانے والی ٹرین میں سوار ہو گئے۔ پندرہ بیس منٹ میں ہم پہلی منزل پر پہنچ گئے۔ یہاں سے ہم نے اینٹ ورپن جانے کا فیصلہ کیا جہاں ایک بہت بڑا جانور گھر (Zoo) واقع ہے۔ زو کو چڑیا گھر کہنا تو مناسب نہیں ہے کہ ان میں چڑیا نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اینٹ ورپن کا جانور گھر دنیا کا قدیم ترین زو ہے۔ جو ۲۱ جولائی ۱۸۴۳ء کو قائم کیا گیا تھا۔ اس میں پانچ ہزار کے قریب جانور ہیں۔ جا بجا پھولوں کی کیاریاں ہیں، جن میں ہر رنگ کے پھول کھلتے ہیں۔ ہمیں اصل میں خوبصورت پروں والی ایک بطخ کی تلاش تھی جو ہم نے پہلی مرتبہ بہاولپور کے قریب لال سوہانرا کے جانور گھر میں دیکھی تھی۔ اس کی ایک تصویر فریم کروا کے ہم نے گھر میں بھی لگا رکھی ہے۔ خیال تھا کہ اس جیسی بہت سی بطخیں نظر آئیں تو ان کی تصویر بڑی خوبصورت بنے گی لیکن ہم گھنٹوں وہاں پھرتے رہے، وہی بطخ نظر نہیں آئی۔ جب تھک گئے اور بھوک لگنے لگی تو ہم کیفے ٹیریا میں گئے جو کافی وسیع

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلجیم کی ایک بطخ جو بلجیم میں پائی گئی

ماسٹرکسٹ گیس سے آگ جلانے کے موجد جان پیٹر منکلیر کا مجسمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلجیم کے شہر لیگ کا ایک چوک

اینٹ ورپن کے جانور گھر کا ایک پارک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دریا کے ساتھ ساتھ چلتی ٹرین سے اتاری گئی ایک تصویر

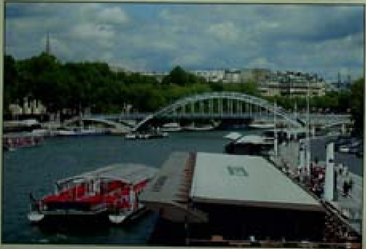

بلجیم میں ایک دریا کا کنارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اینٹ ورپن سے برسلز ٹرین کا سفر

ڈوزلڈورف (جرمنی) میں دریا کے کنارے اپنے محافظوں کے ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دریا کے ساتھ ساتھ چلتی ٹرین سے اتاری گئی ایک تصویر

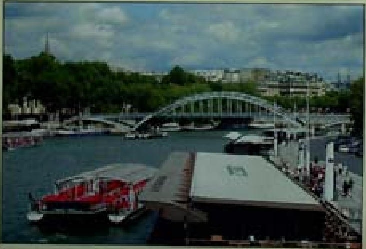

بلجیم میں ایک دریا کا کنارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اینٹ ورپ سے برسلز ٹرین کا سفر

ڈوزلڈورف (جرمنی) میں دریا کے کنارے اپنے محافظوں کے ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ کھانے میں بڑی ورائٹی تھی لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ ان میں کون سا گوشت استعمال کیا گیا تھا۔ ہم کچن کی طرف گئے تو ایک خاتون مچھلی تل رہی تھی۔ سوچا کہ مچھلی لے لیتے ہیں لیکن اہلیہ نے سوال کیا کہ یہ کس تیل یا گھی میں تلی جا رہی ہے، یہ اگر اسی جانور کی چربی ہوئی جس سے ہم بچنا چاہتے تھے تو۔ ہم نے کک سے بات کرنے کی کوشش کی تو وہ انگریزی سے بالکل ناآشنا نکلی۔ اس نے چولہا بند کیا اور ہمیں ٹھہرنے کا اشارہ کرتے ہوئے اندرونی کمروں کی طرف چلی گئی۔ وہ ایک اور لڑکی کو بلا کر لائی جو انگریزی جانتی تھی۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہم مسلم فوڈ کی تلاش میں ہیں۔ وہ بہت حیران ہوئی اور بولی کہ یہ بات آج میں پہلی بار سن رہی ہوں کہ کھانے پینے کی چیزوں کا بھی کوئی مذہب ہوتا ہے۔ خدا کے بندے جو مرضی کھاؤ، ان چیزوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ ہم نے پوچھا کہ یہ جو مچھلی تلی جا رہی ہے اس میں سور کی چربی تو شامل نہیں ہے۔ اس نے فرمایا کہ وہ خرید و فروخت کے شعبے سے نہیں ہے وہ شعبہ الگ ہے اور وہ جو کچھ ہمیں لا دیتے ہیں، ہم پکا کر پیش کر دیتے ہیں۔ سو ہم نے مچھلی کا ارادہ بھی ترک کیا۔ ڈنر رول لیے اور ان کے ساتھ سلاد جو عام ڈشوں سے مہنگا بھی پڑا اور سیری بھی نہیں ہوئی، بس گزارا ہو گیا۔

باہر آئے اور اینٹ ورپن کے سنٹرل سٹیشن پہنچے۔ یہ سٹیشن بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ انتہائی پرشکوہ اور وسیع و عریض۔ اس کی چار منزلیں ہیں اور چودہ پلیٹ فارم جہاں سے یورپ کے مختلف شہروں کے لیے انتہائی تیز رفتار ریلیں چلتی ہیں۔ ۲۰۰۹ء میں امریکی میگزین نیوز ویک نے اسے دنیا کا چوتھا بڑا سٹیشن قرار دیا تھا۔ ۲۰۱۴ء میں ایک برٹش امریکن میگزین میشیبل (Mashable) نے اسے دنیا کا خوبصورت ترین ریلوے سٹیشن قرار دیا۔

ہم نے پتہ کیا کہ بلجئیم کے دارالحکومت برسلز کے لیے ٹرین کب اور کہاں سے روانہ ہوگی۔ پتہ چلا کہ ٹرین کے چھوٹنے میں صرف پانچ منٹ باقی ہیں اور وہ تین فلور نیچے سے پلیٹ فارم نمبر ۲۳ سے روانہ ہوگی۔ ہم نے اہلیہ کا ہاتھ پکڑا اور بھاگم بھاگ نیچے پہنچے۔ ہم نے اپنے کمپارٹمنٹ میں قدم رکھا ہی تھا کہ ٹرین روانہ ہوگئی۔ یہ اول درجے کا ڈبہ تھا۔ اور انتہائی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پرتعیش صوفہ نما نشستیں اور سامنے چھوٹی چھوٹی چمکتی دمکتی پالش شدہ چوکور میزیں۔ ایک خاتون ہمارے پاس آ بیٹھی اور تعارف کے بعد پاکستان میں آنے والے سیلابوں پر اظہارِ افسوس کرنے لگی۔ بولی آپ لوگ کالا باغ ڈیم کیوں نہیں بنا لیتے۔ اس سے سیلابوں کی روک تھام بھی ہوگی اور زراعت کے لیے وافر پانی بھی میسر آئے گا۔ ہم اسے کیا بتاتے کہ ہمارے ہاں کیا کیا کھچڑیاں پکتی ہیں لیکن ہم اس کی معلومات عامہ سے بہت متاثر ہوئے۔ وہ ایک گھریلو خاتون تھی لیکن دنیا کے واقعات پر نظر رکھتی تھی اور وہ ایک گریجویٹ لڑکی تھی جو اینٹ ورپن کے سفر میں ہمارے ساتھ بیٹھی تھی۔ ہم نے اسے کہا تھا کہ وہ اپنے ملک بلجئیم کے بارے میں کچھ بتائے تو اس نے شانے اچکا کر صرف یہ بتایا تھا کہ ہمارا ایک بادشاہ ہوتا ہے اور ایک وزیراعظم۔ پھر اس نے ہنستے ہوئے بتایا تھا کہ وہ انٹرنیشنل افیرز کی نہیں ایجوکیشن کی طالب علم ہے، یہ کہہ کر وہ ایک جہازی سائز کا برگر کھانے میں مشغول ہوگئی تھی۔

برسلز اتر کر ہمیں تسلیم سے رابطہ کرنا تھا جو برسوں سے بلجئیم میں مقیم تھے۔ پبلک ٹیلیفون بوتھ تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی بوتھ دکھائی نہ دیا۔ ایک سیاہ فام شخص مل گیا جو انگریزی جانتا تھا۔ اس نے ایک سمت رہنمائی کی تو ہم نے بتایا کہ ہم اس سمت ہو آئے ہیں، ادھر کوئی بوتھ نہیں ہے۔ وہ ہمارے ساتھ چلا، پھر حیران ہوا۔ پتہ چلا کہ تعمیر نو کی خاطر وہ بوتھ وہاں سے اکھاڑ دیئے گئے ہیں۔ تب اس نے اپنے موبائل فون سے تسلیم کو ملایا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ برسلز میں نہیں بلکہ دو سو کلو میٹر دور لیگ (Leige) میں رہتے ہیں۔ ہم نے بتایا کہ ہم ٹرین سے روانہ ہوتے ہیں۔ پھر ٹرین پکڑی اور لیگ روانہ ہوگئے۔ ڈیڑھ گھنٹے میں ہم لیگ پہنچ گئے۔ اب تسلیم کو بتانا تھا کہ ہم پہنچ گئے ہیں لیکن پھر وہی مشکل پیش آئی لیکن اس کی نوعیت مختلف تھی۔ یہاں بوتھ تو تھے لیکن وہ سکے وصول نہیں کرتے تھے، ایک ایک یورو کے نوٹ لیتے تھے اور ہمارے پاس چھوٹے نوٹ تھے نہیں۔ سٹیشن سے نکل کر باہر آئے۔ ایک ہوٹل میں ایسا بوتھ مل گیا جو سکے وصول کرتا تھا۔ ہم نے تین چار بار کوشش کی لیکن فون بار بار کٹ جاتا تھا اور ہمیں پھر سے سکے ڈالنے پڑتے تھے۔ اللہ جانے تسلیم کی اہلیہ عطیہ کو ہماری

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشکل کا احساس کیسے ہوا۔ ان کا فون آ گیا اور بات ہوگئی۔ انہوں نے بتایا کہ تسلیم تو گزشتہ ایک گھنٹے سے سٹیشن کے بیرونی دروازے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم بیرونی دروازے پر ٹہلتے ٹہلتے نڈھال ہوگئے تھے۔ پھر وہیں جا کھڑے ہوئے۔ تب تسلیم نمودار ہوئے۔ انہوں نے بتایا کہ سٹیشن کا اصل بیرونی دروازہ اس دروازے کے بالکل مخالف سمت میں ہے جہاں ہم کھڑے تھے۔ تسلیم کو کافی سگرٹیں پھونکنے کے بعد احساس ہوا کہ اس طرف سے مسافر آ جا نہیں رہے تھے۔ تعمیراتی کام کی وجہ سے وہ دروازہ بند تھا۔ گھر پہنچے تو عطیہ نے خوش خلقی سے ہمارا استقبال کیا۔ ہماری تھکن کو دیکھتے ہوئے انہوں نے فوراً ہی کھانا لگا دیا۔ ہم نے سیر ہو کر کھایا اور پھر ایسی غنودگی طاری ہوئی کہ لیٹتے ہی سو گئے۔

صبح ناشتے کے بعد تسلیم ہمیں لے کر ہالینڈ کی سیر کرانے نکلے۔ اصل میں تو یہ نیدرلینڈ ہے جس کے بارہ صوبے ہیں۔ ان میں سے صرف دو کا نام ہالینڈ ہے، شمالی ہالینڈ اور جنوبی ہالینڈ۔ نیدرلینڈ کے لوگ اپنے ملک کو ہالینڈ کہلوانا پسند نہیں کرتے کیونکہ اس سے ان کی کچھ تلخ یادیں وابستہ ہیں۔ ۱۸۰۶ء میں انقلاب فرانس کے وقت اس پر فرانس نے قبضہ کر لیا تھا اور نپولین بوناپارٹ کے ماتحت اسے سلطنت ہالینڈ کا نام دیا گیا تھا۔ تو یہاں کے لوگ اپنے ملک کو نیدرلینڈ کہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ نیدر لینڈ کا لفظی مطلب ہے نشیبی علاقہ (Low Lands) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ساحلی علاقے سطح سمندر سے نچلی سطح پر واقع ہیں۔ سمندر کے پانی کو روکنے کے لیے ساحلوں پر اونچے اونچے مضبوط پشتے تعمیر کیے گئے ہیں۔ یہاں کے لوگ ڈچ کہلاتے ہیں۔

ہالینڈ یا نیدرلینڈ کے جنوب میں ایک شہر ہے ماسٹرکسٹ۔ یہ دریائے میوزے کی دونوں جانب واقع ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ یورپی یونین کی تشکیل کا فیصلہ جس اجلاس میں کیا گیا وہ اسی شہر میں منعقد ہوا تھا۔ تشکیل کا فیصلہ تو ۷ فروری ۱۹۹۲ء کو کیا گیا تھا لیکن فیصلے کے نفاذ میں پونے دو سال لگ گئے کیونکہ ڈنمارک میں ایک ریفرنڈم کے ذریعے عوام کی رائے معلوم کی گئی تو اکثریت نے اس کی مخالفت کی۔ اسی طرح فرانس میں منعقد ریفرنڈم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں مطلوبہ اکثریت نہ مل سکی۔ برطانیہ کے ایوانِ زیریں نے بھی اس کی توثیق نہیں کی۔ ابتدائی مسودے میں کچھ تبدیلیاں کر کے اسے ڈنمارک اور فرانس کے عوام کے لیے قابل قبول بنایا گیا اور یوں یکم نومبر ۱۹۹۳ء کو حتمی مسودے پر دستخط ہوئے جس پر بارہ ملکوں کے نمائندوں نے دستخط کیے۔ بعد میں دوسرے ملک بھی شامل ہوتے گئے۔ آج کل یورپی یونین کے رکن ممالک کی تعداد اٹھائیس ہے۔ اسی طرح ایک ہی کرنسی رائج کرنے کا فیصلہ جس اجلاس میں ہوا تھا وہ بھی ماسٹرکسٹ ہی میں منعقد ہوا۔

لیگ سے ماسٹرکسٹ (Maastrikht) کا فاصلہ ایک گھنٹے کا تھا۔ موسم خوشگوار تھا اور سیاحوں کا ایک ہجوم۔ سٹیشن سے اتر کر ہم ایک مارکیٹ کی طرف بڑھے تو بالکل شروع میں پھولوں کی ایک دکان تھی اور ایک خوبصورت لڑکی طرح طرح کے پھول سجائے، پھول بیچ رہی تھی۔ پتہ نہیں آب وہوا کا اثر ہے یا یہاں کے مالی بہت محنت کرتے ہیں۔ ڈالیا، للّی اور میری گولڈ کے جتنے بڑے پھول ہم نے یہاں دیکھے کہیں اور نظر نہیں آئے۔ ہالینڈ کے لوگ بجا طور پر اپنے ملک کو ''پھولوں کی سرزمین'' کہتے ہیں۔ ہم نے اپنی اہلیہ سے پوچھا: ''پھول زیادہ خوبصورت ہیں یا لڑکی؟'' انہوں نے بڑی سنجیدگی سے پھولوں اور لڑکی کو دیکھا۔ دیکھ تو پہلے بھی رہی تھیں، ہمارا مطلب ہے، دوبارہ دیکھا اور بولیں: ''دونوں ایک جیسے لگ رہے ہیں، جلد مرجھا جائیں گے۔ آپ دونوں کو سونگھ کر دیکھ لیں، جس کی خوشبو اچھی ہو وہ بہتر ہوگا۔ اب یہ رسک تو ہم نہیں لے سکتے تھے۔ آگے بڑھ گئے۔

دریائے میوزے پر واقع پل کے پار ایک اور مارکیٹ تھی۔ یہاں اطالوی ظروف (Italian Cutlery) کی ایک دکان نظر آئی جس میں بڑے خوبصورت برتن سجے ہوئے تھے۔ اس میں داخل ہوگئے۔ برتن انتہائی نفیس اور خوبصورت تھے۔ لیکن ان کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ ہم باہر نکلنے ہی والے تھے کہ ایک لڑکی ایک ٹرے میں یک لقمہ پیسٹری (One bite Pastries) اور نمکین گوشت کے ٹکڑے سجائے آئی اور ہمیں پیش کیے۔ ہم نے معذرت کر لی کہ یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ ایک اور لڑکی آئی اور اس نے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہا کہ آپ مسلمان ہیں۔ اثبات میں جواب پا کر اس نے اپنی ٹرے ہمارے سامنے کر دی اور بولی کہ یہ لینے میں کوئی حرج نہیں یہ ٹیونافش ہے اور بھاپ میں پکائی گئی ہے۔ ہم نے اس کا لحاظ کرتے ہوئے ایک ٹکڑا لے لیا۔ وہ دیکھنے میں تو بڑی خوبصورت تھی لیکن ذائقے میں بدمزہ۔ پوری طرح پکی ہوئی نہیں تھی۔ اگلی جائے نہ نگلی جائے۔ بڑی مشکلوں سے اسے حلق کے پار دھکیلا۔

ہمیں پھولوں کی دکان پر ٹیولپ بہت پسند آئے تھے لیکن وہاں صرف پھول تھے۔ بلب نہیں تھے۔ اب جو ایک دکان نظر آئی پھولوں اور بلبوں کی تو یہاں سے ٹیولپ کے بلبوں کا ایک پیکٹ خریدا۔ قریب ہی ایک بڑے پارک میں ایک مجسمہ نظر آیا جو ایک اونچے سے ستون پر نصب تھا۔ لیکن ایک عجیب بات جو دنیا بھر میں کہیں اور نظر نہیں آئی یہ تھی کہ اس کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی جو مسلسل جل رہی تھی۔ پتہ چلا کہ اس مجسمے کو گیس کی مسلسل سپلائی ملتی ہے اور اس کے ہاتھ میں تھامی ہوئی مشعل سارا سال مسلسل جلتی رہتی ہے۔ مزید تحقیق پر معلوم ہوا کہ یہ مجسمہ ایک سائنسدان جان پیٹر منکلیر (Jan Pieter Minkleer) کا ہے جنہوں نے گیس سے آگ جلانے کی ترکیب ایجاد کی تھی۔ ان کا انتقال ۱۸۲۴ء میں ماسٹرکسٹ میں ہوا۔ وہ یہیں پیدا ہوئے تھے اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہاں کے مختلف تعلیمی اداروں میں پڑھاتے رہے۔ انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے یہ مجسمہ ۱۹۰۴ء میں نصب کیا گیا۔ ہم سوچتے رہے کہ جتنی گیس یہ اکیلا مجسمہ استعمال کر چکا ہے، ہمارے پورے ملک نے بھی استعمال نہیں کی ہوگی۔

بھوک چمک اٹھی تھی۔ ہمیں کسی ٹرکش کیفے ٹیریا کی تلاش ہوئی کہ ایک تو وہاں حلال چیزیں ملتی ہیں دوسرے لذیذ ہوتی ہیں۔ تسلیم ایک سال سے بیلجیئم میں تھے اور کئی بار یہاں آ چکے تھے لیکن انہیں بھی کوئی خبر نہ تھی۔ مجبوراً کے ایف سی کے ایک ریسٹورنٹ میں گئے اور فش برگر اور سلاد سے پیٹ کی آگ بجھائی۔ باہر نکلے تو بالکل سامنے ایک ترکش ریسٹورنٹ تھا۔ بازاروں میں گھومتے ہوئے تسلیم نے بتایا کہ نیدرلینڈ میں ایک رواج ہے کہ اگر کوئی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاملہ خاتون پھلوں اور سبزیوں کی دکان سے کوئی پھل یا سبزی اٹھا لے اور قیمت ادا کیے بغیر چلتی بنے تو اسے کوئی نہیں روکتا۔ واپسی تک سورج غروب ہو چکا تھا۔ عطیہ کی طبیعت خراب تھی۔ ہماری آمد سے ایک دن پہلے ہی ان کا کوئی اپریشن ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے ہمارے لیے مزیدار کھانے تیار کر رکھے تھے، رات گئے ہم باتیں کرتے رہے۔ عطیہ کی خواہش تھی کہ طبیعت ٹھیک ہوتی تو وہ ہمارے ساتھ چلتیں۔

صبح ہماری روانگی تھی۔ ارادہ تھا کہ ہم صبح سویرے نکل جائیں لیکن عطیہ ہمارے لیے سفری کھانا تیار کر رہی تھیں۔ انہوں نے پراٹھے اور آلوؤں کا بھرتہ بنایا اور احتیاطاً ڈبل روٹی اور پنیر بھی ساتھ کر دیا۔ تسلیم وہاں ایک سٹور چلاتے ہیں اور ان کا اصرار تھا کہ ہم ان کے ساتھ سٹور چلیں۔ ان کا کہنا تھا کہ بسلے جیئیم کی چاکلیٹ دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ وہ ہمیں چاکلیٹ دینا چاہتے تھے۔ عطیہ بس سٹاپ تک ہمیں الوداع کہنے آئیں۔ ہم بس میں سوار ہوئے اور شہر کے وسطی علاقے میں اتر گئے جہاں سٹور پر جانے کے لیے ہمیں دوسری بس پکڑنی تھی۔ لیکن اس سے پہلے تسلیم ہمیں پرفیوم کی ایک دکان میں لے گئے۔ وہاں ٹیسٹنگ کے لیے بہت سی پرفیوم کی بوتلیں کھلی پڑی تھیں۔ تسلیم نے خود بھی وافر مقدار میں خوشبوؤں کا استعمال کیا اور ہمیں بھی دعوت دی کہ پہلے ٹسٹ کریں اور جو اچھی لگے اسے استعمال کریں۔ یہاں سے ہم سٹور گئے۔ تسلیم نے چاکلیٹ کے بہت سے پیکٹ ہمیں پیش کیے۔ اس دوران ایک خاتون آئی جس کے ساتھ ایک بھولا بھالا خوبصورت بچہ تھا۔ خاتون نے چاکلیٹ کا ایک پیکٹ خریدا اور کھانے لگی۔ بچے نے ضد کی کہ مجھے بھی چاکلیٹ لے دیں تو اس نے اسے جھاڑ پلائی کہ تم اپنے وظیفے کے پیسے کھا پی کر ختم کر چکے ہو، خاموش رہو۔ اس نے اسے چاکلیٹ نہیں لے کر دی اور بقیہ ریزگاری لے کر چلتی بنی۔ بچے کو دیکھ کر ہمارا دل کٹتا رہا۔ اہلیہ نے چاہا بھی کہ اپنی چاکلیٹ سے ایک پیکٹ اسے دے دیں لیکن تسلیم نے اشارے سے روک دیا۔ بعد میں تسلیم نے بتایا کہ یہاں بچوں کو ایک خاص عمر تک حکومت کی طرف سے مقررہ وظیفہ ملتا ہے۔ خاتون اسی کا ذکر کر رہی تھی۔ ہمیں اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ اتنی بھی

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا مادیت پسندی۔ ہمارے ہاں تو مائیں خود بھوکی رہ کر بچوں کا پیٹ بھرتی ہیں۔ یورپ اور امریکہ کی یہی مادیت پسندی ان کی خاندانی اکائی کی تباہی کا سبب ہے۔ لوگوں کا بڑھاپا انتہائی اذیت ناک ہوتا ہے کہ بچے ان کا بوجھ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور انہیں اولڈ ایج ہوم میں بھجوا دیتے ہیں جہاں وہ سارا سال بچوں اور ان کے بچوں سے ملنے کے لیے ترستے رہتے ہیں۔

علامہ اقبال نے یونہی تو نہیں کہا تھا:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

تسلیم کو خدا حافظ کہہ کر ہم سٹیشن آئے لمبا سا نام تھا Gaya la leige Gillimmem۔ ان سپیلنگ کے ساتھ ڈبل ایل کو پڑھا نہیں جاتا مختصراً اسے لیگ جیمی کہتے ہیں۔ ڈھائی گھنٹے میں ٹرین نے ہمیں لکسمبرگ پہنچا دیا۔ اس دوران ہم نقشے کا مطالعہ کرتے رہے اور جرمنی پہنچنے کے لیے راستے نشان زد کرتے رہے جب کہ اہلیہ نے نیند پوری کی۔

لکسمبرگ اتر کر سٹیشن سے باہر آئے تو طلبہ و طالبات کے کئی گروپ کھڑے نظر آئے جو خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ہم بازار کی طرف نکل گئے۔ ایک سیاہ فام نوجوان نے ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے بلند آواز میں السلام علیکم کہا۔ ہم نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا اور کافی دیر تک سرور کی کیفیت میں مبتلا رہے اور پیارے رسول ﷺ کی حدیث یاد کرتے رہے جس میں انہوں نے سلام کو پھیلانے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا کہ سلام کرو چاہے ملنے والے شخص کو جانتے ہو یا نہیں۔ اس دوران ایک چوکور خیمہ نظر آیا جس میں چین سے آنے والا ایک آرٹسٹ پینٹنگ میں مصروف تھا۔ اردگرد اس نے اپنی مصوری کے شاہکار لٹکائے ہوئے تھے اور اپنا تعارف بھی۔

پتہ چلا کہ اس نے لکسمبرگ میں سیاسی پناہ لے رکھی ہے اور مصوری اس کا ذریعہ معاش ہے اس دوران ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ ہم نے ایک بس سٹاپ کے شیڈ میں پناہ لی جہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک صاحب اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔ ہم گڈ آفٹرنون کہہ کر ان کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا اور پھر اخبار پڑھنے لگے۔ جب وہ اخبار پڑھ کر فارغ ہوئے تو ہم نے اپنا تعارف کروایا اور ان سے درخواست کی کہ وہ کچھ اپنے ملک کے بارے میں بتائیں۔ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا: ''کیا بتاؤں، چھوٹا سا تو ملک ہے ہمارا، تقریباً اسی کلو میٹر لمبا اور ساٹھ کلو میٹر چوڑا۔''

''اس میں بھی ایک پارلیمنٹ ہے اور ایک بادشاہ سلامت؟'' ہم نے پوچھا۔

مسکرائے اور بولے کہ ہاں ہم اپنے بادشاہ کا بہت احترام کرتے ہیں۔ انہوں نے کیوبا کی ایک لڑکی سے شادی کی تھی جس کا کوئی تعلق ہمارے شاہی خاندان سے نہیں تھا لیکن ہم نے اپنے شہزادے کے احترام میں اسے قبول کر لیا۔

لکسمبرگ ہے تو چھوٹا سا ملک لیکن ان کی فی کس آمدنی اچھی خاصی ہے۔ چند سال پہلے آئی ایم ایف نے لکسمبرگ کو دنیا کا دوسرا امیر ترین ملک قرار دیا تھا۔ آمدنی کے ذرائع میں سٹیل انڈسٹری بینکنگ، انٹرنیٹ اور ذرائع مواصلات نمایاں ہیں۔ حال ہی میں سکائیپ اور امیزون نے اپنے ہیڈکوارٹر لکسمبرگ میں منتقل کیے ہیں۔ سوئزرلینڈ کی طرح لکسمبرگ بھی ان لوگوں کی جنت ہے جو اپنے ملک میں ٹیکس سے بچنے کے لیے اپنی دولت یہاں کے بنکوں میں جمع کرواتے ہیں۔ بلکہ اس معاملے میں سوئزرلینڈ کے بعد لکسمبرگ کا دوسرا نمبر ہے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران نازیوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا اور دونوں بار شاہی خاندان کے افراد نے لندن جا کر پناہ لی اور جلاوطن حکومت قائم کی۔ اب بھی ان کی فوج برائے نام ہے جو آٹھ سو افراد پر مشتمل ہے۔ گرینڈ ڈیوک آف لکسمبرگ اس کے کمانڈر انچیف ہیں اور فورسٹار جنرل ہیں۔ چیف آف ڈیفنس جو فوج کے سربراہ ہیں، تھری سٹار جنرل ہیں۔ دو کرنیل ہیں جن میں ایک چیف آف سٹاف اور دوسرا ملٹری ٹریننگ سینٹر کا سربراہ ہوتا ہے۔ افسروں اور جوان کو ابتدائی تربیت کے بعد بلجئیم یا فرانس بھیجا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ہمارے پڑوسی افغانستان کی طرح محض ایک بری ملک ہے، اس کی بحری فوج نہیں ہے۔ ان کی اپنی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی فضائیہ بھی نہیں ہے لیکن نیٹو کے سترہ اواکس طیارے لکسمبرگ کے نام پر رجسٹرڈ ہیں اور لکسمبرگ ہی میں کھڑے رہتے ہیں۔ یہ اپنے دفاع کے لیے بلجیئم، فرانس اور اب یورپی یونین پر انحصار کرتے ہیں اور دفاعی بجٹ کل قومی آمدنی کا ۵ فیصد ہے۔

ننھی سی فوج رکھنے کے باوجود لکسمبرگ چاہے علامتی طور پر ہی سہی، اقوام متحدہ اور نیٹو کی امن فوج میں اپنے فوجی بھیجتا رہا ہے چنانچہ افغانستان، یوگوسلاویہ اور بوسنیا ہرزیگوینا میں ان کے فوجی موجود رہے ہیں۔ ایک فوجی کا ذکر ضروری ہے جس نے شاہی خاندان کو پریشانی میں مبتلا کیا۔ سیاسی طور پر نہیں، معاشرتی طور پر۔ ہوا یوں کہ ایک لڑکی ٹیلس انطونی فوج میں شامل تھی اور نیٹو کی امن فوج میں لکسمبرگ کی نمائندگی کرتے ہوئے یوگوسلاویہ میں تعینات رہی۔ جانے کب اس کی شہزادے لوئی سے ملاقات ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے اور ملنے ملانے لگے۔ ۲۰۰۵ء میں شاہی محل کی طرف سے اعلان ہوا کہ گرینڈ ڈیوک ہنری کے تیسرے بیٹے شہزادے لوئی کی ایک گرل فرینڈ ٹیلس انطونی کے ہاں ایک بچے کی ولادت متوقع ہے۔ بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام جبرائیل رکھا گیا۔ لیکن ناجائز اولاد ہونے کی وجہ سے اس کا نام تخت کے وارثوں کی فہرست سے خارج تھا۔ ۲۹ ستمبر ۲۰۰۶ء کو شہزادے لوئی اور ٹیلس انطونی کی شادی ہوگئی لیکن اپنے خلاف ناپسندیدگی کے جذبات کے پیش نظر شہزادے لوئی نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے تخت کے تمام حقوق سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔ لیکن شادی سے باز نہ آیا:

عشق نہ پچھے ذاتاں

موجودہ بادشاہ سلامت گرینڈ ڈیوک ہنری البرٹ جبرائیل کی تاجپوشی ۷ اکتوبر ۲۰۰۰ء میں ہوئی تھی جب ان کے والد نے رضا کارانہ طور پر تخت ان کے حوالے کر دیا تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا، ہنری البرٹ نے کیوبا کی ایک لڑکی ماریہ تریسا سے شادی کی تھی۔ ان کا تعلق کیوبا کے ایک اچھے خاندان سے تھا۔ وہ وہیں پیدا ہوئیں۔ کیوبا میں سیاسی یورش کی وجہ سے ان کے والدین نیویارک میں آ بسے۔ ابتدائی تعلیم نیویارک میں حاصل کرنے کے بعد وہ مزید

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلیم کے لیے سوئٹرز لینڈ آ گئیں۔ ان دنوں شہزادے ہنری البرٹ بھی وہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ دونوں کی وہیں ملاقات ہوئی اور پھر والدین کی مرضی سے دونوں کی شادی ہوگئی۔ ان کے پانچ بچے ہیں جن میں شہزادہ لوئی بھی شامل ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

لکسمبرگ کے سٹیشن پر ہمیں مشکل پیش آئی، نقشے کے مطابق ہم نے ڈوز لڈورف (Duzzledorf) کا انتخاب کر لیا تھا لیکن سٹشین پر لگے ہوئے کسی ٹائم ٹیبل پر جرمنی کے اس شہر کا ذکر نہ تھا۔ ہم نے ایک افسر سے اپنی الجھن کا ذکر کیا۔ اس نے کہا وہ کمپیوٹر پر چیک کر کے بتائے گا۔ وہ تو اپنے دفتر چلا گیا، ہم نے پھر نقشے کا مطالعہ کیا اور لکسمبرگ اور جرمنی کے بارڈر پر ایک شہر ڈھونڈھ نکالا ٹرایر۔ وہاں سے ایک دو ٹرینیں بدل کر ہم اپنی منزل پر پہنچ سکتے تھے۔ ریلوے آفیسر واپس آیا اور اس نے بتایا کہ ڈوز لڈورف تو کوئی ٹرین نہیں جاتی۔ ہم نے ٹرایر کے بارے میں پوچھا تو اس نے پلیٹ فارم نمبر ۹ کی طرف رہنمائی کی۔ وہاں ایک اور الجھن پیش آئی۔ پلیٹ فارم نمبر ۹ اور دس ایک دوسرے کے بالمقابل واقع تھے وہاں جو معلومات درج تھیں وہ ایک جیسی تھیں۔ ٹرین کا نمبر، منزل، راستے میں آنے والے سٹیشن سب ایک جیسے۔ ٹرین پلیٹ فارم نمبر ۱۰ پر آئی سب لوگ اسی پر سوار ہو گئے۔ بعد میں ریل کے ایک اہلکار نے بتایا کہ ضروری مرمت کی وجہ سے پلیٹ فارم نمبر ۹ عارضی طور پر بند تھا۔

ہم جب ٹرائر اترے تو ایک ٹرین ساتھ والے پلیٹ فارم پر کھڑی تھی جو دو منٹ بعد روانہ ہونے والی تھی۔ ہم فوراً اس میں سوار ہو گئے۔ نقشہ دیکھا تو پتہ چلا یہ کوبلنز (Koblenz) تک جائے گی، ہم نے راستے میں کولون (Cologne) اترنا تھا اور وہاں سے کوئی اور ٹرین لینی تھی۔ راستے میں ایک خاتون سے ملاقات ہوئی جس کا تعلق جنوبی امریکہ کے ملک چلی سے تھا۔ انگریزی میں ہم تو اسے چائل (Chile) پڑھتے ہیں لیکن وہ اسے شلے کہہ رہی تھیں۔ کسی یونیورسٹی میں پروفیسر تھیں اور کسی سیمینار میں شرکت کے لیے بون آئی تھیں۔ انہیں اہلیہ کا سکارف اور عبایہ بہت پسند آیا اور وہ ان کے سر پر اور کاندھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ''بیوٹی فل، بیوٹی فل'' کہتی تھیں۔ اور بڑے تاسف سے کہتی تھیں کہ عریانیت ہمیں تباہ

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر دے گی۔ برنگی ہمیں کہیں کا نہ چھوڑے گی۔ بون سٹیشن پر وہ اتر گئیں۔ ہم کولون اترے۔ اس شہر کو جرمن کولن (Koln) کہتے ہیں جبکہ انگریزی کے ہجے اور تلفظ مختلف ہیں، کولون (Cologne) ڈینیل سٹیل کے مشہور ناول ایکوز (Echoes) کے اہم کردار کولون ہی میں رہائش پذیر تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر نے یہودیوں پر جو ظلم و ستم کیے، یہ ناول بڑے موثر انداز میں ان کی تصویر کشی کرتا ہے اور اسی ناول نے یہودیوں کے لیے ہمدردی کے جذبات ابھارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ تو ہم کولون کے ریلوے سٹیشن پر اتر گئے۔ ٹکٹ چیکر مسلمان تھا جس نے ہمیں خدا حافظ کہا۔ کولون اتر کر ہم نے تسلیم کو اطلاع دی کہ دس پندرہ منٹ میں ہم ڈوزلڈورف پہنچ جائیں گے وہ اپنے بڑے بھائی نعیم کو اطلاع کر دیں۔ وہ سٹیشن پر موجود تھے۔ علیک سلیک کے بعد ہم گھر پہنچے۔ ان کی بیگم نے بڑا لذیذ پیزہ تیار کر رکھا تھا، کھانا کھایا، گپ شپ لگائی اور سو گئے۔

دوسرے دن نعیم نے ہماری وجہ سے چھٹی لے رکھی تھی۔ انہوں نے آئندہ کے پروگرام کے بارے میں پوچھا۔ ہم نے بتایا کہ جرمنی سے ڈنمارک اور ناروے جائیں گے وہاں سے واپسی پر اٹلی اور پھر فرانس سے زمین دوز ریل کے ذریعے لندن۔ انہوں نے بتایا کہ ریل کا کرایہ تو آپ کو بہت مہنگا پڑے گا، ستر اسی یورو کی ایک ٹکٹ ہے لیکن اگر ہم جہاز سے جائیں تو پانچ چھ یورو میں لندن پہنچ جائیں گے۔ یہ بات ناقابل یقین تھی لیکن نعیم کمپیوٹر پر بیٹھ گئے اور معلومات حاصل کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں بڑی سنجیدگی سے بولے:

''جرمنی سے لندن کا ایک ٹکٹ دو یورو کا ہے۔ مہنگا نہ لگے تو کرادوں بکنگ؟''

''کیا ۔۔۔؟'' ہم کمپیوٹر کی طرف لپکے۔ وہ ٹھیک کہہ رہے تھے اور ہمیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ مزید معلومات کیں تو پتہ چلا کہ جتنی پہلے بکنگ کرائیں اتنی سستی ٹکٹ ملتی ہے۔ اگر پرواز میں ایک دو دن رہ گئے ہوں تو مہنگی ملتی ہے۔ ہمیں تو ابھی پورا یورپ پھرنا تھا، ہمیں پندرہ دنوں بعد کی ٹکٹ دو یورو میں مل رہی تھی۔ کہا فوراً بکنگ کروائیں۔ جب کمپیوٹر پر دیا گیا فارم پر کرنے لگے تو پتہ چلا کہ سامان کا کرایہ الگ ہوگا۔ ایک خاص پیمائش کے بیگ پر جس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سامان کا وزن ۳۵ کلو سے زیادہ نہ ہو، چار یورو لاگت تھی۔ ہمارے پاس بکنگ کے لیے دو بیگ تھے۔ اس طرح بارہ یورو میں ہماری بکنگ ہوگئی۔ مسئلہ یہ تھا کہ یہ ایرلائن جو خود کو کم کرایوں والی ائیرلائن کہتی تھی عام ائیر پورٹ استعمال نہیں کرتی تھی بلکہ وہ متروک ائیر پورٹ استعمال کرتی تھی جو دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر نے جرمنی میں اور یورپ کے مقبوضہ ممالک میں ہنگامی طور پر بنوائے تھے۔ ہمیں اس سے کیا غرض تھی۔ ہم نے بکنگ کروائی اور فیصلہ کیا کہ گلوبل پاس کو اس طرح استعمال کریں گے کہ بکنگ والی تاریخ سے ایک دو دن پہلے ڈوزلڈورف پہنچ جائیں۔

نعیم اور سمرین ہمیں لے کر شہر کی سیر کرانے لے گئے جہاں سیاحوں کا ہجوم تھا اور فٹ پاتھ پر چلنے کی جگہ میسر نہ تھی۔ چاروں طرف پھول کھلے ہوئے تھے۔ فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ، دیواروں پر اور گھروں کی بالکنیوں پر، ہر طرف پھول ہی پھول۔

علامہ اقبال نے بجا طور پر کہا تھا:

فردوس جو تیرا ہیں کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

دوسری جنگ عظیم میں اتحادی فوجوں نے ڈوزلڈورف کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی کہ یہاں سے جرمن فوجوں کو تیل کی سپلائی ملتی تھی۔ ایک ایک رات میں سات سو برطانوی جنگی جہاز ڈوزلڈورف پر بمباری کرتے رہے لیکن اب تباہی و بربادی کا کوئی نشان نہیں ملتا اور آبادی کے لحاظ سے یہ جرمنی کا ساتواں بڑا شہر ہے۔ بزنس کا مرکز ہے اور کئی مشہور کمپنیوں نے اپنے ہیڈ کوارٹر یہیں قائم کر رکھے ہیں۔ شہر، دریائے رائن کے مشرقی کنارے پر آباد ہے۔ شہر سے ہم دریا کے کنارے گئے جہاں شہر کی پولیس کی دو لیڈی سارجنٹ تنومند گھوڑوں پر سوار گشت کر رہی تھیں۔ ہم دریا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ایک مینار کے پاس آئے جو رائن ٹرم کہلاتا ہے۔ اس کے اوپر سے پورا شہر نظر آتا ہے۔ پورا دن ہم شہر کی سیر کرتے رہے۔ کھانا بھی ایک ٹرکش ریسٹورنٹ میں کھایا۔ گھر واپس آئے تو نعیم نے لیٹر بکس سے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈاک نکالی۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے ایک خط ہماری طرف بڑھایا، یہ ان کی کمیونٹی کے میونسپل آفس کی طرف سے تھا جس میں لکھا تھا کہ آپ کی بیٹی اب ڈیڑھ سال کی ہوگئی ہے۔ اب وہ چلنے پھرنے لگے گی اور اس بات کا خدشہ ہے کہ وہ دیواروں کی نچلی سطح پر لگے ہوئے بجلی کے سوچ بورڈوں سے چھیڑ چھاڑ کرے۔ ہمارے ریکارڈ کے مطابق آپ کے گھر کی دیواروں میں نچلی سطح پر اتنے سوچ بورڈ ہیں جنہیں بند کرنے کے لیے ہم اتنے پلگ بھیج رہے ہیں۔ اگر آپ کے سوچ بورڈ ہمارے ریکارڈ سے زیادہ ہیں تو براہ مہربانی میونسپل آفس سے اضافی پلگ پہلی فرصت میں حاصل کریں اور بچی کے تحفظ کو یقینی بنائیں۔ یہ ہے ویلفیر، بہبودِ آبادی کی ایک مثال۔ جانے ہم اس مرحلے پر کب پہنچیں گے۔

ہم نے ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن کے لیے بکنگ کروا لی تھی۔ ہمارے پاس گلوبل پاس تو تھا لیکن رات کے سفر میں برتھ کی بکنگ الگ سے کروانی پڑتی ہے جس کے لیے معمولی سی رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ نعیم ہمیں سٹیشن پر چھوڑ گئے۔ ٹرین گیارہ بج کر پانچ منٹ پر روانہ ہوئی۔ ریلوے کے عملے کی ایک خاتون آئی۔ اس نے سونے کے لیے چادریں اور تکیے تقسیم کیے اور ہمارے گلوبل پاس ساتھ لے گئی۔ پتہ چلا کہ راستے میں بعض اوقات سرحدی پولیس کا عملہ مسافروں کی پڑتال کرتا ہے تو ریلوے کا عملہ ہی ان سے نبٹ لیتا ہے، مسافروں کو نیند سے نہیں جگایا جاتا۔ نشستیں آرام دہ تھیں اور سونے کی جگہ اس سے بھی بہتر اور کشادہ۔ آرام سے سوئے۔ صبح دس بجے ہم کوپن ہیگن پہنچ گئے۔ ضیاء الحق قاسمی صاحب کی معرفت ہمیں یہاں ایک شاعر ترغیب بلند نقوی کا فون نمبر ملا تھا۔ انہیں فون کیا تو انہوں نے خوش آمدید تو کہا لیکن بتایا کہ اتفاق سے ان کی گاڑی خراب ہے۔ ہم سٹیشن کے قریب ہی ایک سٹاپ سے بس نمبر پانچ میں بیٹھیں ایس ای ہوٹل کے بعد سگنلز کے بعد جب بس دائیں طرف مڑے تو جہاں بھی بس رکے، اتر جائیں، وہ ہمیں وہاں سے لے لیں گے۔ ہم نے یہ ہدایات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور بس سٹاپ کی طرف جاتے ہوئے انہیں دہراتے رہے۔ ''ایس ای ہوٹل، پھر دو سگنلز، رائٹ ٹرن سٹاپ'' لیکن یہ ساری یاد داشت دھری کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دھری رہ گئی۔ جب مطلوبہ بس سٹاپ پر پہنچے تو وہاں ایک خاتون ٹریفک سارجنٹ کھڑی تھی اور وہاں کسی مسافر کو کھڑا نہیں ہونے دیتی تھی۔ ہم نے بتانے کی کوشش کی کہ ہم نے بس نمبر پانچ پکڑنی ہے لیکن وہ سر ہلا ہلا کر کہہ رہی تھی کہ بس نمبر پانچ یہاں نہیں آئے گی۔ وہ ایک اور سمت اشارہ کر کے بتا رہی تھی کہ وہاں سے ایک نمبر بس جائے گی۔ ہم نے بتانے کی کوشش کی کہ ہمیں ایک نمبر بس سے کوئی سروکار نہیں لیکن زبان آڑے آ رہی تھی۔ قریب سے گزرتے ایک پاکستانی نے ہماری مدد کی۔ اس نے پوچھا کہ ہم کہاں جانا چاہتے تھے۔ ہم نے کہا پتہ نہیں۔ ہنسنے لگا۔ تب ہم نے سمجھایا کہ ہم نے جہاں جانا ہے اس کا روٹ یہ ہے، بس نمبر پانچ، ایس ای ہوٹل، دوسگنلز کے بعد رائٹ ٹرن۔ ہم نے ترغیب نقوی صاحب سے ان کی بات کروائی۔ وہ ہمیں لے کر ایک اور سٹاپ پر گئے، راستے میں انہوں نے بتایا کہ ڈنمارک کی ایک شہزادی کے ہاں پچھلے دنوں ایک بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ آج اسے بپتسمہ دیا جائے گا تو اس کی خوشی میں پورے ملک میں مختلف تقریبات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ڈنمارک میں سائیکلوں کی ایک دوڑ ہو رہی ہے۔ اتفاق سے اسے بس نمبر پانچ والے روٹ سے گزرنا ہے اس لیے آج کے لیے اس کا روٹ تبدیل کر دیا گیا ہے۔

اس دن تو وہاں سائیکلوں کی کوئی ریس ہو رہی تھی۔ ویسے بھی ڈنمارک میں سائیکل بڑی مقبول ہے۔ دنیا بھر میں سب سے زیادہ سائیکلیں ڈنمارک اور نیدرلینڈ میں چلائی جاتی ہیں۔ سائیکلنگ کے لیے سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔ تمام سڑکوں کے ساتھ ساتھ سائیکل چلانے والوں کے راستے الگ ہوتے ہیں۔ تقریباً بارہ ہزار کلومیٹر راستے صرف سائیکلنگ کے لیے مخصوص ہیں۔ سیاحت کی کمپنیاں سیاحوں کو سائیکلیں کرائے پر دیتی ہیں اور ان کے ساتھ گائیڈ کر دیتی ہیں جو سائیکل پر ہی سیاحوں کو شہر کے قابل دید مقامات کی سیر کراتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے سائیکلیں مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ پہلے کوئی پابندی نہیں تھی لیکن اس کا نقصان یہ تھا کہ لوگ سائیکلیں لے جاتے تھے اور جہاں چاہتے تھے چھوڑ جاتے تھے۔ اب یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ شہر کی مختلف جگہوں پر سائیکل سٹیشن قائم کیے گئے ہیں جہاں سائیکلیں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سٹینڈ کے ساتھ لاک ہوتی ہیں۔ آپ بیس کرونے ڈالیں تو تالا کھل جائے گا۔ سائیکل آپ کی ہوئی۔ پورا دن چلائیں یا پورا ہفتہ۔ جب واپس کرنی ہو تو کسی بھی سائیکل سٹینڈ پر جائیں، سائیکل کو لاک کریں، بیس کرونے آپ کو واپس مل جائیں گے۔ ڈرائیونگ کی طرح سائیکلنگ کی ٹریفک کے بھی قواعد ہیں۔ آپ کو سڑک کی دائیں جانب رہنا ہوگا۔ سائیکلنگ کرتے ہوئے موبائل کا استعمال منع ہے۔ اندھیرا ہونے پر سائیکل کی بتیاں روشن ہونی چاہئیں، عام سڑک یا پیدل چلنے والوں کے راستوں پر سائیکل نہیں چلائی جا سکتی۔ ان قواعد کی خلاف ورزی پر آپ کا چالان ہوسکتا ہے۔

تو ہم بس نمبر ایک پر سوار ہو رہے تھے اور ایک پاکستانی ہماری رہنمائی کر رہے تھے وہ جب ہمیں بس نمبر ایک میں سوار کرنے لگے اور ہم نے ٹکٹ کی ادائیگی یورو میں کرنے کی کوشش کی تو ڈرائیور نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور بولا: ''کرونے، کرونے'' تب پاکستانی صاحب نے ہمیں بتایا کہ یہاں یورو نہیں چلتا۔ یورپی یونین میں شمولیت کے باوجود فی الحال یہ اپنی کرنسی ہی استعمال کرتے ہیں اور وہ ہے کرونے۔ وہ ہمیں کرنسی تبدیل کروانے ایک بنک لے گئے۔ اسی دوران ایک شہری نے ہمارا مسئلہ بھانپ لیا اور اپنی ٹکٹ ہمارے حوالے کر دی۔ یہاں بھی ٹکٹ وقت کے حساب سے ملتی ہے اور یہ ابھی تک کارآمد تھی۔ گویا اب ہمیں صرف نصف کرونے کی ضرورت تھی لیکن ہمیں پانچ یورو کے کرونے خریدنے پڑے۔

ایک یورو کے آٹھ کرونے ملے، پانچ کے چالیس۔ پاکستانی حساب سے ایک کرونے پندرہ روپے کا تھا۔ یوں نئی کرنسی سے مالا مال ہو کر ہم بس نمبر ایک پر سوار ہوئے۔ کچھ دور بعد پانچ نمبر بس پکڑی اور ترغیب بلند نقوی صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔ معلوم ہوا چند دن پہلے ہی ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا تھا۔ ان کی بیٹی فاطمہ اور فرزند علی نے ہماری بڑی آؤ بھگت کی اور بھرپور ناشتہ کروایا۔ جب تک ہم نے ناشتہ کیا، ترغیب صاحب نے فون کر کر تین چار ادیبوں کو گھر بلوا لیا تھا۔ جنہیں ترغیب صاحب نے بلوایا تھا، وہ آ گئے اور ہمارا تعارف ہوا تو انہوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے کہا کہ آپ بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہو گئے ہیں۔ تین چار دن رکیں، کسی ادبی نشست کا اہتمام کرتے ہیں لیکن اس سے ہمارا گلوبل پاس ضائع ہوتا تھا کافی بحث کے بعد یہی طے ہوا کہ آج تو رکیں آپ کو شہر کی سیر کرواتے ہیں۔

اے ڈی بٹ صاحب کی گاڑی میں سیر کا پروگرام بنا۔ وہ خود تو ادیب یا شاعر نہیں ہیں لیکن ادیبوں اور شاعروں کی بڑی فراخ دلی سے سرپرستی کرتے ہیں۔ ان کی ایک بڑی واشنگ فیکٹری ہے، مسٹر نصر ملک ریڈیو ڈنمارک میں اردو سروس کے براڈ کاسٹر ہیں اور کئی برسوں سے یہاں مقیم ہیں۔ انہیں کوپن ہیگن کی ایک ایک گلی اور ایک ایک عمارت کی پوری تاریخ ازبر ہے۔ سیر کے دوران وہ مسلسل رننگ کمنٹری نشر کرتے رہے جبکہ ہم میاں بیوی اور ترغیب بلند نقوی خاموش سامعین بنے ان کی کمنٹری سنتے رہے۔ بٹ صاحب ہمیں ملکہ کے محل لے گئے وہاں بس ایک دو گارڈ ڈیوٹی پر تھے، آپ دو قدم کے فاصلے پر رہ کر اس کے ساتھ تصویر بنوا سکتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ڈنمارک یورپ کا سسرال ہے کہ یہاں کی کئی شہزادیاں انگلینڈ اور دوسرے یورپی ملکوں کے شاہی خاندانوں میں بیاہی ہوئی ہیں۔ لوگ ملکہ کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ملکہ ہر اتوار کو اپنے محل کی ایک کھڑکی میں بیٹھتی ہیں اور عوام کو اپنے درشن کرواتی ہیں۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ لوگ شاہی کچن میں فون کر کے پوچھتے ہیں کہ کل ملکہ ناشتے میں کیا کھائیں گی۔ لوگ خود بھی وہی چیز تیار کرتے ہیں اور ناشتہ کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ملکہ کے ساتھ ناشتہ فرما رہے ہیں۔

ساحل سمندر پر بہت سے مجسمے نصب تھے۔ سب سے بڑا مجسمہ سورج کے دیوتا کا تھا۔ دیو مالائی کہانیوں کے مطابق سورج دیوتا ایک رتھ میں سوار ہو کر ایک افق سے دوسرے افق کی طرف جاتا ہے اور اس طرح زمین پر روشنی ہوتی ہے۔ اس مجسمے کے سامنے ایک تالاب ہے جسے تالابِ آرزو (Wish Pond) کہتے ہیں۔ لوگ کوئی خواہش دل میں سوچتے ہوئے اس تالاب میں سکے پھینکتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی خواہش پوری ہو جائے گی۔ تھوڑا آگے موجودہ ملکہ کے والد فریڈرک کا مجسمہ ہے جو انتہائی بے چارگی کے عالم میں ایک

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سڑک کنارے تشریف فرما ہیں۔ نصر ملک صاحب نے بتایا کہ آخری عمر میں فریڈریک شراب کے رسیا ہو گئے تھے اور نشے کے عالم میں سڑکوں پر لڑھکتے پھرتے تھے۔ یہ اس کیفیت کا مجسمہ ہے۔

سمندر میں کانسی سے بنا ایک جل پری کا مجسمہ ہے۔ اس کی کہانی کچھ یوں ہے کہ ڈنمارک ہی کے ایک ادیب ہانس کرسچین انڈرسن نے ننھی جل پری (Little Marmaid) پر ایک کہانی لکھی۔ جل پری اپنے والدین کے ساتھ سمندر کی گہرائیوں میں رہتی ہے۔ اس کی پانچ بہنیں ہیں جن کی پیدائش میں ایک ایک سال کا وقفہ ہے۔ جو لڑکی پندرہ برس کی ہو جاتی ہے اسے سطح سمندر پر جا کر اوپر کی دنیا دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ ننھی جل پری جب سطح سمندر پر آتی ہے تو ایک جہاز پر ایک شہزادے کی سالگرہ منائی جا رہی ہے۔ ننھی جل پری اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک طوفان آتا ہے۔ شہزادہ سمندر میں گر جاتا ہے۔ جل پری اسے لے کر کنارے پر آتی ہے۔ قریب ہی ایک مندر ہے جہاں سے دو لڑکیاں کنارے پر آتی ہیں اور شہزادے کو اٹھا کر مندر لے جاتی ہیں۔ جب شہزادے کو ہوش آتا ہے تو وہ اپنے قریب بیٹھی ہوئی لڑکی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتا ہے۔ وہ لڑکی کسی ملک کی شاہزادی ہے اور تعلیم کے لیے وہاں آئی ہوتی ہے۔ ان کی شادی ہو جاتی ہے اور جل پری کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ کہانی ۱۸۳۶ء میں شائع ہوئی۔

بعد میں اس پر ڈرامے بھی بنائے گئے اور تھیٹر میں پیش کیے گئے۔ ایک صاحب ثروت شخص نے تھیٹر دیکھ کر ایک مجسمہ ساز ایڈورڈ ایرکسن سے فرمائش کی کہ وہ اس کا مجسمہ بنائے۔ تھیٹر میں کام کرنے والی ایک رقاصہ ایلن پرائس کو ماڈل کے طور پر کام کرنے پر آمادہ کیا گیا۔ مجسمہ ساز اس کا سر بنا چکا تو اسے کہا گیا کہ وہ اپنے کپڑے اتار دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ گویا اس وقت تک یورپ میں حیا نام کی چیز باقی تھی۔ باقی مجسمے کے لیے مجسمہ ساز نے اپنی بیوی ایلن ایرکسن کو ماڈل کے طور پر استعمال کیا۔ ۲۳ اگست ۱۹۲۳ء کو یہ مجسمہ موجودہ جگہ پر نصب کیا گیا۔ اب یہ کوپن ہیگن کے آئی کون کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ بعد میں سیاسی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حالات اور غنڈہ گردیوں کی بجلیاں اس مجسمے پر گرتی رہیں۔ ۲۵ اپریل ۱۹۶۴ء کو کوئی اس کا سر کاٹ کر لے گیا۔ جسے از سر نو بنایا گیا۔ ۱۹۸۴ء میں کوئی ہاتھ کاٹ کر لے گیا جو بعد میں سمندر ہی میں تیرتا ملا۔ اسے جوڑا گیا ۲۰۰۴ء میں جب ترکی نے یورپی یونین میں شمولیت کی درخواست دی تو کوپن ہیگن میں اس کے خلاف مظاہرے ہوئے کسی نے اس مجسمے کو بھی سکارف پہنا دیا۔ ۲۰۰۷ء میں پھر کسی نے اسے عبایہ اور سکارف پہنا دیا۔ ان ساری کارروائیوں کے باوجود مجسمہ اپنی جگہ ہے اور سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے۔

کچھ دیر آگے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اونچے پیڈسٹل پر کچھ بچوں کے مجسمے ایستادہ ہیں۔ ان کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ گزشتہ صدی میں ڈنمارک کے کچھ بحری قزاق آئس لینڈ گئے اور وہاں سے کچھ بچوں کو پکڑ لائے۔ ڈنمارک میں انہیں غلام بنا کر ان سے جبری مشقت لیتے رہے۔ ان کے پاس واپسی کے ذرائع تھے نہ مواقع۔ وہ یہیں پل بڑھ کر جوان ہوئے۔ یہیں شادیاں کیں۔ اب ان کی اولاد ڈنمارک میں کافی اثر ورسوخ حاصل کر چکی ہے۔ انہوں نے ایک عدالت میں ایک مقدمہ بھی دائر کر رکھا ہے کہ ان کے آباء واجداد کو اغوا کر کے یہاں لانے سے انہیں جو اذیت پہنچی اس کی تلافی کے طور پر انہیں ایک بڑی رقم ادا کی جائے۔ مقامی حکومتوں نے ان کی دل جوئی کے لیے ان مجسموں کی تنصیب کی منظوری دے دی۔

یہ مجسمے چوکور پیڈسٹل پر کھڑے ہیں اور ان پیڈسٹلوں پر ان کی آئس لینڈ کی زندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔ وہ سکیمو بچوں کی طرف بھاری کوٹ پہنے ہوئے ہیں اور ہاتھ سے سورج کی روشنی سے اوٹ لیتے ہوئے اپنے آبائی وطن آئس لینڈ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ دیوار کی ایک جانب ایک بچہ برف گاڑی پر کھڑا ہے اور چار رینڈیر اس گاڑی کو کھینچ رہے ہیں۔ ایک دیوار پر ان کے گھر کی نقش گری کی گئی ہے جس میں ماں کھانا بنا رہی ہے۔ سردی سے بچنے کے لیے آگ جل رہی ہے۔ بہن بھائی اردگرد بیٹھے ہیں اور ان کا رکھوالا کتا بھی کان کھڑے کیے ان کے قریب بیٹھا ہے۔

یہاں سے ہم سویڈن کے شہر مالمو گئے۔ مالمو جانے کے لیے ایک پل سے گزرنا پڑتا

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے جو اوری نیڈ پل کہلاتا ہے۔ یہ انسانی مہارت اور انجینئرنگ کا شاہکار ہے۔
یہ پل آٹھ کلو میٹر طویل ہے اور ایک سرنگ پر ختم ہوتا ہے جو سمندر کی تہہ میں نکالی گئی ہے اور چار کلو میٹر طویل ہے۔ درمیان میں ڈنمارک اور سویڈن کی سرحدیں ہیں جن کی نشاندہی سرخ روشنیوں سے کی گئی ہے۔ اس کی منصوبہ بندی تو کئی برسوں تک ہوتی رہی لیکن کام ۱۹۹۵ء میں شروع ہوا اور ۱۴ اگست ۱۹۹۹ء کو اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اسی دن ڈنمارک کے ولی عہد کراؤن پرنس فریڈرک اور سویڈن کی ولی عہد شہزادی کراؤن پرنسس) وکٹوریہ پل کے درمیان میں ملے اور تقریبات کا آغاز کیا۔ عوام کے لیے یہ یکم جولائی ۲۰۰۰ء کو کھولا گیا۔ پل اور سرنگ میں سے گزرنے کے لیے ۴۳ یورو فیس دینی پڑتی ہے لیکن جو لوگ ضرورتاً باقاعدگی سے استعمال کریں انہیں ۷۵ فیصد رعایت دی جاتی ہے۔

ہم جب مالمو پہنچے تو شہر تقریباً بند ہو چکا تھا اور ہر سو خاموشی طاری تھی۔ ہماری اہلیہ نے اسے سوئے ہوئے شہر کا خطاب دیا۔ مالمو سے واپسی پر بٹ صاحب ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ ان کی فیملی پاکستان گئی ہوئی تھی۔ انہوں نے خود ہی میزبانی کی۔ پہلے انہوں نے اپنے گھر کے باغ میں بٹھا کر مشروبات سے تواضع کی اور پھر ڈنر کے لیے اندر لے گئے۔ ان کا باغ بھی خوبصورت تھا اور گھر بھی۔ باغ میں انگور کی بیلوں سے چھپتی ہوئی ایک نشست گاہ تھی اور باغ میں ہر طرح کے پھول اور پھلوں کے درخت تھے۔ گھر بھی کسی محل سے کم نہیں تھا۔

فیصلہ یہ ہوا تھا کہ رات ہم ایک شاعر ایوب خاک صاحب کے ہاں گزاریں گے۔ ان کی طرف جاتے ہوئے نصر صاحب نے ہمیں سو کرنے کا کارڈ بھی لے کر دیا لیکن وہ ہمارے فون پر چل نہیں سکا کیونکہ اس میں بلجیئم کی سم تھی۔ سٹیشن سے ہم نے اوسلو جانے والی ٹرین کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور ایوب خاک صاحب کے گھر آ گئے۔ کافی رات بیت چکی تھی لیکن ایوب صاحب اور ان کی بیگم ہمارے انتظار میں بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے ہمیں ایک بیڈ روم میں پہنچا دیا۔ سونے سے پہلے اہلیہ سے گفتگو کے دوران پتہ چلا کہ انہوں نے آئس لینڈ سے اغوا کیے جانے والے بچوں کے مجسمے تو دیکھے ہی نہیں۔ ہم

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے پوری کہانی سنائی تو انہوں نے کہا کہ مجھے صبح پہلے وہاں لے چلیں۔

نصر ملک صاحب نے صبح ساڑھے دس بجے آنے کا وعدہ کیا تھا سو ہم نے سوچا کہ ان کے ساتھ ہم ساحل سمندر جائیں گے۔ صبح ایوب خاک صاحب تو اپنے دفتر چلے گئے ہم ناشتے کے بعد نصر صاحب کا انتظار کرتے رہے۔ اسی دوران ہمیں ایک ۸ سالہ بچہ دکھایا گیا جس پر ایک خاص طرح کے دورے پڑتے تھے۔ ہم نے مناسب دوا تجویز کر دی۔ بعد میں ایوب صاحب کی بیگم راشدہ نصر ملک صاحب کو فون کرتی رہیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ پورا دن ایسے ہی گزر گیا۔ شام کو ایوب صاحب دفتر سے آئے تو انہوں نے نصر ملک صاحب کو فون کیا۔ انہوں نے بتایا کہ انہیں کسی ایمرجنسی میں ٹی وی سٹیشن بلا لیا گیا تھا وہ اس لیے نہیں آ سکے۔ انہوں نے ایوب صاحب سے درخوست کی کہ وہ ہمیں لے کر ان کے پاس آ جائیں۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی جب ہم ان کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایوب صاحب نے بتایا کہ بہت سے پاکستانی روپیہ پیسہ کما کر واپس پاکستان جانا چاہتے ہیں لیکن وہاں ان سے جو سلوک ہوتا ہے وہ انہیں پاکستان سے مایوس کر دیتا ہے۔ انہوں نے خود اپنا تجربہ بتایا کہ ایک بار ان کے پاسپورٹ کو جعلی قرار دے کر ائیر پورٹ پر روک لیا گیا۔ بیس روپے کی رشوت سے ان کا پاسپورٹ صحیح قرار پایا اور انہیں جانے دیا گیا۔ ایک فقیر کا ذکر کیا کہ جب انہوں نے جان چھڑانے کے لیے کہا کہ میرے پاس ریزگاری نہیں ہے تو اس نے انہیں ایک ہزار کے نوٹ کی ریزگاری دے کر نہ صرف سو روپے بھیک وصول کی بلکہ دوسرے فقیروں کو بھی بتا دیا کہ موٹی آسامی ہے اسے گھیر لو۔ انہوں نے بڑی مشکل سے جان بچائی۔

نصر صاحب نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور نہ آنے کی وجہ دہرائی۔ ساتھ ہی انہوں نے ایک خوشگوار خبر بھی سنائی۔ بولے کہ میں کل اپنے آپ کو بڑا چھوٹا محسوس کر رہا تھا کہ باقی سب لوگ آپ کی کتابوں سے واقف تھے لیکن میں نے آپ کی کوئی کتاب نہیں دیکھی تھی۔ چنانچہ میں آج کوپن ہیگن کی مرکزی لائبریری میں گیا جہاں دنیا بھر کی کتابیں ملتی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ مجھے یہ جان کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ آپ کی ساری کتابیں اردو سیکشن میں نہ صرف موجود ہیں بلکہ مقبول بھی ہیں۔

''شیلف میں رکھی کتاب کو دیکھ کر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ مقبول بھی ہے؟''

ہم نے پوچھا۔

''اس کتاب کے ایشو ہونے کے ریکارڈ سے۔ ہر کتاب کے آخر میں ایک کارڈ لگا ہوتا ہے جس پر ایشو اور واپسی کی تاریخ درج ہوتی ہے۔ آپ کی کتاب جنٹلمین بسم اللہ سو سے زائد بار ایشو ہو چکی ہے۔''

''ایک کتاب آٹھ دس ہاتھوں سے گزرے تو اس کا کچومر نکل جاتا ہے۔ یہ سو سے زائد بار کیسے ایشو ہو گئی۔'' ہم نے پوچھا۔

''لائبریری والے دو تین بار ایشو ہونے والی کتابوں کی اتنی خوبصورت جلد بندی کرتے ہیں کہ آپ دیکھیں تو آپ کو خود یقین نہ آئے کہ یہ آپ کی کتاب ہے۔''

انہوں نے مزید بتایا کہ اس لائبریری میں ایک رواج یہ ہے کہ جو کتاب سو سے زائد بار ایشو ہو تو اس کے مصنف کو لائبریری میں آنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد ہوتی ہے جس میں کتاب پڑھنے والے، ان کے اور کتاب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں اور انہیں رائلٹی بھی دی جاتی ہے۔

''ہم ان کی دعوت کے بغیر ہی ان کے پاس چلتے ہیں۔ تقریب کو چھوڑیں، آپ ہمیں رائلٹی تو دلوائیں۔'' ہم نے نصر ملک سے مطالبہ کیا۔

انہوں نے ہنستے ہوئے بتایا کہ یہ سہولت صرف ان کے اپنے ملک کے مصنفوں کے لیے ہے غیر ملکی مصنفین کے بارے میں مجھے پتہ نہیں وہ کیا سلوک کرتے ہیں۔

پہلے ہم نے سوچا کہ رائلٹی کا مستحق قرار پانے کے لیے سویڈن کی شہریت کی درخواست دے دیتے ہیں۔ لیکن وقت کم تھا اور ہم پر سفر سوار۔ ارادہ ملتوی کر دیا۔ ان کی بیگم ہمانے چائے کے ساتھ دہی بڑے اور سموسے تیار کر رکھے تھے۔ چائے کے بعد نصر ملک صاحب

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے ایک مریضہ کو ہمارے ساتھ ایک الگ کمرے میں بٹھا دیا کہ وہ کسی جلدی بیماری میں مبتلا تھیں۔ ہم نے پورا کیس سن کر دوا لکھ دی۔ یہیں مقبول حسین بھٹی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جنہوں نے اپنی کتاب ''آئینۂ جہلم'' ہمیں پیش کی۔ رات گیارہ بجے تک واپس آ سکے۔

دوسرے دن ہم نے اوسلو روانہ ہونا تھا۔ کوئی دن ایسا ہوتا ہے جب ہر کام الٹ ہو جاتا ہے۔ یہ دن بھی ایسا ہی ثابت ہوا۔ ایوب صاحب اور ان کی بیگم راشدہ ہمیں لے کر کوپن ہیگن کے سٹیشن روانہ ہوئے۔ سٹیشن کے اردگرد پارکنگ کی کوئی جگہ نہ ملی۔ ایوب صاحب نے ہمیں اور اپنی بیگم کو اتار دیا اور خود اردگرد چکر لگاتے رہے۔ راشدہ ہمیں لے کر اندر گئیں۔ انہوں نے معلومات کے کاؤنٹر سے اوسلو جانے والی ٹرین کا پتہ کیا۔ وہ چند سیکنڈ میں پلیٹ فارم نمبر چار سے روانہ ہونے والی تھی۔ ہم نے راشدہ کو خدا حافظ کہا اور ٹرین کی طرف لپکے۔ اس نے رینگنا شروع کر دیا تھا جب ہم بھاگم بھاگ اس میں سوار ہوئے۔ سکھ کا سانس لیا لیکن سکھ اس دن ہمارے مقدر میں تھا نہیں۔ ٹرین جب ایئرپورٹ پہنچی تو تمام مسافر اتر گئے۔ اپنے ڈبے میں صرف ہم میاں بیوی رہ گئے۔ اہلیہ نے تشویش کا اظہار کیا اور کہا بھی کہ یہ ٹرین آگے جاتی دکھائی نہیں دیتی۔ پتہ کریں کیا معاملہ ہے لیکن ہم بیٹھے رہے۔ اتنے میں ایک ٹکٹ چیکر آئی اور اس نے بتایا کہ یہ ٹرین تو اب واپس کوپن ہیگن جائے گی۔ مرتے کیا نہ کرتے۔ واپس کوپن ہیگن آ گئے۔ نقشے کا مطالعہ فرمایا اور فیصلہ کیا کہ پہلے مالمو چلتے ہیں۔ وہاں سے ہیلسن برگ جائیں گے۔ آگے کی پھر دیکھی جائے گی۔ پتہ کیا کہ مالمو کے لیے ٹرین کس پلیٹ فارم سے جائے گی پھر وہی جواب ملا۔ پلیٹ فارم نمبر چار۔ ہم نے بتایا بھی کہ ہم صبح سے خوار ہو رہے ہیں۔ وہ ٹرین تو ایئرپورٹ تک جاتی ہے۔ معلومات کے کاؤنٹر والی لڑکی نے دوبارہ کمپیوٹر پر چیک کر کے بتایا کہ پلیٹ فارم نمبر چار ہی سے جائے گی ہم وہاں گئے۔ ٹرین کھڑی تھی۔ ایک اہلکار سے پوچھا کہ یہ کہاں جائے گی۔ اس نے بتایا، ''ایئرپورٹ۔'' ہم نے کہا کہ انفرمیشن والے تو بتا رہے ہیں کہ یہاں سے ٹرین مالمو جائے گی۔ وہ ہنسا اور بولا کہ وہ درست کہہ رہے ہیں۔ اس نے اسی پلیٹ فارم پر آگے جانے کو کہا

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جہاں ایک اور ٹرین کھڑی تھی۔ ہم اس میں سوار ہو گئے۔ مالمو پہنچ کر ہم نے ہیلسن برگ کی ٹرین پکڑی۔ ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے۔ پتہ چلا کہ یہاں سے تو اب اوسلو کے لیے کوئی ٹرین نہیں جائے گی۔ واپس کوپن ہیگن آنا پڑا۔ یہاں سے ہم ایک نئی منزل گوٹن برگ روانہ ہوئے۔ نقشے کے مطابق وہاں سے ہمیں اوسلو کی ٹرین مل سکتی تھی لیکن کس پلیٹ فارم سے۔ بڑی مشکلوں سے معلومات کا کاؤنٹر تلاش کیا۔ وہاں معلومات حاصل کرنے والوں کی ایک لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ اپنی باری کے لیے ٹوکن لینا پڑتا تھا۔ ہمارے ٹوکن کا نمبر ۱۵۱ تھا اور اس وقت ٹوکن نمبر ۱۴۰ - ۱۴۱ کی باری تھی۔ ہم نے کاؤنٹر پر جا کر متعلقہ خاتون سے بات کرنا چاہی لیکن اس نے سننے سے انکار کر دیا اور باری کا انتظار کرنے کو کہا۔ جب ہماری باری آئی تو اس نے بتایا کہ اوسلو کی ٹرین دس منٹ پہلے فلاں پلیٹ فارم سے روانہ ہو چکی ہے۔ اگلی ٹرین شام سات بجے جائے گی یا کل دو بجے۔ پریشانی کا عالم۔ اہلیہ نے مشورہ دیا کہ کسی بس کا پتہ کریں۔ جتنی دیر یہاں ٹرین کے انتظار میں بیٹھیں رہیں گے اوسلو پہنچ جائیں گے۔ بس سٹاپ قریب ہی تھا۔ ایک بس مل گئی۔ پریشانی کے عالم میں یہ بھول گئے کہ ہمارا گلوبل پاس بس میں سفر کرنے کے لیے بھی کارآمد تھا۔ ۴۸۰ کرونے کے دو ٹکٹ خریدے۔ بس چلنے میں کچھ دیر تھی۔ ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ سے اوسلو میں اپنے میزبان جمشید سرور صاحب کو فون کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ تو کب سے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ انہیں مختصراً صورت حال بتائی اور کہا کہ بس روانگی کے لیے تیار ہے، ہم پانچ گھنٹوں میں اوسلو پہنچ جائیں گے۔ ہماری نشستوں کے ساتھ گمبیا کے نوجوان میاں بیوی بیٹھے تھے۔ مسلمان تھے اور حال ہی میں ان کی شادی ہوئی تھی۔ وہ دوبئی اور شام میں ہنی مون منا کر اوسلو لوٹ رہے تھے۔ اگلی نشست پر ایک یورپین جوڑا تھا جو مستقل ایک دوسرے سے چپٹے رہے۔

سویڈن اور اوسلو کی سرحد پر بس رکی تو کسٹم کا ایک افسر ایک کتے کو لے کر بس میں سوار ہوا۔ وہ تمام نشستوں کے نیچے سونگھتا پھرا۔ پھر دونوں اتر گئے۔ سرحد کے گیٹ کھلے اور بس روانہ ہو گئی۔ جب اوسلو صرف آدھ گھنٹے کی مسافت پر رہ گیا تو ڈرائیور نے ایک سٹور پر گاڑی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روک دی اور بتایا کہ انجن بہت زیادہ گرم ہو گیا ہے۔ یہ آگے نہیں جائے گی۔ ہیڈ کوارٹر میں فون کر دیا ہے۔ دوسری بس جلد ہی پہنچ جائے گی۔ یہ بس ایک گھنٹے بعد پہنچی۔ تمام مسافروں نے اپنا سامان نئی بس میں منتقل کیا اور ہم پھر اوسلو کے لیے روانہ ہوئے۔ جب ہم اوسلو پہنچے تو آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی۔ ہم نے گیمبیا کے نوجوان سے کہا کہ وہ اپنے فون پر ہمیں ایک نمبر ملا دے۔ اس نے سم تبدیل کی۔ جمشید صاحب کے گھر سے ان کے بیٹے نے بتایا کہ وہ تو دو گھنٹوں سے بس سٹاپ پر گئے ہوئے ہیں۔ ہم نے بس سٹاپ کے اردگرد چکر لگایا۔ وہ ہمیں بالکل مخالف سمت میں ڈھونڈھ رہے تھے۔ ملاقات ہوئی۔ ہم سارے دن کی بھاگ دوڑ کی وجہ سے سخت تھکے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ جلدی سے گھر پہنچ کر سو جائیں لیکن جمشید صاحب ہمیں ایک پاکستانی ہوٹل لے گئے۔ ان کے ساتھ ملک افضال محمود اور ضمیر صاحب تھے جن کا تعلق کھاریاں سے تھا اور دونوں اوسلو میں ٹیکسی چلاتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہاں کھاریاں اور گجرات کے لوگوں کی بہتات ہے اور ہر دوسرا ٹیکسی ڈرائیور کھاریاں سے ہے۔ گجرات کے سیاستدان چوہدری شجاعت نے اپنے دور وزارت میں بے شمار لوگوں کو ناروے بھجوایا تھا۔ ہوٹل میں حافظ عبدالجبار صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ شمال میں ایک جگہ موئی رانا میں کچھ عرصہ رہے ہیں۔ وہاں دو مہینے بارہ دن کے لیے سورج مسلسل چمکتا ہے۔ پھر ایک منٹ کے لیے رات ہوتی ہے اور پھر دن نکل آتا ہے۔ قطب شمالی میں موسم گرما میں یہی ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو سورج سارا دن آسمان پر گھومتا دکھائی دیتا ہے۔ ۲۱ یا ۲۲ جون کو ایسا ہوتا ہے کہ سورج غروب ہونے کے فوراً بعد ہی طلوع ہونے لگتا ہے۔ اسے مڈنائٹ سن یعنی آدھی رات کا سورج کہتے ہیں۔ ایسی جگہوں پر نماز اور روزے کے لیے حکم ہے کہ وہ قریب ترین اسلامی ملک کے وقت کے مطابق نماز پڑھیں اور روزے رکھیں۔ جمشید صاحب کے ہاں مہمان آئے ہوئے تھے۔ ہمیں افضال محمود کے ہاں ٹھہرنا تھا۔ وہ بڑی ملنسار طبیعت کے مالک ہیں۔ انہوں نے بڑی محبت سے ہماری میزبانی کی۔ ان کا اپنا گھر تھا۔ فیملی صرف گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے آتی تھی ورنہ ان کا گھر دوسرے پاکستانیوں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے سرائے بنا رہتا تھا۔ گھر کے باہر کی دیواروں پر جنگلی گلاب کی بیلیں تھیں جن میں خوشنما پھول مسکرا مسکرا کر آنے والوں کا استقبال کرتے تھے۔ ہم کوئی تین بجے ان کے ہاں پہنچے۔ نمازیں پڑھ کر جو سوئے ہیں تو ایک بجے دوپہر آنکھ کھلی۔ اگرچہ سونے سے پہلے ہم نے افضال اور ضمیر کو کہہ دیا تھا کہ وہ ہماری فکر نہ کریں لیکن افضال کام پر نہیں گئے اور ہمارے اٹھنے پر انہوں نے بڑے اہتمام سے ناشتہ بلکہ برنچ کروایا۔ ضمیر سیال کہہ گئے تھے کہ وہ ساڑھے سات بجے تک لوٹ آئیں گے اور پھر اوسلو کی سیر کو نکلیں گے۔ افضال ٹیکسی لے کر چلے گئے اور گھر کی چابیاں ہمارے حوالے کر گئے۔ موسم خوشگوار تھا اور اردگرد کے مناظر بہت خوبصورت۔ ہم گھر کو تالا لگا کر سیر کو نکل گئے۔

ضمیر سیال دیے گئے وقت پر لوٹ آئے۔ ان کے ساتھ جمشید مسرور بھی تھے۔ وہ بڑے اچھے شاعر ہیں اور کافی معروف۔ دبئی، قطر، پاکستان میں ہونے والے مشاعروں میں اکثر مدعو کیے جاتے ہیں۔ دو کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ اوسلو میں ریسرچ کونسل آف ناروے کے ایگزیکٹو ڈائرکٹر ہیں۔ اوسلو یونیورسٹی میں اردو کے اساتذہ کی رہنمائی بھی کرتے ہیں اور گورنمنٹ کالج اوسلو میں پڑھاتے بھی ہیں۔ ان کی بیگم کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہوا۔ وہ دو مرتبہ اوسلو کی میونسپل کونسل کی رکن منتخب ہوئیں اور دس سال تک کمیونٹی کی خدمت میں مصروف رہیں۔ ناروے کے بادشاہ نے ان کے انتقال پر تعزیت کی تھی اور اوسلو کی ایک سٹریٹ ان کے نام کر دی گئی تھی ''روبینہ سٹریٹ''

ہم آٹھ بجے سیر کو نکلے۔ سورج یہاں ساڑھے گیارہ بجے کے قریب غروب ہوتا ہے۔ ضمیر سیال بھی شاعر ہیں اور انہوں نے اپنی کچھ غزلیں کراچی کے کسی گلوکار کی آواز میں ریکارڈ کروا رکھی ہیں۔ سیر کے دوران انہوں نے اپنی غزلوں کی ایک کیسٹ لگا دی جس سے سیر کا لطف دوبالا ہو گیا۔ راستے میں جگہ جگہ گھڑ سواروں کے مجسمے تھے۔ جمشید صاحب نے بتایا کہ ان مجسموں میں جن گھوڑوں کی ٹانگیں اوپر ہوا میں اٹھی ہوئی ہیں اس کا مطلب ہے کہ اس کا سوار کسی جنگ میں مارا گیا تھا۔ تفصیلات مجسمے کے پیڈسٹل پر لکھی ہوتی ہیں۔ ضمیر ہمیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وِگ لینڈ پارک اور دوسرے کئی مقامات پر لے گئے۔ سڑک بلندی پر ایسے مقامات سے گزرتی ہے جہاں سے سمندر اور اوسلو کا پورا شہر نظر آتا ہے۔ جگہ جگہ جھیلیں ہیں۔ اوسلو کو جھیلوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ رات گئے واپس لوٹے۔

یہیں افضال کے گھر تجدد کے پائے چوبیں کے ایک نیم دانشور پیروکار سے ملاقات ہوئی جن کا کہنا تھا کہ امت مسلمہ کے اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ صرف قرآن کو رہنمائی کا ماخذ مانا جائے اور حدیث کو چھوڑ دیا جائے۔ امت مسلمہ میں اختلاف کا بنیادی سبب حدیث ہی ہے۔ جب ہم نے کہا کہ قرآن پر عمل کرنے کے لیے حدیث کی رہنمائی ضروری ہے جیسے قرآن میں زکوٰۃ کا حکم ہے لیکن قرآن میں اس کی شرح نہیں ملتی کہ کس حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اسی طرح نماز کا حکم تو ملتا ہے، اگر حدیث کو نہ مانیں تو آپ بتائیں کہ نماز کیسے ادا کی جائے۔ وہ آئیں بائیں شائیں کرتے رہے لیکن ہم نے اصرار کیا کہ وہ بتائیں حدیث کو نہ مانیں تو نماز کیسے ادا کی جائے گی۔ کافی دیر بعد بولے کہ جس طریق کار پر امت متحد ہو جائے، ویسے ادا کر لی جائے۔ ہم نے پوچھا کہ دنیا کے کسی ایک ملک کا نام بتائیں جہاں کی پارلیمنٹ کسی ایک مسئلے پر اتفاق رائے سے کوئی فیصلہ کرتی ہو۔ ظاہر ہے اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں تھا۔

اوسلو آمد کے فوراً بعد پاکستانی ہوٹل میں حافظ عبدالجبار نے موئی رانا کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اسے سن کر موئی رانا جانے کی خواہش تو تھی لیکن فاصلہ ایک ہزار کلو میٹر کے لگ بھگ تھا اور ٹرین سے بارہ تیرہ گھنٹے کی مسافت تھی یعنی کم از کم دو دن چاہئیں تھے لیکن اس سے اگلا پروگرام بری طرح متاثر ہو رہا تھا کہ ہم نے ابھی یورپ کے دوسرے سرے پر واقع اٹلی بھی جانا تھا اور پھر یورپ کے وسط میں جرمنی پہنچنا تھا جہاں سے بذریعہ جہاز لندن جانا تھا۔ چنانچہ نصف شب کی سرزمین جانے کا ارادہ ترک کیا اور واپسی کی ٹھانی۔ اہلیہ نے راستے کے لیے انڈوں کے سینڈوچ بنائے تھے لیکن افضال نے بسکٹوں کے پیکٹ، چاکلیٹ اور جوس کے ڈبے ہمارے بیگ میں ٹھونس دیے۔ سٹیشن پر پہنچے تو ٹرین کی روانگی میں تاخیر تھی۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم نے افضال کو واپس جانے کو کہا بھی لیکن وہ آخر وقت تک ہمارے ساتھ رہے۔

گوٹن برگ جاتے ہوئے راستے میں ہوا سے چلنے والی کئی چکیاں نظر آئیں جو بڑی آہستگی سے گھوم رہی تھیں۔ ہم نے سوچا کہ ہمارے ہاں تو کئی مقامات ایسے ہیں جہاں ہوا تیز رفتاری سے چلتی ہے۔ وہاں یہ چکیاں لگائی جائیں تو بڑی سستی بجلی مل سکتی ہے۔ راولپنڈی سے لاہور کی طرف جائیں تو انتباہی بورڈ نظر آتے ہیں کہ ہوا تیز ہے، احتیاط سے چلیں۔ کبھی کبھار یہ اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ گاڑی ڈولنے لگتی ہے۔ شکر ہے کہ یہ سطور لکھتے وقت پاکستان میں بھی کچھ مقامات پر یہ چکیاں نصب ہو چکی ہیں۔ خدا کرے یہ تجربہ کامیاب رہے۔ تقریباً پانچ گھنٹوں میں ہم گوٹن برگ پہنچ گئے۔ اوسلو جاتے ہوئے معلومات لیتے لیتے ہماری ٹرین چھوٹ گئی تھی۔ دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ ہم نے اترتے ہی پہلے کوپن ہیگن جانے والی ٹرین کا پتہ کیا اور تھوڑی دیر ونڈو شاپنگ کے بعد مقررہ وقت سے پہلے ہی ٹرین میں آ بیٹھے۔ لیکن شاید ریلوے انتظامیہ کو اس کی خبر ہو گئی۔ ٹرین پہلے دس منٹ لیٹ ہوئی اور پھر مزید لیٹ۔ ہم ان کے جھانسے میں نہیں آئے اور مستقل مزاجی سے اپنی نشستوں پر براجمان رہے۔ بالآخر ٹرین روانہ ہو گئی۔ راستہ نارتھ سی کے ساحلی علاقے سے گزرتا تھا۔ ہم چھٹی مرتبہ مالمو سے گزرے اور دس بجے شام کوپن ہیگن پہنچ گئے۔ ابھی تک سورج غروب نہیں ہوا تھا، ایوب خاک صاحب کو فون کیا، وہ تھوڑی دیر میں ہمیں لینے پہنچ گئے۔

دوسرے دن ہم نے ناشتے کے بعد ایوب صاحب کی بیگم سے اجازت چاہی۔ پہلے ہمیں ساحل سمندر جانا تھا کہ بیگم نے آئس لینڈ سے اغوا ہونے والے بچوں کے مجسمے دیکھنے تھے۔ ایوب صاحب کے بیٹے نے کمپیوٹر پر چیک کر کے ہمیں بتایا کہ کلیمپن برگ جانے والی ٹرین میں سوار ہو کر شارلٹن برگ اتر جائیں تو ساحل سمندر قریب ہی ہے۔ ہم شارلٹن برگ اتر کر ساحل سمندر پہنچ تو گئے لیکن مطلوبہ مجسموں کا دور دور تک کوئی سراغ نہ تھا۔ سامان ساتھ تھا چلنا دوبھر۔ ہلکی ہلکی پھوار بھی پڑ رہی تھی۔ دور دور تک کوئی بندہ نہ بندے کی ذات۔ کافی دیر چلنے کے بعد ایک کیبن نظر آیا جس میں ایک لڑکی کافی اور چائے بیچ رہی تھی۔ ہم نے اس

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے کافی کے دو کپ لیے اور مجسموں کے بارے میں پوچھا تو اس نے شانے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔ ہم نے بھی ہمت نہیں ہاری اور ڈیڑھ گھنٹے کی تگ و دو کے بعد ان مجسموں تک پہنچ گئے۔ تصویریں اتاریں، فلم بنائی۔ ہم فلم بنانے میں مصروف تھے کہ بیگم نے آواز دے کر سمندر کی طرف بلایا۔ ایک نہایت خوبصورت بطخ اپنے دو بچوں کے ساتھ کنارے پر بیٹھی تھی۔ بیگم نے کہا کہ ان کی فلم بنائیں۔ ہم نے کیمرہ سیدھا کیا ہی تھا کہ بطخ پانی میں اتر گئی۔ اس نے ایک خاص آواز نکالی جسے سن کر اس کے دونوں بچے بھی پانی میں اتر گئے۔ بطخ گردن موڑ موڑ کر دیکھتی تھی کہ بچے آ بھی رہے ہیں یا نہیں۔ اس دوران بطخا بھی کہیں سے نکل آیا اور اپنی فیملی کے پیچھے پیچھے تیرنے لگا۔

یہاں سے ہم واپس شارلٹن برگ آئے اور پھر کوپن ہیگن سے ہوتے ہوئے ساتویں مرتبہ مالمو پہنچے جہاں سے ہمیں برلن کی ٹرین لینی تھی۔ اس نے دس بجے کے قریب روانہ ہونا تھا اور چونکہ یہ نائٹ ٹرین تھی اس لیے اس میں برتھ کی ریزرویشن ضروری تھی۔ ریزرویشن کروانے گئے تو پتہ چلا کہ صرف ایک برتھ باقی ہے۔ ہم نے بتایا کہ ہم میاں بیوی ہیں، اکٹھے ہی سفر کریں گے۔ کہیں سے کوئی بندوبست کرو لیکن اس نے مجبوری ظاہر کی اور کہا کہ آپ ایک برتھ تو لیں۔ ریل کے عملے سے رابطہ کر لیجیے گا وہ کوئی بندوبست کر دیں گے۔ ہم نے ایک برتھ مخصوص کروالی۔ پلیٹ فارم پر آئے تو ایک ٹی ٹی لوگوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ ہم نے اسے اپنا مسئلہ بتایا تو اس نے جھنجھلا کر جواب دیا کہ ٹرین فل ہے۔ کوئی برتھ خالی نہیں۔ ہم نے پوچھنا چاہا کہ ہم ایک ہی برتھ پر گزارا کر لیں گے، اس پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا لیکن جانے وہ کیوں غصے میں تھا۔ ہم اپنے ڈبے کی طرف آئے۔ دروازے پر ایک شخص کھڑا تھا۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ انگریزی جانتا ہے۔ اس نے جھنجھلا کر جواب دیا کہ ہاں جانتا ہوں لیکن میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا، کسی اور سے پوچھو۔ ہم نے بھی غصے سے کہا کہ اچھا ٹھیک ہے، راستہ چھوڑو، یہ ہمارا ڈبہ ہے۔ وہ دروازے سے ہٹ گیا۔ ہم نے اپنی برتھ پر قبضہ جمایا۔ یہ کافی کشادہ تھی اور ہم دونوں کا بآسانی گذارا ہو سکتا تھا۔ ایک لڑکی آئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اس نے ہم سے امبارکیشن کارڈ بھروائے کہ ہم نے سویڈن اور جرمنی کی سرحد پار کرنی تھی۔ ہم نے اس سے بھی پوچھا کہ ہم دو ہیں، برتھ ایک، کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا۔ لیکن غالباً اس کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ٹرین چلنے پر ہماری سامنے والی ایک نشست پر ایک لڑکی آئی اور ریڈنگ لائٹ جلا کر ایک ناول پڑھنے لگی۔ ناول انگریزی میں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے انگریزی آتی تھی۔ ہم نے اس سے سفر کے بارے میں کچھ معلومات لینا چاہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ بھی اس سمت میں پہلی بار سفر کر رہی تھی۔ لیکن اسے اتنا پتہ تھا کہ ٹرین صبح چھ بجے برلن پہنچے گی لیکن جو کچھ اسے اور ہمیں پتہ نہیں تھا وہ بڑی دلچسپی بات تھی۔

ٹرین کو چلے آدھ یا پون گھنٹہ گزرا ہوگا کہ ایک عجیب بات ہوئی۔ ہم نیم غنودگی کے عالم میں تھے کہ عجیب وغریب شور سن کر ہم اٹھ بیٹھے۔ ٹرین کھڑی تھی اور اس کے باہر سے لوگوں کے بھاگنے دوڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک بھگدڑ سی مچی تھی۔ قریبی ڈبوں کے دروازے بھی کھٹاک پٹاخ بند ہو رہے تھے۔ ہمارے ڈبے میں سوائے ہمارے یا سامنے والی برتھ پر لڑکی کے سوا کوئی نہ تھا۔ لڑکی بے سدھ سو رہی تھی۔ ہمیں حیرت ہوئی کہ اگر کوئی ایمرجنسی ہوگئی ہے تو ڈبے کے لوگوں کو چاہیے تھا کہ ہمیں بھی خبردار کرتے۔ خود جانیں بچا کر بھاگ گئے ہیں اور ہمیں چھوڑ گئے ہیں۔ صورت حال معلوم کرنے کے لیے ہم باہر آئے تو دیکھا کہ ٹرین ایک بحری جہاز میں کھڑی ہے۔ ساتھ ہی ایک اور ٹرین کھڑی تھی۔ اوپر والی منزل پر کنٹینر کھڑے نظر آ رہے تھے۔ لوگ ڈبوں سے نکل نکل کر بھاگم بھاگ آتے تھے اور ایک لفٹ میں سوار ہو کر اوپر چلے جاتے تھے۔ ہم نے دائیں بائیں گھوم کر حدود اربعہ نوٹ کیا اور ڈبے کا نمبر ذہن نشین کیا کہ کہیں راستہ نہ کھو بیٹھیں۔ پھر لفٹ میں سوار ہو گئے۔ اوپر گئے تو بیک ٹو دی فیوچر والی فلم کا منظر تھا۔ ایک نئی دنیا۔ سب سے نچلی منزل پر ٹرینیں تھیں۔ دوسری منزل پر ٹرک اور کنٹینر۔ تیسری منزل پر درجنوں کاریں اور چوتھی منزل پر جہاز کا عرشہ تھا جو روشنیوں سے نہایا ہوا تھا۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں رقص کر رہے تھے اور گانے گا رہے تھے۔ اردگرد کے لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔ ایک طرف بار تھی جس میں لوگ پینے پلانے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصروف تھے۔ اندر گویا مینا بازار سجا ہوا تھا۔ طرح طرح کی اشیاء کی دکانیں۔ کچھ دیر تو ہم ان مناظر میں گم رہے پھر یاد آیا کہ ہمارے ساتھ ایک عدد بیگم بھی ہیں۔ ہم نیچے بھاگے۔ وہ سراسیمگی کی حالت میں دروازے پر کھڑی تھیں۔ ہم نے انہیں ساتھ لیا اور عرشے پر آ گئے۔ ہمیں یاد آیا کہ مالموسویڈن کے انتہائی جنوب مغرب میں سمندر کے ساحل پر واقعہ ہے۔ سویڈن اور جرمنی کے درمیان سمندر ہے۔ اس سمندر کو عبور کرنے کے لیے پوری کی پوری ٹرین بسیں اور کاریں ایک بڑے جہاز میں سما جاتی ہیں اور خشکی پر اتر کر اپنی اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہو جاتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے سمندر کے کناروں پر خصوصی پٹڑیاں ہیں جو جہاز کے نچلے حصے کی پٹڑیوں سے مل جاتی ہیں اور ٹرین بآسانی جہاز میں داخل ہو جاتی ہے۔ کاروں اور بسوں وغیرہ کے لیے خصوصی ریمپ استعمال ہوتے ہیں۔ ہم کافی دیر عرشے کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے رہے اور پھر ڈبے میں جا کر سو گئے۔ اہلیہ نے بتایا کہ جب ان کی آنکھ کھلی تو ڈبے میں سوائے سامنے والی لڑکی کے کوئی اور نہیں تھا۔ وہ بھی جوتے پہن کر باہر جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ دروازے تک اس کے ساتھ گئیں اور اسے کہا ''مائی ہسبنڈ؟'' اس نے دائیں بائیں ایک چکر لگایا اور اشاروں سے بتایا کہ ان کا تو کوئی پتہ نہیں۔

صبح چھ بجے برلن پہنچے۔ ناشتہ کیا اور پھر نقشے کا مطالعہ۔ یہاں سے ہمیں لیپزیگ جانا تھا۔ ٹرین نے ایک گھنٹے بعد روانہ ہونا تھا۔ ہم سٹیشن سے باہر آئے اور ایک بس میں سوار ہو گئے۔ ڈرائیور نے پوچھا کہاں جائیں گے۔ ہم نے بتایا کہ کہیں نہیں جانا۔ شہر کو سرسری نظر سے دیکھنا ہے۔ آپ کے آخری سٹاپ تک جائیں گے۔ اور پھر اسی بس سے واپس آ جائیں گے۔ اس نے مسکرا کر نشستوں کی طرف اشارہ کیا۔ آخری سٹاپ پر پہنچ کر اس نے ہمیں بھی اترنے کا اشارہ کیا اور اشاروں ہی سے سمجھایا کہ وہ دس منٹ میں چائے پی کر واپس آ جائے گا۔ ہم اتر تو گئے لیکن تشویش تھی کہ وہ لیٹ ہو گیا تو کہیں ہم سے ٹرین نہ رہ جائے لیکن وہ واقعی دس منٹ میں واپس آ گیا۔ ہم سٹیشن پہنچے تو ٹرین تیار تھی۔ یہاں سے ہم لیپزگ پہنچے۔ ہومیوپیتھی کے بانی ڈاکٹر ہانیمن کی جائے پیدائش یہی ہے۔ ہم نے کچھ دیر شہر کی سیر کی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر میونخ روانہ ہوگئے۔ میونخ سے ہمیں اٹلی کے شہر میلانو جانا تھا۔ اس کے لیے پھر برتھ مخصوص کرانی ضروری تھی کہ یہ نائٹ ٹرین تھی۔ ٹرین کی روانگی میں تین گھنٹے پڑے تھے۔ ہم شہر کی سیر کو نکل گئے۔ خوبصورت شہر تھا۔ ایک چوک میں عجیب منظر تھا۔ درمیان میں ایک بڑی سی گول کیاری تھی جس میں پھول کھلے ہوئے تھے اور چاروں طرف پانی کے پائپ تھے جن سے پانی پھوار کی شکل میں گر رہا تھا۔ اردگرد لوگ بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ ہم بھی بازار کی طرف نکلے۔ ایک ریڑھی پر کیلے بک رہے تھے۔ ایک یورو کے کلو۔ سویڈن میں ہم نے کیلے ایک یورو کا ایک کیلا کے حساب سے خریدے تھے۔ یہ سستے معلوم ہوئے۔ ایک کلو میں چھ کیلے ملے، تھے بھی لذیذ۔ ہم سب کھا گئے۔ ہم نے کہا کہ ڈنر کے لیے یہ کیلے ہی خرید لیتے ہیں۔ بولیں میں خود لے کر آ ؤں گی۔ ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ یہ ریڑھی پر پہنچیں تو ایک خاتون نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ریڑھی سے ہٹا دیا۔ انہوں نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے ہمیں دیکھا۔ ہم نے قطار کی طرف اشارہ کیا جس میں دو افراد کھڑے تھے۔ یہ قطار میں لگ گئیں اور دو کلو کیلے خرید لائیں جو درجن کے قریب تھے۔

ادھر ادھر گھومتے ہوئے ایک بنگلہ دیشی سٹور نظر آیا۔ ہم اس میں داخل ہوئے تو ایک پاکستانی سے ملاقات ہوگئی۔ شعیب اور ان کی بیگم زینت۔ دو بچے بھی ساتھ تھے۔ تعارف ہوا تو انہوں نے دعوت دی کہ ہم ان کے ساتھ گھر چلیں۔ ہم نے بتایا بھی کہ ہم میلانو کے لیے نشستیں مخصوص کروا چکے ہیں اور ٹرین کی روانگی میں صرف ڈھائی گھنٹے باقی ہیں۔ ان کا اصرار جاری رہا کہ میری ذمہ داری ہے، میں وقت پر پہنچا دوں گا۔ ہم ان کے ساتھ چل پڑے۔ گھر پہنچ کر بے چاری زینت تو کھانا بنانے میں مصروف ہوگئیں۔ اہلیہ ان کے ساتھ کچن ہی میں گپ شپ کرتی رہیں۔ شعیب نے بتایا کہ ان کی ایڑیوں میں مسلسل درد رہتا ہے اور اہلیہ جب سے یہاں آئی ہیں مسلسل بیمار ہیں۔ ہم نے جب بتایا کہ ہم ہومیو پیتھ ڈاکٹر ہیں۔ انہیں دوائیں لکھ دیتے ہیں تو ان کا اصرار بڑھ گیا کہ آپ اپنی سیٹیں کینسل کروائیں اور ایک دن ان کے ساتھ رہیں۔ ہم نے جب بتایا کہ ہمارا گلوب پاس ختم ہونے کو ہے اور اس کے ختم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونے سے پہلے پہلے ہمیں جرمنی پہنچنا ہے تو بادل نخواستہ مان گئے۔ کھانے کی تیاری میں تاخیر ہوئی تو زینت نے پیک کر دیا کہ بجائے جلدی جلدی کھانے کے آرام سے ٹرین میں کھائیے گا۔

ریلوے سٹیشن پہنچ کر اپنا ڈبہ تلاش کیا تو اسے بند پایا۔ ہم سمجھے کہ شاید کسی نے اندر سے لاک کیا ہوا ہے۔ لیکن اتنے میں ایک اہلکار آیا اور اس نے چابی سے ڈبہ کھول دیا۔ اس نے ہمارے پاسپورٹ لے لیے کہ میلانو تک پہنچنے سے پہلے ٹرین نے دو تین ملکوں سے گزرنا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس ڈبے میں کسی اور کی بکنگ نہیں ہے آپ اسے اندر سے لاک کر لیں اور مزے سے سو جائیں۔ میں صبح پاسپورٹ واپس کر دوں گا۔ تو یوں پورا ڈبہ ہمارا تھا۔ ہم نے اطمینان سے کھانا کھایا اور گپ شپ کرتے سو گئے۔

صبح سات بجے ہم میلانو پہنچ گئے۔ رات بھر میں ہم نے تین ملک عبور کیے تھے۔ آسٹریا، سوئٹزرلینڈ اور اٹلی۔ میلانو اٹلی کے شہر میلان کے ریلوے سٹیشن کا نام ہے جس کا شمار یورپ کے بڑے سٹیشنوں میں ہوتا ہے۔ اس کا یادگاری پتھر تو اٹلی کے بادشاہ سلامت وکٹر ایلوئنل یازدہم نے 1906ء ہی میں نصب فرما دیا تھا لیکن اس کی تکمیل میں پچیس برس لگے کیونکہ ہر آنے والی حکومت اسے بہتر سے بہتر تر بنانے کے لیے اس کے ڈیزائن میں تبدیلی کر دیتی تھی۔ دوسری جنگ عظیم میں اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی نے بھی اس کی تعمیر کروائی اور ہدایات جاری کیں کہ آنے والے وقت میں اٹلی ایک بڑی طاقت ہوگا۔ یہ ریلوے سٹیشن اس کے تزک واحتشام کی علامت ہونا چاہیے۔ خدا خدا کر کے یہ بنا اور یکم جولائی 1931ء کو اس کا افتتاح ہوا۔ اس کے 24 ٹریک ہیں اور یہاں سے روزانہ پانچ سو ریل گاڑیاں گزرتی ہیں۔ روزانہ تین لاکھ تیس ہزار مسافر یہاں سے گزرتے ہیں جن کی سالانہ تعداد بارہ کروڑ بنتی ہے۔ تیز رفتار ٹرینیں بھی ہیں جو یورپ کے بڑے بڑے شہروں کو جاتی ہیں اور کم رفتار گاڑیاں بھی جو اندرون ملک کے چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں سے گزرتی ہیں۔

میلانو سے ہمیں جانا تو روم تھا اور پھر ویٹی کن سٹی لیکن روم کی ٹرین قدرے تاخیر سے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روانہ ہونی تھی سو ہم نے فیصلہ کیا کہ فرزنے چلتے ہیں جو اٹلی کے وسط میں واقع ہے وہاں سے کوئی نہ کوئی گاڑی روم کے لیے مل جائے گی۔ سو ہم فرزنے کی ٹرین میں سوار ہو گئے۔
ایک ڈبے میں گئے تو وہاں ایک نوجوان طالبہ کتابیں سنبھالے بیٹھی تھی۔ ہم نے اخلاقاً اس سے پوچھا کہ ہم اس ڈبے میں بیٹھ جائیں اسے کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔ اس نے تیوریاں چڑھا کر برا سا منہ بنایا اور جواب دیے بغیر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اب یہ اس کے باپ کا ڈبہ تو تھا نہیں، ہم چاہتے تو وہاں بیٹھ سکتے تھے لیکن مسافر کم تھے، گاڑی خالی پڑی تھی، ہم ایک اور ڈبے میں چلے گئے۔ یہ بھی خالی تھا۔ ایک گھنٹے بعد گاڑی کسی سٹیشن پر رکی تو ادھیڑ عمر کے کوئی میاں بیوی ہمارے ڈبے میں آئے اور گڈ مارننگ کہہ کر بیٹھ گئے۔ گاڑی چلی تو وہ اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے، ہم اپنی باتوں میں۔ ہمیں محسوس ہوا کہ خاتون ہماری باتیں غور سے سننے کی کوشش کر رہی ہے۔ خیال صحیح ثابت ہوا اس نے نرمی سے ہمیں مخاطب کیا اور بولی ''میں تین چار زبانیں جانتی ہوں، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی۔ یہ آپ کس زبان میں باتیں کر رہے ہیں۔ ایک لفظ میرے پلے نہیں پڑا'' ہم نے فخر سے بتایا کہ ہم اردو بول رہے ہیں۔ اس نے مزید دلچسپی ظاہر کی تو ہم نے مختصراً اپنی زبان کی تاریخ بھی بیان کر دی۔ ''یہ نسبتاً کم عمر زبان ہے، صرف ایک ہزار سال پرانی۔ ایک مسلمان فاتح تھا محمود غزنوی، اس نے اپنا ایک لشکر لاہور میں چھوڑ دیا تھا۔ اس کے لشکر میں عربی بولنے والے بھی تھے، فارسی بھی۔ کچھ مقامی لوگ جو سنسکرت بولتے تھے، اکٹھے رہتے ہوئے عربی بولنے والوں نے فارسی کے کچھ لفظ سیکھ لیے، فارسی والوں نے عربی کے۔ اس طرح مختلف زبانوں سے مل کر جو زبان وجود میں آئی، اردو کہلائی۔ اردو بجائے خود ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی ہیں، لشکر، شروع شروع میں یہ محمود غزنوی کے لشکر ہی کے لیے استعمال ہوتا تھا لیکن پھر اس زبان کے لیے استعمال ہونے لگا جو اس لشکر میں بولی جاتی تھی۔''
وہ خاتون بہت خوش ہوئیں اور پھر باقی سفر میں وہ ہمیں سے باتیں کرتی رہیں۔ ان کے شوہر مسٹر فاک پٹرولیم انجینئر تھے اور وہ خود ایک استانی۔ ان کی پیدائش اٹلی میں ہوئی

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ وہ سات سال کی تھیں جب ان کے والدین نقل مکانی کر کے امریکہ چلے گئے۔ انہیں اس بات پر بڑی حیرت تھی کہ یورپ کی کوئی زبان جانے بغیر محض انگریزی کے سہارے ہم اتنے ملکوں کا سفر کر چکے ہیں۔ وہ اہلیہ کے عبائے اور سکارف کو دیکھ کر بہت خوش تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ خود کیتھولک ہیں اور ان کے میاں پروٹسٹنٹ۔ بولیں جب ہم جوان تھے تو کوئی لڑکی بغیر بازو کی قمیص یا سر ڈھانپے بغیر گرجے میں داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے جدید زمانے کے سکرٹ اور کھلے گریبانوں والی قمیصوں کو بدصورت (Ugly) قرار دیا اور بتایا کہ میں نے اپنے بچوں اور اپنے بچوں کے بچوں کی تربیت اس طرح کی ہے کہ انہیں بدصورت لباس میں میرے سامنے آنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک انجینئر، ایک پروفیسر۔ ایک بیٹی تھی جو ڈاکٹر تھی۔ انہوں نے آئندہ سفر کے لیے بھی ہمیں کئی ہدایات دیں۔ انہوں نے بتایا کہ فرنزے پیدل شہر (Walking city) کہلاتا ہے۔ آپ کم از کم دو گھنٹے وہاں ضرور گزاریں۔

فرنزے اترے تو خاتون کی ہدایت کے مطابق فیصلہ کیا کہ کچھ دیر شہر میں گھومتے ہیں۔ اس شہر کو انگریزی میں فلورنس کہتے ہیں اور یہاں کے کئی لوگوں نے عالمگیر شہرت حاصل کی۔ مشہور پینٹنگ مونالیزا کا مصور لیونارڈ داونسی (1512-1452) یہیں کا رہنے والا تھا۔ اس نے ایک دولت مند شخص فرانسسکو ڈیل کیوکرنڈو کی فرمائش پر اس کی بیوی لیزا گرار دینی کی تصویر بنانی شروع کی تھی۔ تین چار برس میں یہ تصویر مکمل ہوئی تھی۔ مونا اطالوی زبان میں میڈم یا مائی لیڈی کو کہتے ہیں۔ تو مونالیزا کا مطلب ہوا میڈم لیزا یا مائی لیڈی لیزا۔ جب یہ پینٹنگ مشہور ہوئی تو اسے فرانس کے بادشاہ فرانسس اول نے خرید کر فرانس کے شہر لوورے کے میوزیم میں رکھوا دیا تھا۔ اس وقت اس کی انشورنس کے لیے دس کروڑ ڈالر طلب کیے گئے تھے جو حکومت فرانس نے نہیں دیئے۔ اب تک اس کی حفاظت پر جو رقم خرچ ہو چکی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ لیونارڈ داونسی کا ایک اور شاہکار آخری کھانا (Last Supper) ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق سولی چڑھنے سے ایک رات

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قبل اپنے حواریوں کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ البتہ مونالیزا کے بارے میں جتنا لکھا گیا ہے، کسی اور تصویر کے بارے میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں لکھا گیا۔ جتنی مونالیزا پر بحث کی گئی ہے، کسی اور تصویر پر اتنی بحث نہیں ہوئی۔ نقادوں نے مختلف پہلوؤں سے جو جائزے پیش کیے ہیں، کسی اور تصویر کے بارے میں نہیں ہوئے۔

فلورنس کی ایک اور شہرہ آفاق شخصیت گیلیلیو (1642-1564) کی ہے۔ وہ ماہر طبیعات تھے، ماہر فلکیات، انجینئر، فلاسفر اور ماہر حساب دان۔ ان سے پہلے سائنسدانوں کا نظریہ تھا کہ زمین اپنی جگہ پر قائم ودائم ہے اور سورج سمیت دوسرے سیارے زمین کے اردگرد گھومتے ہیں۔ کلیسا بھی اس نظریے پر یقین رکھتا تھا کیونکہ بائبل کی متعدد آیات میں یہ لکھا ہے کہ زمین حرکت نہیں کرسکتی۔ مثلاً زبور (انگریزی میں Psalm) کے باب 104، کی آیت نمبر 5 میں لکھا ہے (خداوند نے) زمین کو اس کی بنیادوں پر قائم کیا کہ یہ اپنی جگہ سے ہلائی نہ جا سکے۔ باب 93، آیت 1، باب 6، آیت 15 میں بھی اسی طرح کی عبارت ہے۔ کرانیکل کے باب 16، آیت 30 کہتی ہے: ''اس سے ڈرو۔ تمام زمین اور دنیا اپنی جگہ قائم رہے گی اور حرکت نہیں کرے گی۔''

گیلیلیو نے اس کے برعکس یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین حرکت میں ہے اور دوسرے اجرام فلکی سمیت سورج کے اردگرد گھومتی ہے۔ کلیسا کی طرف سے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا۔ انہیں کفریہ کلمات قرار دیا گیا اور گیلیلیو کو وضاحت کے لیے کلیسا میں طلب کیا گیا۔ ستمبر ۱۶۳۲ء سے جولائی ۱۶۳۳ء تک ان سے پوچھ گچھ ہوتی رہی اور بالآخر انہیں ان کے گھر پر نظر بند کر دیا گیا۔ لکھنے سے اور اپنے نظریات کا پرچار کرنے سے روک دیا گیا۔ ملاقاتوں پر پابندی لگادی گئی۔ کسی مصور نے ان کی ان دنوں کی ذہنی کیفیت پر ایک تصویر بنائی جس میں اداس گیلیلیو گہری سوچ میں مستغرق ایک دیوار کی طرف دیکھ رہے ہیں جس پر لکھا ہوا ہے Yet it moves (پھر بھی زمین حرکت تو کرتی ہے) انہوں نے نظر بندی کے دوران ہی دو کتابیں لکھیں جو ہالینڈ سے شائع ہوئیں۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ صرف ایک مثال ہے ان وجوہات کی، جن کی وجہ سے مغربی دنیا کے لوگ مذہب سے دور ہو گئے۔ بائبل میں انسان اور کائنات کی تخلیق یا دیگر سائنسی علوم کے بارے میں جو بھی ذکر ملتا ہے وہ سائنسی حقائق پر پورا نہیں اترتا۔ اس کے برعکس قرآن میں ایک ہزار سے زائد سائنسی علوم سے متعلق ہیں اور کوئی ایک بھی سائنسی حقائق سے متعارض نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ایک فرانسیسی مصنف موریس بوکائیے نے ایک تحقیقاتی کتاب لکھی ہے جس کا اردو ترجمہ ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے نام سے دستیاب ہے۔ ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ کی کتاب ''وجودِ باری تعالیٰ اور توحید'' بھی قرآن اور سائنسی نظریات کے بارے میں دلچسپ حقائق بیان کرتی ہے۔ قرآن میں جن سائنسی حقائق کا ذکر ہے ان میں اسی فیصد درست ہونے کی تصدیق سائنس کر چکی ہے اور باقی بیس فیصد حقائق وہ ہیں جن تک سائنس ابھی تک نہیں پہنچ سکی۔ اس کے لیے مزید تحقیقات درکار ہیں۔

فلورنس کی ایک اور مشہور شخصیت فلورنس نائٹنگیل (۱۹۱۰ء۔ ۱۸۷۰) ہیں جنہوں نے نرسنگ کے پیشے کو وقار بخشا۔ وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اور وقت کے رواج کے مطابق ان کے والدین کی خواہش تھی کہ وہ کسی اچھے لڑکے کا انتخاب کر کے شادی کرے اور خوشحال زندگی گزارے لیکن انہوں نے شادی کرنے سے انکار کر دیا اور ساری زندگی انسانیت کی خدمت میں گزار دی۔ جنگ کریمیا میں انہوں نے مریضوں کی تیمارداری میں دن رات ایک کر دیا۔ وہ راتوں کو ہاتھ میں لیمپ لیے مریضوں کا حال پوچھتی پھرتی تھیں۔ کہتے ہیں ان کی کوششوں سے دو تہائی مریضوں کی جان بچائی گئی۔

فلورنس ایک چھوٹا سا شہر ہے اور دریائے آرنو کے کناروں پر آباد ہے۔ اسے پیدل چلنے والوں کا شہر (Waking City) اس لیے کہتے ہیں کہ آپ پیدل ہی پورا شہر دیکھ سکتے ہیں۔ گاڑیاں چلتی تو ہیں لیکن بہت سے میوزیم اور تاریخی مقامات اتنی تنگ گلیوں میں واقع ہیں کہ گاڑیاں وہاں جا نہیں سکتیں۔ ہم نے بھی کوئی دو گھنٹے فلورنس میں گزارے اور ایک جگہ سے ایک اٹیچی کیس بھی خریدا جو فرانس سے خریدے گئے اٹیچی کیس سے سستا بھی تھا اور

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوبصورت بھی۔

فلورنس سے ہم نے روم کی ٹرین پکڑی۔ یہ تیز رفتار ٹرین نہیں تھی۔ جگہ جگہ رکتی تھی چار گھنٹوں میں روم پہنچے۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے اور ایسے میں کسی آشیانے کی تلاش ہوتی ہے۔ سٹیشن پر کئی ہوٹلوں کے نمائندے گھوم رہے تھے۔ ایک سے پوچھا کہ ایک رات کا کرایہ کیا ہوگا۔ اس نے فرمایا، ایک سونوے یورو۔ ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ ویٹی کن سٹی دیکھ کر واپس چلتے ہیں، رات ٹرین میں گزاریں گے اور صبح تک کہیں نہ کہیں پہنچ جائیں گے۔ ایک مقامی بس سے ہم ویٹی کن سٹی پہنچے۔

ویٹی کن میں داخلے کے کچھ آداب مقرر ہیں۔ ننگی ٹانگوں، کھلے گریبان یا بغیر بازوؤں والی قمیص کے ساتھ چرچ میں داخلہ منع ہے۔ اس کے لیے داخلی دروازے پر سکارف اور طویل سکرٹ رکھے ہوتے ہیں۔ ہم جب وہاں پہنچے تو سروس یعنی عبادت ہورہی تھی۔ ہم خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئے اور عبادت کے بعد اردگرد گھومتے رہے۔ بڑی تعداد میں کبوتر بھی تھے۔ اہلیہ نے اپنے پاس موجود ڈبل روٹی کے ٹکڑے ڈالے۔

ویٹی کن سٹی کی حیثیت ایک آزاد ریاست کی ہے جس کی اپنی انتظامیہ، پارلیمنٹ اور پولیس ہے۔ پوپ اس ریاست کے سربراہ ہوتے ہیں۔ وہ ایک صدر، سیکرٹری جنرل، اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل کو پانچ سال کے لیے نامزد کرتے ہیں۔ ویٹی کن سٹی میں رہنے والوں کی تعداد آج کل آٹھ سو کے قریب ہے جن میں تین بتیس خواتین ہیں۔ کسی پوپ کے انتقال یا مستعفی ہونے کی صورت میں تمام کارڈینل کو ایک گرجے میں بند کردیا جاتا ہے جہاں بیلٹ کے ذریعے وہ نئے پوپ کا انتخاب کرتے ہیں۔ نئے پوپ کے انتخاب کے لیے دو تہائی اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انتخاب مکمل ہونے پر بیلٹ پیپر ایک انگیٹھی میں جلائے جاتے ہیں۔ چمنی سے دھواں نکلتا دیکھ کر باہر کے لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ انتخاب مکمل ہوگیا۔ تب انہیں کھولا جاتا ہے اور نئے پوپ کا تعارف کروایا جاتا ہے۔

ویٹی کن سے ہم واپس روم کے ریلوے سٹیشن پر آئے اور پیسا کی ٹرین میں سوار

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے۔ یہ ریگولر ٹرین کہلاتی تھی اور ہر چھوٹے بڑے سٹیشن پر رکتی تھی۔ اس نے جب ہمیں پیسا پہنچایا تو آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی اور اس بات کا موقع نہیں تھا کہ ہم گھوم پھر کر کوئی سستا سا ہوٹل تلاش کرتے۔ ویسے بھی اٹلی کے جنوبی علاقوں میں امن و امان کی صورت حال ٹھیک نہیں تھی۔ چور اچکے کھلے پھرتے ہیں سو ہم نے سٹیشن کے قریب ہی ایک تھری سٹار ہوٹل میں جگہ بنائی جس نے رات کے قیام کے اسّی یورو وصول کیے۔

صبح اٹھ کر ہم نے ناشتے کے بعد سامان پیک کر کے استقبالیے میں رکھوا دیا کہ ترچھے مینار کو دیکھ کر واپس آئیں تو فوراً ہی روانہ ہو جائیں۔ اگر ہم بارہ بجے کے بعد پہنچتے اور سامان کمرے میں ہوتا تو ہمیں ایک دن کا کرایہ اور دینا پڑتا۔ سیر و سیاحت میں ان باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے وگرنہ بلاوجہ پیسے ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ استقبالیے سے ہم نے ترچھے مینار کی طرف جانے والے راستے کی معلومات لیں۔ انہوں نے ہوٹل کے قریب ایک بس سٹاپ کی طرف رہنمائی کی کہ وہاں سے فلاں بس نمبر میں سوار ہو جائیں۔ جب ہم بس سے اترے تو سیاحوں کا ایک ہجوم ترچھے مینار کی طرف رواں تھا۔ ہم بھی اس ہجوم میں شامل ہو گئے۔ راستے میں ایک مصور کو دیکھا کہ وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھا اور سڑک پر ایک لڑکی کی تصویر بنا رہا تھا۔ ہم پیسا کے ترچھے مینار (Leaning Tower of Pisa) پہنچے تو دیکھا کہ چاروں طرف سیاح بکھرے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے انداز سے تصویریں بنا رہے ہیں۔ کچھ لوگ مینار سے دور ہاتھ پھیلا کر اس انداز سے کھڑے تھے جیسے مینار کو گرنے سے روک رہے ہیں۔ کچھ لوگ لیٹ کر ٹانگوں سے مینار کو روک رہے تھے۔ تین لڑکیوں نے عجیب پوز بنایا۔ دو لڑکیاں ایک دوسرے کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئیں۔ تیسری ان کے کاندھوں پر سوار ہو گئی۔ بنانے والے نے نچلے زاویے (Low angle) سے ایسے تصویر بنائی کہ اوپر کھڑی ہوئی لڑکی کا سر مینار کے اوپری سرے کو چھوتا محسوس ہوتا تھا۔

اس مینار کی بلندی زیادہ نہیں ہے صرف ۱۸۷ فٹ ہے لیکن یہ اپنی بلندی کی وجہ سے نہیں بلکہ ترچھا ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ دنیا میں اور بھی ترچھی عمارتیں ہیں تیس کے

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قریب لیکن بین الاقوامی شہرت اسی کے حصے میں آئی۔ یہ ترچھا بنایا نہیں گیا تھا، غلطیوں کی وجہ سے بعد میں ترچھا ہوا کہ سروے کرتے ہوئے زیر زمین مٹی کا صحیح اندازہ نہیں ہوا کہ یہ اس مینار کا بوجھ سہار سکے گی کہ نہیں۔ اس کی تعمیر اگست ۱۱۷۳ء میں شروع ہوئی تھی۔ یہ قریب ہی واقع ایک چرچ کے لیے گھنٹیاں بجانے کے لیے بنایا گیا تھا کہ ہر چرچ میں سروس سے پہلے گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں۔ اس مینار میں بھی ہر منزل پر ایک ایک دو دو گھنٹیاں لگی ہوئی ہیں، آخری منزل پر آٹھ گھنٹیاں نصب ہیں۔ ابتدا میں اس کی صرف دو منزلیں بنائی گئی تھیں۔ پانچ سال بعد ۱۱۷۸ء میں یہ مینار ایک طرف سے بیٹھ گیا۔ خوف و ہراس پھیل گیا اور اسے عوام کے لیے بند کر دیا گیا۔ سو سال تک یہ اسی حالت میں رہا۔ بعد میں جب یہ یقین ہو گیا کہ یہ مزید نہیں جھکے گا تو بہت سی ڈرلنگ مشینوں کے ذریعے جہاں سے مینار بیٹھ گیا تھا، مٹی نکالی گئی اور پائپوں کے ذریعے سخت مٹی اور کنکریٹ ڈالی گئی اور لوہے کی تاریں، مینار کے گرد لپیٹ کر انہیں مخالف سمت میں کھینچا گیا جس سے ترچھا پن کم تو ہوا لیکن مینار بالکل سیدھا نہ ہو سکا۔ پھر اس پر چھ منزلیں اور تعمیر کی گئیں۔ اب یہ ایک طرف سے ۱۸۷.۲۷ فٹ بلند ہے اور مخالف سمت میں ۱۸۶ فٹ۔ ۱۹۸۹ء سے ۲۰۰۱ء تک یہ عوام کے لیے بند رہا کہ اس کے گرنے کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔ پھر تعمیر و مرمت کے بعد اسے عوام کے لیے کھول دیا گیا۔ ۲۰۰۸ء میں انجینئروں نے اعلان کیا کہ مینار کی حرکت مکمل طور پر رک چکی ہے اور اب دو سو سال تک یہ اپنی موجودہ حالت پر باقی رہے گا۔

مینار کے ارد گرد چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں جن میں مینار کی شکل کی بہت سی چیزیں تھیں۔ ایک بنگلہ دیشی دکاندار سے ملاقات ہوئی۔ یہ جان کر کہ ہم پاکستان سے ہیں، بڑی محبت کا اظہار کیا اور بازار کی نسبت ہم سے کم دام وصول کیے۔ بھوک لگنے لگی تھی۔ اتفاق سے ہمیں واپسی پر ایک ٹرکش ریسٹورنٹ مل گیا۔ ترکی کے لوگ پاکستانیوں سے ویسے ہی محبت کرتے ہیں تو ہم تو مسافر بھی تھے۔ عملے نے بڑی خاطر تواضع کی۔ ہم نے سیر ہو کر کھانا کھایا بلکہ راستے کے لیے پیک بھی کروالیا۔ مصور کے پاس سے گزرے تو وہ تصویر مکمل کرنے کو تھا۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کے اردگرد یورو کے سکے اور نوٹ بکھرے پڑے تھے لیکن وہ ان سے بے نیاز پورے انہماک سے تصویر میں رنگ بھر رہا تھا۔ ہوٹل سے سامان اٹھایا۔ سٹیشن آئے اور میلانو کی ٹرین میں بیٹھ گئے۔ راستہ سمندر کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ ساحل سمندر پر عریاں لوگ غسل آفتابی میں مصروف تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے غض بصر کا اہتمام کر رکھا تھا کہ ساحل سمندر چند لمحوں کے لیے نظر آتا اور ٹرین فوراً ہی کسی سرنگ میں داخل ہو جاتی یا اونچی نیچی پہاڑیوں کی اوٹ میں ہو جاتی۔ ہم نے اٹلی کے شمال سے سفر شروع کیا تھا اور جنوب میں کافی دور تک گئے تھے۔ شمالی اور جنوبی اٹلی میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ جنوبی اٹلی میں مکانات چھوٹے تھے، بوسیدہ تھے۔

ان کے گھر کی دیواروں پہ ناصر
اداسی بال کھولے سو رہی تھی

دیواروں پہ جابجا سیاسی نعرے لکھے ہوئے تھے۔

شمالی اٹلی میں گھر جدید تھے، صاف ستھرے، دیواریں صاف، گھروں کے باہر خوبصورت لان، سرسبز گھاس اور پھولوں کی کیاریاں، خوشحالی صاف ظاہر تھی۔

ساڑھے سات بجے شام ہم میلانو پہنچے۔ پیرس کے لیے ٹرین نے دس بجے روانہ ہونا تھا۔ ہم نے بکنگ کروائی اور سٹیشن کے باہر ٹہلتے رہے، ٹرین روانہ ہوئی تو ہم نے پیسا کے ٹرکش ریسٹورنٹ سے خریدا ہوا کھانا کھایا اور سو گئے۔ صبح ہوئی تو ہم پیرس میں تھے۔ ہمارا کچھ سامان شیخ مبشر کے ریسٹورنٹ پر پڑا تھا لیکن وہاں جانے سے پہلے ہم شانزے لیزے گئے کہ پچھلی مرتبہ جب ہم وہاں گئے تھے تو فوراً ہی بارش شروع ہو گئی تھی۔ اس دن موسم بالکل صاف تھا۔ شانزے لیزے پہنچے۔ دنیا بھر کے سیاح یہاں نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں کی نمائندگی وہ فقیر لڑکیاں کرتی نظر آئیں جن میں سے بیشتر کا تعلق افریقی ممالک سے تھا۔ وہ ہم جیسے لوگوں کو دیکھ کر السلام علیکم سے گفتگو کی ابتداء کرتیں یا اللہ کے نام پر کچھ طلب کرتیں۔ یہ بات بھی یہیں معلوم ہوئی کہ جب آپ کسی سے پوچھتے ہیں ''کیا آپ انگریزی جانتے ہیں؟'' تو زیادہ تر لوگ نفی میں سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ کیونکہ اثبات میں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

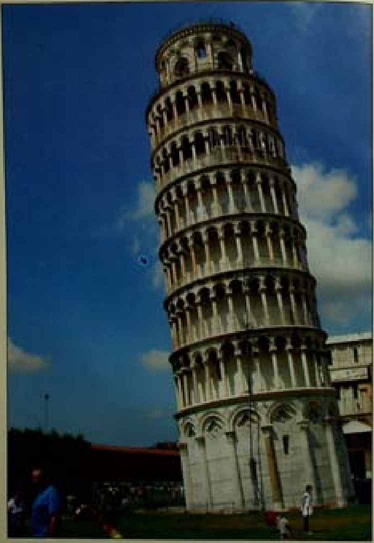

پیسا کا ترچھا مینار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لندن ۔ بگ بینگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چشم لندن (London Eye)

لندن۔ مادام تساؤ کے میوزیم میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برٹش انسٹیٹیوٹ آف ہومیوپیتھی کے پرنسپل ڈاکٹر کک مصنف کو ڈگری دیتے ہوئے

لندن ۔ مصنف اُس وقت جلاوطن رہنما نواز شریف کو اپنی کتابیں پیش کرتے ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب دینے کی شکل میں زیادہ تر پوچھنے والے ایک یورو کا سوال کرتے ہیں۔ لٹنے کی وارداتات بڑی کثرت سے ہوتی ہیں۔ ایک اطالوی شخص نے ہمارے قریب کار روکی۔ پہلے پوچھا، ''انگریزی جانتے ہیں۔'' اثبات میں جواب پا کر وہ بولا کہ وہ لیدر کی جیکٹوں کا کاروبار کرتا ہے۔ کسی نمائش میں شرکت کے لیے پیرس آیا تھا۔ کسی نے اس کا بٹوہ چوری کرلیا۔ اس کے پاس واپسی کے سفر کے پیسے نہیں تھے۔ اس نے پچھلی سیٹ پر پڑی ہوئی جیکٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک ایک ہزار یورو کی جیکٹس ہیں لیکن میں صرف سو یورو میں دے دوں گا۔ مجھے صرف پٹرول کے لیے پیسے چاہئیں۔ ہم نے معذرت کرلی۔

شانزے لیزے سے شیخ مبشر کے ریسٹورنٹ گئے۔ شاہد نے پراٹھوں اور انڈوں کے آملیٹ سے ناشتہ کروایا۔ ہم نے میزبانی پر سب کا شکریہ ادا کیا اور سامان اٹھا کر گورڈی نور آ گئے۔ وہاں سے برسلز پہنچے۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ ایک انتہائی تیز رفتار ٹرین لیگ جاتی ہے جو ساڑھے تین سو کلومیٹر فی گھنٹہ رفتار سے چلتی ہے اور دو گھنٹوں میں لیگ پہنچا دیتی ہے۔ ہم نے بکنگ کروائی اور لیگ پہنچ گئے۔ تسلیم سٹیشن آئے ہوئے تھے۔ گھر پہنچے اور کھانا کھا کر رات گئے تک تسلیم اور عطیہ کو وہ فلم دکھاتے رہے جو ہم نے یورپ کے سفر میں بنائی تھی۔

صبح تسلیم تو سٹور چلے گئے۔ عطیہ ہمیں لے کر سیر کے لیے نکلیں۔ ان کے گھر کے قریب ہی ایک مارکیٹ تھی۔ وہاں سے پرفیوم کی کئی بوتلیں خریدیں۔ پھر قریب ہی بہتی ایک نہر کے ساتھ ساتھ سیر کرتے رہے۔ عطیہ نے بتایا کہ اس جیسی بہت سی نہریں ہٹلر نے یورپ کے کئی شہروں میں بنوائی تھیں تاکہ فوجی ساز و سامان کی نقل و حرکت میں آسانی رہے۔ اب یہ نہریں مقامی لوگوں کے کام آتی ہیں۔ سیر کے بعد گھر واپس آ گئے۔ شام کو تسلیم اور نعیم کے ایک مشترکہ دوست صبور ہمیں لینے آ گئے۔ وہ سترہ سال سے جرمنی میں مقیم ہیں۔ ایک مقامی لڑکی سے شادی کر رکھی ہے، تین بچے ہیں۔ خوش باش طبیعت کے مالک ہیں۔ ان کے ساتھ سفر پلک جھپکنے میں گزر گیا۔

دوسرے دن نعیم ہمیں لے کر ڈوزلڈورف کے اس اڈے پر گئے جہاں سے ہم نے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

لندن کے لیے روانہ ہونا تھا۔ اڈہ تو کافی بڑا تھا۔ لیکن ویران وسنسان۔ صرف ایک کونہ اس ایرلائن کے استعمال میں تھا جو کم کرایوں والی ایئر لائن کہلاتی تھی۔ انہوں نے اپنے حصے میں جھاڑو پوچے کا انتظام کر رکھا تھا، باقی ایئر پورٹ گرد آلود تھا جس میں پٹرول کے ڈبے، تاریں، ٹوٹی پھوٹی گاڑیاں، گتے کے ڈبے اور اسی طرح کی دیگر چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ ایرلائن کی طرف سے مسافروں اور ان کے سامان کی چیکنگ کا بڑا اہتمام تھا۔ جب جہاز میں بیٹھ گئے تو دیکھا، کوئی ایرہوسٹس نہ سٹیورڈ۔ اب اتنے کم کرایے میں چمکتے دمکتے فرش اور ہنستی مسکراتی فضائی میزبان تو نظر نہیں آتی تھیں۔ پائلٹ بہ نفس نفیس تشریف لائے، مسافروں کو گنا اور بولے کہ آئیں چلتے ہیں۔ مقررہ وقت میں ابھی دس پندرہ منٹ باقی تھے جب جہاز ٹیک آف کر گیا۔

جہاز نے لندن کے جگمگاتے ایئرپورٹ پر نہیں بلکہ شہر سے کافی دور ایک نسبتاً چھوٹے سے ایرپورٹ پر اتارا۔ نعیم نے اپنے کسی دوست کو کہہ رکھا تھا کہ وہ ہمیں لے جائیں تھوڑی دیر انتظار کے بعد وہ آئے۔ ڈیڑھ گھنٹے میں انہوں نے ہمیں سکندر کے گھر پہنچادیا۔ یہاں ہمیں اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کا موقع ملا کہ اہلیہ کو مادام تساؤ کا میوزیم دکھائیں گے۔ تفصیلات پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ایک ہفتہ قیام کے بعد ہم پاکستان لوٹ آئے۔

جن دنوں ہم لندن پہنچے، انہی دنوں نواز شریف بھی وہاں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ایک فلیٹ میں ان کی رہائش تھی اور ایک فلیٹ دفتر کے طور پر استعمال ہوتا تھا جہاں ان کے مداحوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ ہم ان دنوں کارگل کے بارے میں کتاب "Witness to Blunder" (اردو ترجمہ، جنٹلمین استغفراللہ) پر کام کر رہے تھے۔ مناسب سمجھا کہ ان سے ۱۲ اکتوبر کے بارے میں کچھ تفصیلات حاصل کی جائیں۔

اپنی کتاب میں "طویل ترین دن" کے عنوان سے ایک باب میں ہم نے ۱۲ اکتوبر کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس کے بعد ہم نے انہیں سندھ ہائیکورٹ کی عدالت میں دیکھا تھا جہاں جسٹس شبیر نے ابتدائی سماعت کی۔ وہاں سے مقدمہ انسداد دہشت گردی کی ایک

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عدالت میں منتقل کر دیا گیا تھا جس کے سربراہ جسٹس رحمت حسین جعفری تھے۔ ان کی عدالت میں جگہ تنگ تھی اور یہ طے ہوا تھا کہ میڈیا کے لوگوں کو عدالت میں آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ہم ان دنوں ۵ کور ہیڈ کوارٹر میں پبلک ریلیشنز آفیسر کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ہم جسٹس رحمت حسین جعفری سے ملے اور کہا کہ نواز شریف کا مقدمہ کوئی عام مقدمہ نہیں، بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہے۔ میڈیا کی غیر موجودگی سے عدالت کی کارروائی مشکوک قرار پائے گی، بہتر ہے کہ میڈیا کے نمائندوں کو عدالت میں بیٹھنے کی اجازت دی جائے۔ انہوں نے جگہ کی تنگی کا ذکر کیا۔ ہمارے کہنے پر وہ اس بات کے لیے تیار ہو گئے کہ عدالت کی پچھلی دیوار کے ساتھ ساتھ کچھ کرسیاں لگا دی جائیں۔ میڈیا کے لوگ وہاں بیٹھ سکیں گے۔ عدالتی کارروائی کے پہلے دن ظاہر ہے کہ میڈیا کے لوگوں کا ایک ہجوم تھا جس میں قومی پریس کے علاوہ بین الاقوامی نیوز ایجنسیوں اور ٹیلی ویژن کے رپورٹر بھی شامل تھے۔ سب کے سب اندر جانا چاہتے تھے۔ ہم نے انہیں ساری بات سمجھائی اور بتایا کہ صرف چھ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ آپ آپس میں فیصلہ کر لیں کہ پہلے چھ آدمی کون ہوں گے اور وقفے کے بعد کون لوگ اندر جائیں گے۔ جب وہ خود کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو ہم نے خود چھ افراد کو نامزد کیا کہ ابتدائی کارروائی میں یہ افراد اندر جائیں گے اور وقفے کے بعد فلاں فلاں افراد۔ آخر میں کوئی بھی مطمئن نہیں تھا اور انہوں نے اس انتظام پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ تب ہم نے خود کو اس کارروائی سے الگ کر لیا اور دوسرے دن عدالت نہیں گئے۔ صحافیوں نے ہجوم کر کے عدالت میں گھسنا چاہا تو رینجرز نے لاٹھی چارج کر کے سب کو عدالت کی عمارت سے ہی باہر نکال دیا۔ ایک صحافی عبداللہ طارق کو جو کسی طرح اندر رہ گیا تھا، ڈولی ڈنڈا کر کے بیرونی دروازے کے پار پھینک دیا گیا۔ ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندے ضرار کی انگلیاں زخمی ہو گئیں۔ شام کو صحافیوں کا ایک وفد ہمارے پاس آیا۔ انہوں نے رینجرز کے ظلم و ستم کی کہانی سنائی اور ہم سے درخواست کی کہ ہم واپس آ جائیں، تمام صحافی ہم سے تعاون کریں گے۔

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قصہ مختصر کہ دو مہینے کی کاروائی کے بعد انسداد دہشت گردی کی عدالت نے نواز شریف کو طیارہ اغوا کرنے کے جرم میں عمر قید کی سزا سنائی۔ ان کے باقی ساتھیوں کو بری کر دیا گیا جن میں شہباز شریف، غوث علی شاہ، شاہد خاقان عباسی اور سابق انسپکٹر جنرل پولیس سندھ رانا مقبول شامل تھے۔ نواز شریف کو قتل عمد اور طیارے کے مسافروں کو اغوا کرنے کے الزامات سے بری کر دیا گیا۔ پرویز مشرف کی حکومت نے اس فیصلے کے خلاف سندھ ہائیکورٹ میں اپیل دائر کی اور درخواست کی کہ نواز شریف کو سزائے موت سنائی جائے۔ سندھ ہائیکورٹ کے تین رکنی بنچ نے سماعت کے بعد انسداد دہشت گردی کے فیصلے کو برقرار رکھا اور حکومت کی اپیل مسترد کر دی۔

بعد میں سعودی حکومت کی مداخلت سے نواز شریف اپنے خاندان سمیت پہلے سعودی عرب گئے اور وہاں سے لندن منتقل ہو گئے۔ آٹھ سال بعد انہوں نے سپریم کورٹ میں سندھ ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی۔ ۱۷ جولائی ۲۰۰۹ء کو سپریم کورٹ کے ایک پانچ رکنی بنچ نے اپنے متفقہ فیصلے میں سندھ ہائیکورٹ کا فیصلہ کالعدم قرار دے دیا۔ پچپن صفحوں کے فیصلے میں کہا گیا تھا کہ نواز شریف نے طیارے کے اغوا کے لیے نہ تو کوئی فورس استعمال کی اور نہ اس بارے میں کوئی حکم جاری کیا۔ یہ بات بھی محل نظر قرار دی گئی کہ ایف آئی آر وقوع کے ایک ماہ بعد درج کروائی گئی جب کہ جنرل مشرف نے اپنی ۱۲ اکتوبر کی تقریر ہی میں طیارے کے اغوا کی بات کی تھی۔ اگر یہ بات درست تھی تو ایف آئی آر درج کرانے میں ایک مہینہ کیوں لگایا گیا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ایف آئی آر ہیڈ کوارٹر ۵ کور کے ایک سٹاف آفیسر کی مدعیت میں درج کروائی گئی تھی جن کا اس پوری کاروائی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

اس پس منظر کے ساتھ ہم نواز شریف صاحب سے ان کے دفتر میں ملے۔ اپنی کتابوں کا ایک سیٹ انہیں پیش کیا اور درخواست کی وہ علیحدگی میں کچھ وقت ہمیں دیں۔ وہ مان گئے اور ایک الگ کمرے میں آ گئے جہاں صرف مشاہد اللہ اور پرویز رشید ان کے ساتھ تھے۔

SULEMANI.COM.PK
" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے غور سے ہماری باتیں سنیں اور مختصر کچھ جواب بھی دیے جو کارگل پر لکھی گئی کتاب میں شامل ہیں۔

لندن میں ہم نے ایک اور مہم بھی سر کرنی تھی۔ ہم نے برٹش انسٹیٹیوٹ آف ہومیوپیتھی میں داخلہ لیا تھا تو پراسپکٹس میں ذکر تھا کہ اول پوزیشن حاصل کرنے والے کو انسٹیٹیوٹ کے سرپرست اعلیٰ ڈاکٹر ٹینکر ہانیمن اپنے ہاتھ سے سند عطا کریں گے۔ یہ کافی پرانا ادارہ ہے اور اسی ملکوں کے ہزاروں طلبہ فاصلاتی نظام تعلیم کے ذریعے اس سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر ٹینکر ہانیمن، ہومیوپیتھی کے بانی ڈاکٹر سموئیل ہانیمن کے پڑپوتے ہیں۔ ہم نے اول پوزیشن حاصل کی تو انہیں سمجھ نہ آئی کہ ڈاکٹر ٹینکر ہمیں سند کیونکر عطا کریں۔ انہوں نے ڈاکٹر ٹینکر کے دستخطوں کے ساتھ ایک تعریفی خط اور سند ہمیں پاکستان بھجوادی۔ اب ہمارا لندن آنا ہوا تو ہم نے ای میل کے ذریعے انہیں یاد دہانی کروائی کہ سند ہمیں ڈاکٹر ٹینکر کے ہاتھوں ملنی چاہیے۔ انہوں نے اتفاق کیا اور ایک فون نمبر دیا کہ لندن آ کر اس نمبر پر رابطہ کریں، ہم اپنے انسٹیٹیوٹ کی طرف آنے کے لیے رہنمائی کریں گے۔

ہم نے انہیں فون کیا تو ایک خاتون نے وکٹوریہ سٹیشن سے ایک ٹرین پر سوار ہونے کو کہا۔ آدھ گھنٹے بعد ہم نے ایک سٹیشن پر اترنا تھا اور وہاں سے پیدل چلنا تھا۔ ایک دو موڑ کاٹنے کے بعد ایک بارونق مارکیٹ آئی تھی جہاں انسٹیٹیوٹ واقع تھا۔ مقررہ دن ہم وکٹوریہ سٹیشن سے بتائی گئی ٹرین میں سوار ہوئے اور آدھ گھنٹے بعد ایک سٹیشن پر اتر گئے۔ ایدھم سٹیشن تھا شاید۔ دی گئی ہدایت کے مطابق ہم نے چلنا شروع کیا تو کچھ دیر بعد خود کو بارونق مارکیٹ کی بجائے ایک سنسان سے علاقے میں پایا۔ ہمیں انور مسعود کے شعر یاد آ گئے۔

ٹاہلی تھلے ملنے دا کیتا اونے وعدہ سی
ٹاہلی جتھے دسی سی، اوتھے تے کھجور اے
تسی دسو ایدے وچ میرا کی کسور اے

(اس نے ٹاہلی کے پیڑ کے نیچے ملنے کا وعدہ کیا تھا لیکن جہاں ٹاہلی کا درخت بتایا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا وہاں تو کھجور کا درخت ہے۔ آپ ہی بتائیں، اس میں میرا کیا قصور ہے)

یہ رہائشی علاقہ تھا۔ چاروں طرف فلیٹ ہی فلیٹ لیکن سب بند۔ بندہ نہ بندے کی ذات۔ گلیاں سونی، راہیں ویران۔ ہمیں ''مرزا صاحبان'' کے شعر یاد آئے۔

حجرے شاہ مقیم تے اِک جٹی عرض کرے
میں بکرا دیتی آں پیر دا، میرے سر دا سائیں مرے

(حجرے شاہ مقیم پر ایک دوشیزہ یہ کہتی تھی کہ اگر میرا شوہر مر جائے تو میں پیر کے نام پر ایک بکرا دوں گی)

ہٹی سڑے کراڑ دی، جتھے دیوا نت بلے
کُتی مرے فقیر دی، جہڑی ٹیاؤں ٹیاؤں نت کرے

(ہندو بنئے کی دکان کو آگ لگ جائے جہاں ہمیشہ ایک چراغ جلتا رہتا ہے۔ فقیر کی کتیا مر جائے جو ہمیشہ ٹیاؤں ٹیاؤں کرتی رہتی ہے)

پنج ست مرن گوانڈ ناں، رہندیاں نوں تپ چڑھے
گلیاں ہوون سنجیاں، وچ مرزا یار پھرے

(پانچ سات پڑوسنیں مر جائیں اور باقیوں کو بخار چڑھ جائے۔ گلیاں ویران سنسان ہو جائیں اور ان میں میرا یار مرزا گھومتا پھرے)

بالکل وہی منظر تھا جس کی خواہش حجرہ شاہ مقیم پر درخواست گزار دوشیزہ نے کی تھی۔ نہ کوئی دکان، نہ کسی فقیر کی کتیا۔ ہم ان اشعار سے لطف اندوز ہوتے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک خاتون فون پر بات کرتی ہوئی باہر آئی۔ شاید گھر کے اندر سگنل ٹھیک نہیں آ رہے تھے۔ ہم اس کی طرف لپکے کہ اس سے راستہ پوچھ لیں۔ اس نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھا تو گھبراہٹ کے عالم میں وہ گھر کی طرف بھاگی اور کھٹاک سے دروازہ بند کر لیا۔ پہلے ہم نے سوچا کہ جا کر بیل دیتے ہیں اور راستہ پوچھتے ہیں لیکن جس گھبراہٹ کے عالم میں وہ اندر کی طرف بھاگی تھی، اس کے پیش نظر خدشہ تھا کہ ہمیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے دروازے پر پا کر وہ کہیں پولیس کو فون نہ کر دے کہ کوئی ایشیائی دہشت گرد اس کے درپے ہے۔ ہم نے اس سے دور رہنے ہی میں عافیت جانی اور مخالف سمت میں چل پڑے۔ ایک اور دروازہ کھلا، اس میں سے دو بچے سائیکلیں لیے برآمد ہوئے۔ پیچھے پیچھے ان کی والدہ جو مسلسل ہدایات دے رہی تھی کہ اپنی لین نہیں چھوڑنی، مین روڈ پر نہیں جانا، جلدی لوٹ آنا۔ ہم آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھے، بچوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ امی کی ہدایت پر عمل کرنا۔ خاتون مسکرائی۔ ہم نے جھٹ مدعا بیان کیا کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں کیا وہ ہماری رہنمائی کر سکتی ہے۔ اس نے پہلے بچوں کو الوداع کہا پھر ہم سے پوچھا کہ کہاں جانا ہے۔ ہم نے ایک چٹ اس کی طرف بڑھائی جس پر انسٹیٹیوٹ کا پتہ اور فون نمبر لکھا تھا۔ وہ چٹ لے کر اندر چلی گئی اور باہر کے دروازے کی چٹخنی چڑھا گئی۔ تھوڑی دیر میں مسکراتی ہوئی باہر آئی اور بتایا کہ انسٹیٹیوٹ والے آپ کے منتظر ہیں۔ پھر اس نے ہمیں راستہ سمجھایا۔ پھر بولی کہ میری بڑی بیٹی کو کوئی مسئلہ درپیش ہے اور وہ خود کسی ہومیو پیتھ ڈاکٹر کی تلاش میں تھی۔ اچھا ہوا اس بہانے مجھے بھی رہنمائی مل گئی۔ میں وہاں جاؤں گی آپ ان سے ذکر کر دینا۔

ہم انسٹیٹیوٹ پہنچے تو ایک خاتون نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں لائبریری میں بٹھایا۔ تھوڑی دیر میں انسٹیٹیوٹ کے ڈائرکٹر اور پرنسپل ڈاکٹر فریڈ رنگ تشریف لائے۔ ہومیو پیتھی کی دنیا میں وہ معروف شخصیت ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ کئی برسوں تک ملکہ برطانیہ اور شاہی خاندان کے طبیب رہے ہیں۔ بڑی منکسر طبیعت کے مالک ہیں۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا پھر بتایا کہ ڈاکٹر نیگرز ہاہمن تو علالت کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہیں۔ اگر اجازت ہو تو سند دینے کا اعزاز وہ خود حاصل کرنا چاہیں گے۔ انہوں نے ہمیں سند دی اور اول پوزیشن حاصل کرنے پر مبارکباد دی۔ انہوں نے اپنی ایک کتاب "دا ہومیو پیتھی ورکشاپ" بھی ہمیں پیش کی اور انسٹیٹیوٹ کی تاحیات رکنیت کی پیشکش کی جس کی فیس اس وقت ہمارے بس میں نہیں تھی۔ ویسے بھی اس کا فائدہ بھی تھا جب ہم لندن یا اس کے قرب و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا وہاں تو کھجور کا درخت ہے۔ آپ ہی بتائیں، اس میں میرا کیا قصور ہے)
یہ رہائشی علاقہ تھا۔ چاروں طرف فلیٹ ہی فلیٹ لیکن سب بند۔ بندہ نہ بندے کی ذات۔ گلیاں سونی، راہیں ویران۔ ہمیں ''مرزا صاحبان'' کے شعر یاد آئے۔

حجرے شاہ مقیم تے اِک جٹی عرض کرے
میں بکرا دینی آں پیر دا، میرے سر دا سائیں مرے

(حجرے شاہ مقیم پر ایک دوشیزہ یہ کہتی تھی کہ اگر میرا شوہر مر جائے تو میں پیر کے نام پر ایک بکرا دوں گی)

ہٹی سڑے کراڑ دی، جتھے دیوا نت بلے
کتی مرے فقیر دی، جہڑی ٹیاؤں ٹیاؤں نت کرے

(ہندو بنئے کی دکان کو آگ لگ جائے جہاں ہمیشہ ایک چراغ جلتا رہتا ہے۔ فقیر کی کتیا مر جائے جو ہمیشہ ٹیاؤں ٹیاؤں کرتی رہتی ہے)

پنج ست مرن گوانڈ ناں، رہندیاں نوں تپ چڑھے
گلیاں ہوون سنجیاں، وچ مرزا یار پھرے

(پانچ سات پڑوسنیں مر جائیں اور باقیوں کو بخار چڑھ جائے۔ گلیاں ویران سنسان ہو جائیں اور ان میں میرا یار مرزا گھومتا پھرے)

بالکل وہی منظر تھا جس کی خواہش حجرہ شاہ مقیم پر درخواست گزار دوشیزہ نے کی تھی۔ نہ کوئی دکان، نہ کسی فقیر کی کتیا۔ ہم ان اشعار سے لطف اندوز ہوتے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک خاتون فون پر بات کرتی ہوئی باہر آئی۔ شاید گھر کے اندر سگنل ٹھیک نہیں آ رہے تھے۔ ہم اس کی طرف لپکے کہ اس سے راستہ پوچھ لیں۔ اس نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھا تو گھبراہٹ کے عالم میں وہ گھر کی طرف بھاگی اور کھٹاک سے دروازہ بند کر لیا۔ پہلے ہم نے سوچا کہ جا کر بیل دیتے ہیں اور راستہ پوچھتے ہیں لیکن جس گھبراہٹ کے عالم میں وہ اندر کی طرف بھاگی تھی، اس کے پیش نظر خدشہ تھا کہ ہمیں

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے دروازے پر پا کر وہ کہیں پولیس کو فون نہ کر دے کہ کوئی ایشیائی دہشت گرد اس کے درپے ہے۔ ہم نے اس سے دور رہنے ہی میں عافیت جانی اور مخالف سمت میں چل پڑے۔ ایک اور دروازہ کھلا، اس میں سے دو بچے سائیکلیں لیے برآمد ہوئے۔ پیچھے پیچھے ان کی والدہ جو مسلسل ہدایات دے رہی تھی کہ اپنی لین نہیں چھوڑنی، مین روڈ پر نہیں جانا، جلدی لوٹ آنا۔ ہم آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھے، بچوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ امی کی ہدایت پر عمل کرنا۔ خاتون مسکرائی۔ ہم نے جھٹ مدعا بیان کیا کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں کیا وہ ہماری رہنمائی کرسکتی ہے۔ اس نے پہلے بچوں کو الوداع کہا پھر ہم سے پوچھا کہ کہاں جانا ہے۔ ہم نے ایک چٹ اس کی طرف بڑھائی جس پر انسٹیٹیوٹ کا پتہ اور فون نمبر لکھا تھا۔ وہ چٹ لے کر اندر چلی گئی اور باہر کے دروازے کی چٹخنی چڑھا گئی۔ تھوڑی دیر میں مسکراتی ہوئی باہر آئی اور بتایا کہ انسٹیٹیوٹ والے آپ کے منتظر ہیں۔ پھر اس نے ہمیں راستہ سمجھایا۔ پھر بولی کہ میری بڑی بیٹی کو کوئی مسئلہ درپیش ہے اور وہ خود کسی ہومیو پیتھ ڈاکٹر کی تلاش میں تھی۔ اچھا ہوا اس بہانے مجھے بھی رہنمائی مل گئی۔ میں وہاں جاؤں گی آپ ان سے ذکر کر دینا۔

ہم انسٹیٹیوٹ پہنچے تو ایک خاتون نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں لائبریری میں بٹھایا۔ تھوڑی دیر میں انسٹیٹیوٹ کے ڈائرکٹر اور پرنسپل ڈاکٹر ٹریور کک تشریف لائے۔ ہومیوپیتھی کی دنیا میں وہ معروف شخصیت ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ کئی برسوں تک ملکہ برطانیہ اور شاہی خاندان کے طبیب رہے ہیں۔ بڑی ملنسار طبیعت کے مالک ہیں۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا پھر بتایا کہ ڈاکٹر ٹینکرڈ ہانیمن تو علالت کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہیں۔ اگر اجازت ہو تو سند دینے کا اعزاز وہ خود حاصل کرنا چاہیں گے۔ انہوں نے ہمیں سند دی اور اول پوزیشن حاصل کرنے پر مبارکباد دی۔ انہوں نے اپنی ایک کتاب ''دا ہومیوپیتھی ورکشاپ'' بھی ہمیں پیش کی اور انسٹیٹیوٹ کی تاحیات رکنیت کی پیشکش کی جس کی فیس اس وقت ہمارے بس میں نہیں تھی۔ ویسے بھی اس کا فائدہ تبھی تھا جب ہم لندن یا اس کے قرب و

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جوار میں رہ رہے ہوتے کہ انسٹیٹیوٹ کی سرگرمیوں سے فائدہ اٹھا سکتے۔

واپسی میں ہم نے ان کی دی گئی کتاب پڑھنا شروع کی تو اتنی دلچسپ پائی کہ جی چاہتا تھا کہ سفر ختم نہ ہو، گاڑی چلتی رہے اور ہم کتاب پڑھتے رہیں لیکن ظاہر ہے آدھ گھنٹے بعد سفر ختم ہوگیا اور لندن میں ہمارے قیام کی مدت بھی۔ سکندر زیدی اور یاسمین کے تعاون اور میزبانی پر شکریے کے لیے الفاظ کا دامن تنگ دکھائی دیتا ہے۔

حسابِ دوستاں در دل

SULEMANI.COM.PK

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

100
WITNESS
BLUNDER